سنسنی خیز موضوعات پر دنیا کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

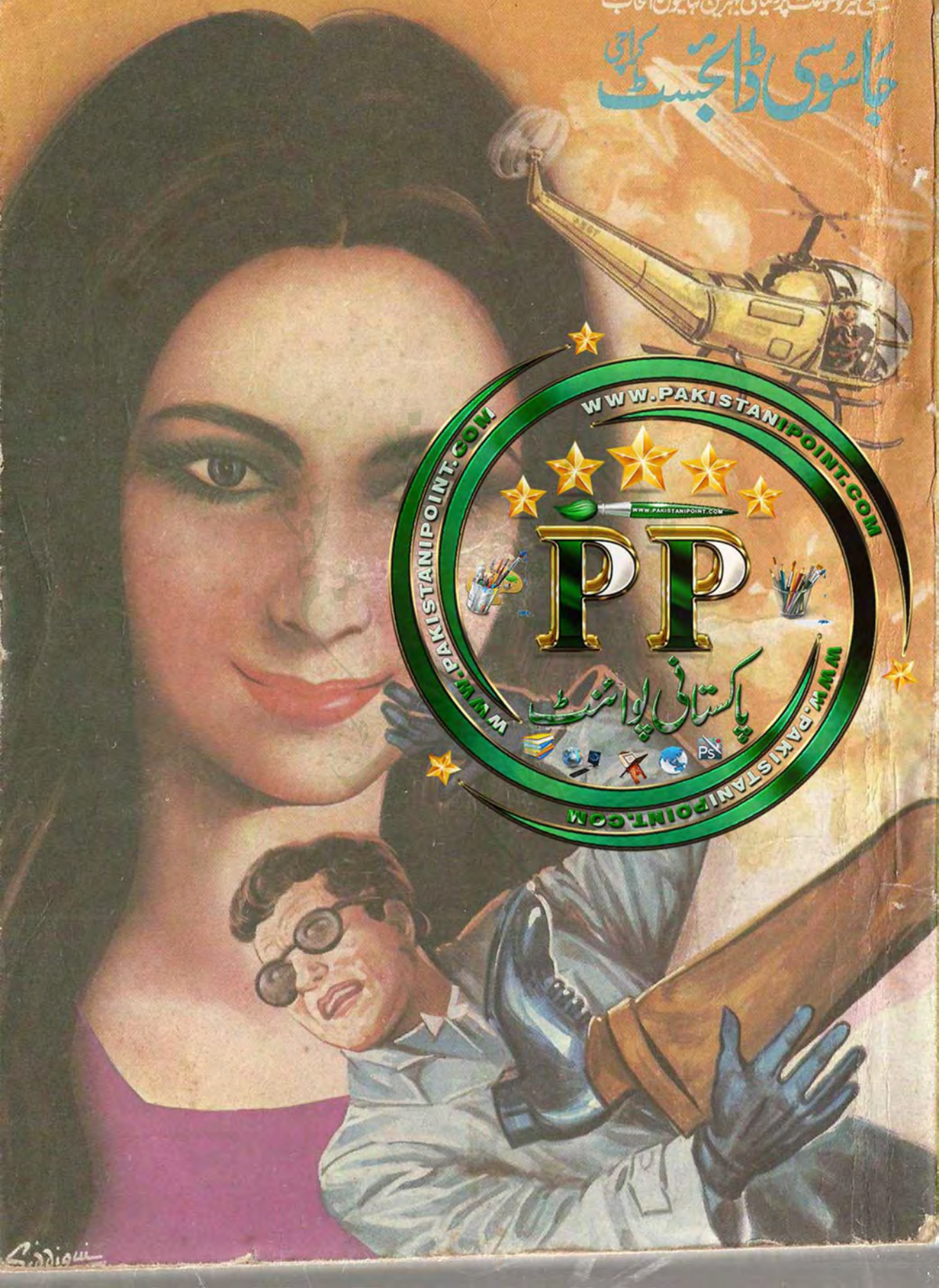

مُدیرِ اعلیٰ معراج رسُول
مُدیر عبدالغفار | مُدیرِ خصوصی اقبال اسمٰعیل میمن
منتظمِ اعلیٰ غلام کبریا | ناظمِ اشتہارات اعجاز رسُول

موم کی مورت — ۸ — شائستہ وحید
حادثاتِ زمانہ اور حالاتِ روزگار کا شکار ایک بے بس نوجوان کی آپ بیتی
اس ماہ کی انعام یافتہ کہانی

فرشتۂ انتقام — ۲۵ — ابو سلمان
جُرم سزا کے موضوع پر ولیم بینکیر کی
ایک خوبصورت اور پُر تجسس تحریر

الٹا سیدھا — ۳۶ — اویس ناصر
اس کہانی کو کارنل وولرچ نے لکھا ہے
جو تجسس سے بھرپور کہانیاں لکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے

مفرور — ۵۲ — اقلیم علیم
ایک کیمیاگر کی کہانی جو لوہے کو سونے میں تبدیل کر سکتا تھا
جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ، پچیسویں قسط

برف کی موت — ۶۸ — انجم نوید
ایک بے بس عورت کی جذباتی کہانی
جُرم و سزا کے موضوع پر ایک تاثر انگیز تحریر

پبلشر: عبدالغفار ——— مقامِ اشاعت: VE 7/14 ناظم آباد کراچی
پرنٹر: منظور احمد خان ——— مطبوعہ: جاوید پریس آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

جاسوسی ڈائجسٹ

خود شناس
۷۸
حفیظ اقبال
آپ کے پسندیدہ کردار عبدال پر ایک اور قہقہہ انگیز اور شگفتہ تحریر

صدیوں کا بیٹا
۸۸
ایم اے راحت
انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیات افروز واقعات
ایک مافوق الفطرت اور پُراسرار شخص کی حیرتناک آپ بیتی ۔ بتیسویں قسط

سائے کا تعاقب
۱۱۰
ابو المنصور
کرائے کے ایک قاتل کی دلچسپ روداد
دو جانی دشمنوں کا سنسنی خیز مقابلہ

موت کا گناہ
۱۲۰
خالدہ شاد
زندگی کے لیے موت ضروری تھی
ایک ایسے شخص کی کہانی جس نے اپنی موت کو خود آواز دی تھی

آخری حربہ
۱۲۶
اثر نعمانی
آپ کے جانے پہچانے کردار جبران کا تازہ ترین کارنامہ
اس ماہ کے لیے سرورق کی کہانی

جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۸ اگست سنہ ۱۹۷۶ء قیمت: تین روپے سالانہ: ۴۰ روپے
خط و کتابت کا پتہ : ———— پوسٹ بکس نمبر ۲۲۹ کراچی

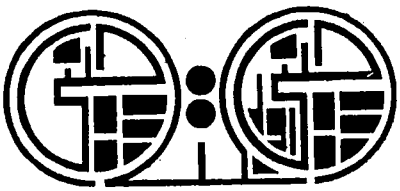

اس مرتبہ ہمارے صفحے کی ابتداء محترمہ مختار بانو، نوشہرہ کے خط سے ہو رہی ہے۔ لکھتی ہیں "چینی نکتہ چینی" میں پانچ سال سے جاسوسی ڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ مجھے تمام ڈائجسٹوں میں جاسوسی ڈائجسٹ بہت پسند ہے۔ جولائی کے شمارے میں اصلی روپ، روح کی شانتی، خالی کارتوس اور سیاہ موت نے بہت متاثر کیا۔ میں اتنی بہترین کہانیاں پیش کرنے پر آپ کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ اگلے پرچے کا شدت سے انتظار رہے گا۔"

مختار بانو صاحبہ! ہمیں یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ جاسوسی ڈائجسٹ کو تمام ڈائجسٹوں سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ ہماری کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنا کر آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جاسوسی ڈائجسٹ کی اشاعت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری طرف سے شکریہ قبول فرمائیے۔

اس مرتبہ پشاور کے مظفر خان صاحب نے ہمارے سامنے ایک عجیب و غریب مسئلہ پیش کیا ہے۔ لیجیے انہی کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں "مکرمی ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم! میں چار ساڑھے چار سال سے جاسوسی ڈائجسٹ پڑھ رہا ہوں اور میرے پاس پورا ریکارڈ پڑا ہوا ہے۔ میری شادی سات ماہ قبل ہوئی تھی۔ اب میں جب بھی آپ کا نیا شمارہ خرید کر لاتا ہوں تو میری بیوی میرے ساتھ جھگڑا شروع کر دیتی ہے۔ میں نے جو رسالے جمع کیے تھے وہ بھی اس نے پھاڑ کر پھینک دیے ہیں۔ براہِ مہربانی مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ ڈائجسٹ پڑھنا چھوڑ دوں اور میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ آج کل میری بیوی میکے میں ہے۔ ابھی میں نے صرف تین کہانیاں مفرور، روح کی شانتی اور اصلی روپ پڑھی ہیں۔ باقی کہانیاں پڑھنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اور کہانیاں کیسی ہیں اور میرے خیال میں جبران صاحب سے اگلے ماہ ضرور ملاقات ہو گی۔"

مظفر خان صاحب! ہمارا خیال ہے کہ آپ ہی نہیں بلکہ ہمارے کچھ اور قارئین بھی اس پریشانی سے دوچار ہوں گے اس لیے ان تمام حضرات کے لیے ہمارا یہی مشورہ ہے کہ وہ اپنی اپنی بیگمات کو بھی مطالعہ کی لذت سے آگاہ کریں۔ اگر وہ خود نہ پڑھ سکتی ہوں تو انھیں پڑھ کر سنائیں۔ ویسے ہمارے ادارے سے خواتین کے لیے بھی ایک ماہنامہ "پاکیزہ" شائع ہوتا ہے، آپ ان کے لیے ہر ماہ "پاکیزہ" خرید سکتے ہیں۔ (ہمیں امید ہے کہ "گھر بلو خانہ جنگی" ختم کرانے کے لیے ہم نے جو قیمتی مشورہ دیا ہے، اس کے پیشِ نظر، ہمیں انعام دلوانے کے لیے قارئین انفرادی اور اجتماعی طور پر "دامن کا نوبل پرائز" تقسیم کرنے والی کمیٹی کو سفارشی خطوط لکھیں گے۔)

کوٹلی آزاد کشمیر سے طاہر شاد چغتائی رقم طراز ہیں "مکرمی ایڈیٹر صاحب! آداب کے بعد عرض ہے کہ اس بار کا شمارہ پڑھا اور دل خوش ہو گیا کیونکہ اس میں ایسی اچھی کہانیاں شائع کی گئی ہیں کہ جن کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ میں یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ جاسوسی ڈائجسٹ سب ڈائجسٹوں کو مات کر رہا ہے اور کر گیا ہے..... اس بار مفرور اور صدیوں کا بیٹا بھی بہت اچھی تھیں۔ ان کے علاوہ روح کی شانتی، تاروں کے پار اور اصلی روپ بہت پسند آئیں....." طاہر شاد چغتائی صاحب! پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ بھیّا، ہم نے غم دوست پالا ہی نہیں اور قارئین کو بھی ہمارا مشورہ یہی ہے۔ (کبڑی بڑھیا سب کو بڑا دیکھنا چاہتی ہے) اس لیے آپ کے بھیجے ہوئے اشعار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ محبوب عالم راہی صاحب سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی نے جاسوسی ڈائجسٹ کی بے پناہ تعریف کے بعد جاسوسی ڈائجسٹ کے مندرجہ ذیل مستقل مصنفین کو اچھی کہانیاں لکھنے کے سلسلے میں مبارکباد دی ہے۔ اثر نعمانی، محی الدین نواب، ایم اے راحت، اقلیم علیم، شائستہ وحید۔ محبوب عالم راہی صاحب! پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ مصنفین حضرات بھی آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

منگلا سے ظفر اقبال صاحب نے تحریر فرمایا ہے "مکرمی جناب! آداب عرض۔ میں آپ کا رسالہ تقریباً چار سال سے پڑھ رہا ہوں۔ آپ کے پرچے میں بعض اوقات کافی غلطیاں ہوتی تھیں (چینی اور نکتہ چینی سے پہلے) مگر جب سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس کے بعد یہ غلطیاں کم ہو گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے قارئین اب خوب محنت کرتے ہیں۔ بہرحال میری طرف سے ایسا بہترین رسالہ نکالنے پر مبارکباد قبول فرمائیں۔ جولائی کے شمارے میں روح کی شانتی، گدو کا مسافر، اصلی روپ اور تاروں کے پار بہترین کہانیاں ہیں۔ مفرور اور صدیوں کا بیٹا کا تو کوئی جواب ہی نہیں لیکن آپ کی یہ دونوں قسطیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ پڑھتے پڑھتے صفحہ الٹتے ہیں تو لکھا ہوتا ہے کہ باقی آئندہ۔ ان دونوں قسطوں کے صفحات ضرور بڑھا دیں۔" ظفر اقبال صاحب! پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ! ارے بھائی انتظار کس بات کا ہے جلد از جلد اقتباسات روانہ کریں۔ بھیّا! تاریخی کہانی کے لیے تو سسپنس پہلے ہی موجود ہے۔ دونوں پرچوں میں آخر کچھ فرق تو ہونا ہی چاہیے۔

راولپنڈی سے محترمہ بیگم رضوی صاحبہ نے سعودی عرب کے لیے جاسوسی ڈائجسٹ کی سالانہ قیمت معلوم کی ہے۔ چونکہ آئے دن اس قسم کے

خطوط آتے رہتے ہیں اس لیے ان صفحات میں جواب دیا جارہا ہے۔ سعودی عرب کے لیے جاسوسی ڈائجسٹ کی ایک سال کی قیمت -/۱۲۵ روپے ہے۔ اس میں رجسٹری خرچ بھی شامل ہے۔ اس طرح پرچہ حفاظت سے پہنچ جاتا ہے۔

نامعلوم جگہ سے ناہید شہباز صاحبہ نے اسماعیل صاحب (جاسوسی ڈائجسٹ چینی نکتہ چینی) کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے ٹھوس تاریخی حقائق پیش کرنے کی فرمائش کی ہے۔ ناہید شہباز صاحبہ! ہمارے لیے ایسا کرنا خاصا مشکل ہے اس لیے کہ ٹھوس تاریخ کو بہت کم قارئین پسند کرتے ہیں۔ ویسے بھی تاریخی حقائق جاننے کے خواہش مندوں کے لیے تاریخی کتب کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر وقتاً فوقتاً اخبارات بھی اس موضوع پر مضامین شائع کرتے رہتے ہیں۔

سید حامد صاحب نے بڑا اچھا اور خیال افروز خط لکھا ہے۔ ان کے خیالات سے انکار مشکل ہے لیکن کبھی کبھی ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے اس قسم کی کہانیاں دے دی جائیں تو ہمارے خیال میں کوئی خاص حرج نہیں ہے۔ "روح کی شانتی" کی پسندیدگی کے بارے میں قارئین کے خطوط اس کے شاہد ہیں۔

ایم اے خان صاحب مہمند! روح کی شانتی اور اصلی روپ کی پسندیدگی کا شکریہ! تاریخی کہانی اور بزرگوں کے واقعات کے لیے آپ سسپنس کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

مرتضیٰ امیر علی۔ ف۔ ل صاحب کراچی۔ شمارہ جولائی کی پسندیدگی کا شکریہ! آپ کے لیے اچھی اچھی کہانیاں تلاش کرکے شائع کرنا ہمارا سب سے اہم مقصد ہے۔ آپ کو یہ کہانیاں پسند آئیں تو گویا ہماری محنت ٹھکانے لگی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی آپ بددعا دینے سے باز نہیں آئے۔ آپ ہی بتایئے کہ نفسانفسی کے اس پرآشوب دور میں کسی کو درازیٔ عمر کی دعا دینا بددعا نہیں تو اور کیا ہے اور وہ بھی دس ہزار سال کی زندگی کی۔ خدا کی پناہ! لطیفے اور اقتباسات آپ جلدی بھیجیں ہم تو انتظار کرکے تھک چکے تھے۔

محمد انور صاحب چکوال! روح کی شانتی اور اصلی روپ کی پسندیدگی کا شکریہ! میرے بھائی اگر ہم آپ کو سلسلے وار کہانیوں کا انجام بتادیں تو پھر کہانی میں مزا ہی کیا رہے گا۔ کہانی آپ بھیج دیں، صفحے کے ایک طرف لکھی ہونی چاہیے اور اس کی نقل آپ اپنے پاس رکھیں۔

راجہ محمد ابراہیم صاحب، کھیوڑہ۔ کہانیوں کی پسندیدگی کا شکریہ! سالانہ خریداری کے لیے آپ -/۴۰ روپے کا منی آرڈر بھیج دیں رسالہ آپ کو ہر ماہ گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔ سالانہ خریداروں سے بارہ شماروں کی قیمت صرف -/۲۵ روپے لی جاتی ہے۔ -/۱۵ روپے ڈاک خرچ اور رجسٹری وغیرہ کے ہیں۔

بیدار بخت اور فضل احمد صاحبان، کوئٹہ جواب حاضر ہے۔ آپ کہانی بھیج دیں، قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی۔ کہانی کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں کیونکہ ناقابل اشاعت کہانیوں کی واپسی کا اپنے یہاں کوئی انتظام نہیں ہے۔

شریف آباد سے ساڈے جاسوس احسان الحق منصور نے پوچھا ہے کہ لطائف وغیرہ بھیجوں تو کیا آپ شائع کردیں گے؟ ہاں بھئی ہاں ضرور شائع کردیں گے اب کسی طرح بھیج بھی دیجیے۔ روح کی شانتی کے بارے میں ہم نے اثر نعمانی صاحب سے پوچھا تھا وہ ہنس کر چپ ہورہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ہماری سمجھ میں تو ان کی ہنسی کا مطلب آیا نہیں۔

ضلع دادو سے راجہ غلام الدین صاحب نے شکایت کی ہے کہ وہاں کا ایجنٹ جاسوسی ڈائجسٹ بلیک سے فروخت کرتا ہے اور تین روپے کے بجائے چار روپے قیمت وصول کرتا ہے۔ اور دو تین جگہوں سے بھی اس قسم کی شکایتیں موصول ہوئی ہیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے، متعلقہ ایجنٹ حضرات کو فوراً اپنا یہ طریقہ بند کردینا چاہیے ورنہ ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

ظفر علی بٹ صاحب، ابوظہبی۔ مشورہ قبول کرنے کا شکریہ! ابوظہبی کے لیے جاسوسی ڈائجسٹ کی سالانہ قیمت -/۱۲۵ روپے ہے۔ اگر آپ ادائیگی ابوظہبی کی کرنسی میں کرنا چاہیں تو حساب کرکے جاسوسی ڈائجسٹ کے نام بینک ڈرافٹ بنوا کر بھیج دیں۔ اور کوئی خدمت؟

فرید احمد سومرو صاحب، شکارپور۔ آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ہم نے پچھلے ماہ سے سلسلے وار کہانیوں کا قسط نمبر فہرست میں دینا شروع کردیا ہے۔

ملک بشیر الدین احمد صاحب کیشیر، اوکاڑہ۔ ملک صاحب اگر آپ اپنے نام کے ساتھ کیشیر نہ بھی لکھتے تب بھی ہم آپ کو کیشیر ہی سمجھتے کیونکہ ایک کیشیر کے علاوہ کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ روپے ملنے کی خوشی میں عبدل اتنا مگن ہوگیا تھا کہ اس نے یہ سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ اس کا حساب غلط ہے۔ ناسمجھ ہے، بچہ سمجھ کر معاف کردیجیے آیندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

نسیم اختر شاہ صاحب خاکوانی۔ آپ کو چشمہ اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے اپنے چشمے کا نمبر ہمیں بتائے بغیر تبدیل ہوگیا ہے ورنہ لکڑی اور لڑکی میں تو بڑا فرق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ چشمے کا نمبر ٹھیک ہو لیکن پڑھتے وقت کوئی لڑکی خیالوں میں چلی آئی ہو۔ پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ!

آخر میں اظہار رائے کے سلسلے میں درج ذیل حضرات شکریہ قبول فرمائیں۔ بشیر ندیم صاحب، حویلی۔ ایس پرویز، وکٹر پرویز، منڈی سمبڑیال۔ ایم یعقوب تھاور، میرپور خاص۔ مجید ملک، پاک آرمی۔

اور اب ایک ماہ کے لیے اجازت دیجیے۔ خدا حافظ!

شائستہ وحید

حادثات زمانہ اور حالات روزگار کا شکار ایک بے بس نوجوان کی آپ بیتی

بے گناہ گنہگاروں کا فسانۂ عبرت

پورے دو سال جیل میں گزر چکے تھے۔ فیصلہ ہونے کا نام ہی نہیں تھا۔ سماعت ہوتی۔ تاریخ بڑھ جاتی، لیکن ان دنوں جلدی جلدی تاریخیں پڑ رہی تھیں۔ ایک نیا جج آیا تھا۔ جو فرض شناس تھا اور پوری توجہ سے اس کیس پر کام کر رہا تھا۔ میرے وکیل روتی داس کبھی خوش نظر آتے، کبھی ان کا منہ لٹکا ہوا ہوتا۔ بزرگوں میں کوئی نہیں تھا۔ اپنوں میں کوئی نہیں تھا۔ خدا بھلا کرے، میرے دور کے رشتے کے ایک بھائی کا، جو کیس میں میری مدد کر رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے میری دوکان بیچ دی تھی۔ مکان بیچ دیا تھا۔ زمینیں بیچ دی تھیں۔ گھر کا سامان بیچ دیا تھا۔ ظاہر ہے میرے کیس پر پانی کی طرح روپیہ خرچ ہو رہا تھا۔ میرا بھائی غریب تھا، وہ پیسہ کہاں سے لاتا۔۔!

مجھے وہ تمام اطلاعات دے دیتا تھا، فروختگی کے کاغذات پر میرے دستخط بھی ہوتے تھے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اب اس نے خود ایک دوکان کر لی تھی۔ جو بقول اس کے دال دلیے کا سہارا بن گئی تھی۔ پہلے وہ کھدر کے معمولی کرتے پاجامے میں آتا تھا، لیکن کچھ دنوں سے بوسکی کے کرتے اور شلوار میں نظر آنے لگا تھا۔ سگریٹ بھی عمدہ قسم کے پینے لگا تھا۔ اس کے پچکے ہوئے گال بھر گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ میرے کیس پر کیا خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن خاموشی کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ بھائی سے حساب تو نہیں مانگ سکتا تھا۔ اگر ناراض ہو جاتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ کوئی دھیلے ایمان تھا۔!

بس قسمت کی بات ہے میں قتل کے کیس میں ملوث تھا۔ میری دوکان کے نزدیک لالہ نواری لال کی دوکان تھی۔ بنیا کاروبار کا ماہر تھا۔ ہم دونوں کا ایک ہی کاروبار تھا۔ خاصا مقابلہ رہتا تھا۔ ہم ٹھہرے میاں بھائی۔ اکثر گھاٹے کے کاروبار بھی کر لیتے تھے۔ اور اس طرح نواری لال کی ساکھ خراب ہو جاتی تھی۔ نواری لال دانت پیس کر رہ جاتا۔ اکثر نوک جھونک ہوتی۔ بول چال بند رہتی۔ ایکبار گالی گلوچ بھی ہوئی۔ مارپیٹ تک نوبت آ گئی۔ لیکن پڑوسی دوکان داروں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

لیکن اس روز قسمت نے آخری داؤ لگا دیا۔ نواری لال سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ گوشت کھانے والا آدمی ہوں۔ نواری لال کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اگر آٹھ دس آدمی مجھے پکڑ کر اس کے اوپر سے نہ گھسیٹ لیتے تو شاید سچ مچ نواری لال میرے ہاتھوں مارا جاتا۔۔!

میں نے پورے بازار کے سامنے اسے دھمکی دی کہ بعد میں دیکھ لوں گا۔ اور پھر حالات۔۔۔ گو رات تک غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سوچا تھا کہ بیکار جھگڑنے سے کیا فائدہ۔ کاروبار کروں۔۔۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے جو سہارا دے۔ کسی مناسب جگہ شادی کر کے اپنے بزرگوں کے انداز میں زندگی گزاروں۔ گھومتا ہوا بنسی دودھ فروش کی دوکان تک نکل گیا تھا۔ اکثر وہاں دودھ پیتا تھا۔ اس کے نزدیک ہی نواری لال کا مکان تھا۔! بس یہ سارے واقعات ثبوت بن گئے۔!

گرمیوں کے دن تھے۔ نواری لال اپنے مکان کے سامنے چارپائی بچھا کر سوتا تھا۔ رات کے تین بجے محلے والوں نے اس کی دلدوز چیخیں سنیں۔ اور جب اس کے نزدیک پہنچے تو نواری لال خون میں لت پت، چارپائی سے نیچے زمین پر لوٹ رہا تھا!

لوگ گھبرا گئے۔۔۔ اور ان کے سامنے ہی نواری لال نے قاتل کی نشاندہی کیے بغیر دم توڑ دیا۔ مجھے ان واقعات کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں تو دودھ پینے کے بعد گھر آ کر سو گیا تھا۔ دوسرے دن جب دوکان پر پہنچا تو نواری لال کی دوکان بند تھی۔ جبکہ اس معاملے میں وہ آج تک مجھ سے آگے رہا تھا۔ مجھے دیر تک سونے کی عادت تھی۔ جبکہ نواری لال شاید جلدی دوکان کھولنے کے چکر میں پوری نیند سوتا بھی نہیں تھا۔ بہرحال، مجھے حیرت تھی، پھر ایک پڑوسی نے نواری لال کے قتل کی خبر دی اور میں اچھل پڑا۔

"ارے۔۔۔" میرے منہ سے نکل گیا۔۔۔ اور ایمان کی بات ہے کہ مجھے دکھ بھی ہوا۔ کچھ بھی تھا۔ وہ میرا کاروباری حریف تھا۔ لیکن اب اسکی جدائی بڑی عجیب لگ رہی تھی۔۔۔! گیارہ بجے تک میرا کسی کام میں دل نہیں لگا۔ میں نے سوچا کہ کم از کم اس کے گھر جا کر اس کے بال بچوں کو تسلی ہی دوں۔ ابھی دوکان سے نیچے بھی نہیں اترا تھا کہ داروغہ جی چار پانچ کانسٹیبلوں کے ساتھ آتے نظر آئے۔! یقیناً وہ نواری لال کے قتل کی تفتیش کو آئے ہوں گے۔ لیکن۔۔۔ انھوں نے آتے ہی میرے ایک قریبی دوکاندار سے پوچھا۔ "عبدالرحیم

اس ماہ کی انعام یافتہ کہانی

کون ہے۔؟"

"میں ہوں داروغہ جی۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا اور داروغہ جی جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔

"گرفتار۔ گرفتار کر لو اسے۔" انھوں نے سپاہیوں کو حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔ میرے حواس گم ہو گئے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بمشکل تمام میں نے حواس یکجا کر کے داروغہ جی سے اپنی گرفتاری کی وجہ پوچھی۔

"تم جانتے ہو تمہیں کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ بہت سی گواہیاں مل گئی ہیں کہ بنواری لال کو تم نے ہی قتل کیا ہے۔" داروغہ جی نے جواب دیا۔

"میں نے۔!" میری آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ زبان گنگ ہو گئی۔ اس کے بعد میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔ میں صورتحال کی نزاکت کو سمجھ گیا تھا۔ میرے پڑوسی دوکانداروں نے جو بیانات لکھوائے تھے ان سے میری شخصیت مشکوک ہو گئی تھی۔ بنسی دودھ والا بھی اس بات کی تصدیق کر چکا تھا کہ رات کو مجھے بنواری لال کے مکان کے قریب دیکھا گیا تھا۔ میں نے بنواری لال کو دھمکی بھی دی تھی۔

بہرحال۔ یہ ساری باتیں میرے خلاف ثبوت بن گئیں۔ میرے علاوہ کسی اور طرف ذہن بھی نہیں گیا۔ پھر فرقے وارانہ معاملہ بھی تھا۔ بہت سے ہندو بنواری لال کی طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے وکیل کئے گئے جبکہ میری پشت پر کوئی نہیں تھا۔ میں اگر سچ مچ بنواری لال کو قتل کر دیتا تو شاید مجھے اپنی تنہا زندگی کے ضائع ہونے کا اتنا افسوس نہیں ہوتا۔ میں بیگناہ مارا جا رہا تھا۔!

لے دے کر یہ وکیل روی داس کے رشتے کا بھائی نظر آیا تھا۔ جو انتہائی معقول معاوضے پر میرے مقدمے میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میرے وکیل روی داس نے میری صفائی میں بہت تگ و دو کی تھی۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ بنواری لال کے اصل قاتل کا ایک بھی نشان نہیں ملا تھا۔ میرے علاوہ اور کسی طرف ذہن ہی نہیں جاتا تھا۔ دوسری طرف اونچے اونچے ہندو زور لگا رہے تھے کہ مجھے موت کی سزا ملے۔!

بالآخر فیصلے کی تاریخ بھی آ گئی۔ جس روز مجھے فیصلے کے لئے عدالت میں پیش کیا جانا تھا اس سے ایک رات قبل میرا بھائی اور میرے وکیل روی داس مجھ سے ملنے آئے۔ روی داس خود بھی روشن خیال آدمی تھے۔ انھوں نے چند منٹ مجھ سے رسمی گفتگو کی اور پھر رازدارانہ انداز میں بولے۔

"عبدالرحیم۔ تمہارا اس مقدمے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میرا کیا خیال ہو سکتا ہے روی بابو۔ بہتر خیال تو آپ ہی پیش کر سکتے ہیں۔"

"سنو۔ میں نے انتہائی کوشش کر کے نئے جج سے ملاقات کی تھی اور اس کے خیالات معلوم کئے تھے۔"

"اوہ۔ کیا خیال ہے اس کا۔؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"تمہارے خلاف ہے۔" روی داس نے بھاری آواز میں کہا۔

"گویا وہ مجھے قاتل سمجھ چکا ہے۔"

"ہاں۔!"

"پھر اب کیا ہوگا۔ کیا مجھے سزا ہو جائے گی؟" میں نے لڑکھڑاتی آواز میں پوچھا۔

"تعصب کی بناء پر اس کیس کو بہت ہوا دی گئی ہے۔ جج نے تمہارے لئے سزائے موت تجویز کی ہے۔ کل کے فیصلے میں تمہیں سزائے موت سنا دی جائے گی۔"

میرا دل اندر سے گھبرانے لگا۔ ہاتھ پاؤں پر لرزہ طاری ہو گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے روی اور اپنے بھائی کو گھورنے لگا۔

"لیکن۔ بہرحال تم بیگناہ ہو۔ کیا یہ حقیقت ہے۔؟" روی داس نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ حقیقت ہے۔ میں نے بنواری لال کو قتل نہیں کیا میں نے اسے قتل نہیں کیا۔"

"نہ اسے تمہارے ایما پر قتل کیا گیا ہے۔؟"

"میں۔ اگر مجھے سزا مل گئی تو۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہوگا۔ میں اس کے حضور جاتے ہوئے جھوٹ نہیں بولوں گا! میرا اس کے قتل، یا قاتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔!"

"تو پھر عبدالرحیم۔ تمہیں سزا نہیں ملے گی۔ میں نے اور تمہارے بھائی نے مل کر ایک اور پروگرام بنا لیا ہے۔"

"کیسا پروگرام۔؟" میں نے زمین پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ میری ٹانگوں کی جان نکل رہی تھی۔

"کل جب جیل کی گاڑی تمہیں لیکر جائے گی، تو تمہیں پولیس کے قبضے سے نکال لیا جائے گا۔ جو لوگ تمہیں پولیس سے آزاد کرائیں گے، وہی تمہیں فرار کا راستہ بھی بتا دیں گے۔ ہم نے انتہائی گراں معاوضے پر انھیں تیار کیا ہے۔" روی داس نے بتایا۔

میرا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ میں تو ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ ان باتوں سے مجھے کیا سروکار تھا۔ افوہ۔ کیسی زندگی خراب ہوئی تھی۔ میں نے زخم خوردہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔ کیا کسی اور طرح میری بیگناہی کا ثبوت نہیں مل سکتا۔؟"

"میں صرف وکیل ہوں عبدالرحیم۔ کوئی جرائم پیشہ انسان نہیں ہوں نہ اس سے قبل میں نے کوئی ایسا اقدام کیا ہے۔ مجھے اعتماد ہے کہ تم بیگناہ ہو۔ لیکن حالات تمہاری بیگناہی ثابت نہیں کرنے دے رہے۔ میں دل سے تمہیں بیگناہ سمجھتے ہوئے تمہارے لئے یہ کام کر رہا ہوں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ بھی اسی فیصلے کی تصدیق کرے گی۔ تمہارے دشمن وہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے

مزید انتظار کیوں کیا جائے ۔ تم بیگناہ ہو ۔ اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ تمہاری مدد کرے ۔ ہم چلتے ہیں ۔ تمہارے فرار کے بعد ہم سے کافی پوچھ گچھ کی جائے گی ۔ لیکن خیر ۔ ہم خود بھگت لیں گے ۔ ہاں تو کل ہوشیار رہنا ۔" روی داس مجھے تفصیل بتاتے رہے ۔ اور میں لرزتا رہا ۔ اور پھر میرے بھائی نے مجھے خدا حافظ کہا ۔ اس کے بعد وہ چلے گئے ۔ لیکن وہ رات ۔ اُف وہ خیالات کی رات میرے اوپر بہت بھاری گزری تھی ۔ یہ کیسے ممکن ہے، جرائم کی زندگی سے تو میرا کوئی تعلق بھی نہیں رہا ۔ میں نے تو جرائم کے بارے میں سوچا بھی نہیں ۔ لیکن حالات مجھے خطرناک مجرم بنا رہے تھے ۔ قتل کے الزام میں سزائے موت پانے والا مجرم ۔ جیل سے فرار ہو جانے والا مجرم ۔ کیا میں یہ مجرمانہ زندگی برداشت کر سکوں گا ؟ اور ۔ اور کیا میں اس فرار میں کامیاب ہو جاؤں گا ۔ ممکن ہے کوئی گولی میری پشت میں سوراخ کر دے ۔ اور ۔ اور ۔ میرے پورے بدن میں درد کی لہریں دوڑنے لگیں ۔

لیکن وقت گزرتا رہا ۔ میری سوچ سے کیا ہونا تھا ۔ صبح ہو گئی ۔ اور چاروں سمت روشنی پھیل گئی ۔ جیل کی خاموش فضا میں ہلچل پیدا ہو گئی یکسانیت سے اکتائے ہوئے مجبور قیدی ۔ روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو گئے ۔ کوئی نیا پن نہیں تھا اُن کی زندگی میں ۔ اور پھر حسب معمول مجھے ناشتہ ملا ۔ اور مجھے بتلایا گیا کہ آج میرے فیصلے کی تاریخ ہے ۔ تیار ہو جاؤں ۔!

اور میں تیار ہو گیا ۔ فیصلے کی تاریخ سننے کے لئے نہیں ۔ بلکہ فرار ہونے کے لئے ۔ ! میں نے دل میں ہمت پیدا کی ۔ زندگی ایک حادثے سے دوچار ہو گئی ہے اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا ۔ موت کانوں کے نزدیک دستک دے رہی ہے ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے ۔ زندہ رہنا ہے یا مر جانا ہے ۔ یا زندہ رہنے کی کوشش میں مر جانا ہے ۔

تین سوال تھے ۔ مجھے دو سوالوں میں سے ایک کا فیصلہ کرنا تھا ۔ اور ظاہر ہے موت کو کون پسند کرتا ہے ۔ ! ٹھیک ہے ۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا ۔ میں روی داس کی ہدایت پر عمل کروں گا !

وقت آ گیا ۔ جیل کی گاڑی، مجھے اور میرے جیسے دوسرے قیدیوں کو لے کر چل پڑی ۔ میں گو قتل کا مجرم تھا ۔ لیکن بڑا مرنجان مرنج قسم کا ۔ میں نے آج تک کوئی گڑبڑ نہیں کی تھی اس لئے میرے ہاتھوں میں صرف ہتھکڑیاں تھیں ۔ پیر آزاد تھے اور یہ بات کوئی نہیں جانچ سکتا تھا کہ میں پچھلے دروازے کے قریب جان بوجھ کر بیٹھا ہوں ۔ !

گاڑی جیل کی عمارت سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی ۔ میں ہوشیار بیٹھا تھا ۔ میرے نزدیک دو مسلح سپاہی بھی ہوشیار بیٹھے تھے ۔ اگلے حصے میں بھی تین سپاہی تھے جن میں ایک ڈرائیور اور دو گارڈ تھے ۔ ان کے پاس بھی رائفلیں تھیں ۔ گویا کل پانچ افراد تھے ۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ۔

گاڑی مختلف راستوں سے گزرتی رہی ۔ یہ چند لمحات مجھے بہت طویل معلوم ہوئے ۔ میرے کان کوئی بھی اجنبی آواز سننے کے لئے تیار تھے ۔ اور پھر ۔ ایک سنسناں حصے سے گزرتے ہوئے اچانک گاڑی کا ٹائر ایک زوردار آواز کے ساتھ پھٹ گیا ۔ گاڑی اچھلنے لگی ۔ لیکن ہوشیار ڈرائیور نے پورے بریک لگا دیئے !

دوسرے لوگ تو ابھی اس واقعے پر غور ہی کر رہے ہوں گے ۔ لیکن میرا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا ۔ میں سمجھ گیا تھا کہ کام شروع ہو گیا ہے ۔ چنانچہ میں نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کا ہینڈل پکڑ لیا ۔

ڈرائیور نیچے اترا اور پھٹے ہوئے ٹائر کو دیکھنے لگا ! اور پھر اس نے تعجب سے گردن ہلائی ۔ اسے حیرت تھی کہ ٹائر میں سوراخ کیسے ہو گیا سیدھا سادا آدمی تھا زیادہ تجربہ کار نہیں تھا ورنہ اندازہ لگا لیتا کہ سوراخ گولی کا ہے اور ٹائر پھٹنے سے چند لمحات پہلے ایک اور دھماکہ بھی ہوا تھا ۔ ! مجھے فرار کرانے والے کافی ہوشیار تھے ۔ انھوں نے ایک کارروائی کر کے خاموشی اختیار کر لی تھی ۔ چنانچہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹبل بھی نیچے اتر آئے اور پھر پیچھے بیٹھے ہوئے دونوں کانسٹبل بھی ـــــ وہ سب ٹائر کو دیکھ رہے تھے اور اس پریشان کن نوعیت پر غور کر رہے تھے ۔ کہ اچانک مخالف سمت سے فائرنگ ہونے لگی !

سارے کانسٹبل اچھل پڑے تھے ۔ گولیاں ان کے آس پاس لگ رہی تھیں ۔ اور پھر وہ بری طرح اچھل کر بھاگے ۔ وہ پوزیشن کی فکر میں تھے اور جوں ہی ان کی پشت میری طرف ہوئی میں نے پوری قوت سے نیچے چھلانگ لگا دی ۔ ! سپاہیوں نے مجھے کودتے بھی نہیں دیکھا تھا ۔ اور میں گاڑی کے دوسری طرف دوڑنے لگا ۔

اس دوران نامعلوم جگہوں سے کانسٹبلوں کو خوفزدہ کرنے کیلئے گولیاں چلتی رہیں ۔ میری دیکھا دیکھی دوسرے قیدی بھی گاڑی سے نکل کر دوڑنے لگے تھے ۔ !

میں سڑک کے کنارے ڈھلوان کی طرف دوڑ پڑا ۔ اور پھر ڈھلوان سے نیچے اترتے ہی دو آدمیوں نے میرے بازو تھام لئے ۔ !

"عبدالرحیم ـــ ! " ان میں سے ایک نے کرخت آواز میں پوچھا ۔

"ہاں ـــ ! " میں نے گردن ہلا دی ۔ اور وہ دونوں میرے ہاتھ پکڑے ہوئے دوڑنے لگے ۔ دوسرے لوگ گولیاں چلا رہے تھے ۔

"نیکو ـــ ! " ان میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب کیا ۔

"کیا بات ہے بانکے ـــ ؟ "

"اسے لے کر چلو ـــ ! میں دوسرے لوگوں کو کاشن دیتا ہوں ۔"

"دوڑو ـــ " نیکو نے مجھ سے کہا ۔ اور ہم دونوں دوڑنے لگے ۔

نیکو بہت پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال ایک طویل راستہ طے کر کے ہم ایک جگہ پہنچ گئے۔ یہاں سڑک کے کنارے کچے میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں ان میں سے ایک میں... مجھے بٹھا کر نیکو نے اسے اسٹارٹ کر دیا۔ فائروں کی آوازیں دور تک کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔

پھر ہم شہر میں داخل ہو گئے۔ اور آخر میں ایک پرانی سی عمارت کے کمپاؤنڈ میں گاڑی رک گئی! "آؤ —" نیکو نے کھردرے لہجے میں کہا۔ اور میں... عمارت میں داخل ہو گیا۔ ایک بوسیدہ سے کمرے میں پہنچ کر نیکو نے مجھے پلنگ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر خود باہر نکل گیا۔

چند لمحات کے بعد وہ لوہا کاٹنے کی آری لایا۔ اور میرے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑیاں کاٹنے لگا! کافی دیر کی کوشش کے بعد وہ کامیاب ہوا تھا۔ اس دوران میں نے باہر کسی اور گاڑی کے رکنے کی آواز سنی تھی لیکن ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ میرے ہاتھ زرد ہو گئے تھے میں کلائیاں مسلنے لگا۔ "آرام کرو۔ تمہارے لئے انتظامات کر دوں —؟" نیکو نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں تھکے تھکے انداز میں پلنگ پر لیٹ گیا۔ یہ خطرناک کام انجام دے دیا گیا تھا۔

کافی دیر گذر گئی — اور بانکے میرے پاس آیا۔ "کیوں جوان —؟ کیسے ہو —؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آدمی جاندار ہو — مجھے ایسے لوگ پسند ہیں۔ اگر تم گاڑی سے اتر کر نہ بھاگتے تو سالوں میں سے ایک آدھ کو مارنا پڑتا — اور یہ اچھی بات نہیں تھی۔"

"کس کو مارنا پڑتا —؟"

"ارے احمق پولیس والوں کو۔ ہم نے کسی کو زخمی بھی نہیں کیا۔ گولیاں تو ڈرانے کو چلائی جا رہی تھیں —"

"اوہ —!"

"اب کیا پروگرام ہے — کہاں جاؤ گے —؟"

"میرے ذہن میں تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ رودی داس نے کہا تھا کہ تم خود ہی راستہ بتاؤ گے" "سری رام پور نکل جاؤ۔ میں تمہیں دھرتلہ تک بھجوا دوں گا۔ سری رام پور کے علاقوں میں تم جیسے لوگوں کیلئے کافی جگہ ہے۔ وہاں کسی کو پکڑنا مشکل ہے۔ دھرتلہ سے بس مل جائیگی۔ سری رام پور کیلئے بس وہاں جا کر حلیہ بدل لینا۔ ارے کونسی بڑی بات ہے —"

"ٹھیک ہے —" میں نے گردن ہلا دی۔

"میں تمہارے لئے جل پانی بھجواتا ہوں۔ کھا پی لو۔ اس کے بعد تمہاری روانگی کا انتظام کر دیا جائیگا۔ ہم زیادہ دیر تمہیں نہیں رکھ سکیں گے۔" میں نے گردن ہلا دی اور بانکے چلا گیا۔

میں ایک معمولی دوکاندار — میں نے زندگی میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ میری زندگی تو سیدھی سادی تھی۔ گو نوجوان تھا۔ دنیا سے واقف بھی تھا لیکن ایک مخصوص ڈگر سے ہٹ کر سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ پیشہ بھی انسان کی زندگی پر بہت گہرے طور سے اثر انداز ہوتا ہے اسکی شخصیت اسی روپ میں ڈھل جاتی ہے گو وہ کیسی ہی صلاحیتوں کا مالک ہو میں نے صرف اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں پر توجہ دی تھی۔ دوسرے امور پر میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص تھال میں کھانے پینے کی چیزیں لے آیا۔ گو میں مسلمان تھا اور میرا خیال تھا کہ تھال اس طرح میرے سامنے نہیں رکھا جائیگا! لیکن وہ دوسرے قسم کے آدمی تھے۔ ورنہ میں نے ایک ہندو کو قتل کیا تھا۔ وہ میری مدد نہ کرتے۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے رودی داس کے بارے میں سوچا۔ وہ بھی تو ہندو تھا بہرحال اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ اور میرا بھائی — تو کونسی بڑی بات تھی اگر اس نے میرا مال ہضم کر لیا۔ دنیا کا ہر انسان اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ مجھے پھانسی کی سزا ہو جاتی تو کونسا میرا مال مجھے مل جاتا — میرے بھائی نے بھی اپنی محبت کا ثبوت دیا تھا۔ ظاہر ہے ان لوگوں کو بھی کافی رقم دیکر اس کام پر آمادہ کیا گیا ہوگا —! اگر میرا بھائی چاہتا تو مجھے مر جانے دیتا اور وہ پیسے بھی خود ہی رکھ لیتا، جو ان لوگوں کو دیئے ہوں گے۔

بہرحال وہ قابل معافی ہے — وہ میرا محسن ہے — بلاشبہ اس نے میرے اوپر احسان کیا ہے اور اب مجھے اپنی جان بچانے کیلئے جدوجہد کرنی ہے — شام کو چار بجے بانکے لال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ مجھے لیکر چل پڑا۔ دھرتلہ جانے والی بس میں بٹھا کر اس نے اپنا ایک آدمی میرے ساتھ کر دیا جو چہرے سے اجنبی تھا لیکن دوسرے لوگوں پر نگاہ رکھ رہا تھا کچھ شہری اور کچھ دیہاتی لوگ بس میں موجود تھے۔ بانکے لال نے جیل کے کپڑے اتروا کر مجھے دھوتی دی تھی۔ چنانچہ اس وقت میں ململ کی دھوتی اور باریک کرتے میں ملبوس تھا۔ سر پر گاندھی کیپ بھی تھی۔ ماتھے پر تلک میں نے قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے بغیر بھی کام چل جاتا ہے —!

بس کے سفر میں کافی سنسنی رہی لیکن کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ جس کی وجہ سے میں کچھ اور نڈر ہو گیا۔ بالآخر طویل سفر طے کر کے دھرتلہ پہنچ گئے — یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا یہاں سے ریل بھی گزرتی تھی۔ اور ریل میں بیٹھ کر ہی سری رام پور تک مجھے جانا تھا۔ سری رام پور پہنچ کر شاید میں لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکتا۔

ویسے یہ عمدہ ترکیب دماغ میں آئی تھی۔ ہندوانہ بھیس میں لوگوں کی توجہ میری طرف سے کم ہو جائیگی۔ اور میں بچ جاؤں گا۔ ٹھیک ہے تلک نہ لگایا جائے چوٹی نہ رکھی جائے۔ بہت سے ہندو چوٹی نہیں رکھتے کونسی بڑی بات ہے۔ دھرتلہ کے بسوں کے اڈے پر ہم اتر گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ تب میرا محافظ بہاری میرے پاس آیا۔

"کیوں میاں جی — ٹھیک ہے؟"

"ہاں میرے دوست! یہاں تک تو ٹھیک ہے —"

"ہماری ذمہ داری یہیں تک تھی۔ اب ہماری ذمہ داری ختم ہو رہی ہے۔"

"ایک بات ہے بہاری۔"

"کیا۔؟"

"میرے پاس پیسے بالکل نہیں ہیں۔ دھرتلہ سے سری رام پورہ جانے کے لئے کرائے کی ضرورت بھی ہوگی۔ اور کھانے پینے کے لئے۔"

"ہوں۔ میرے پاس چالیس روپے ہیں۔ پچیس تم رکھ لو۔ پندرہ میں رکھے لیتا ہوں۔ حالانکہ یہ میری جیبیں جائیں گے!"

"اگر زندگی رہی بہاری۔ تو اس پچیس کے پانچسو واپس کر دوں گا! یہ مسلمان کی زبان ہے۔"

"ٹھیک ہے میاں جی! دیکھی جائیگی۔ لو یہ پچیس روپے رکھ لو۔" بہاری بہرحال شریف آدمی تھا۔ روپے دینے کے بعد وہ چلا گیا۔ اب مجھے خود اپنی زندگی شروع کرنی تھی۔ سب سے پہلے معلوم کرنا تھا کہ سری رام پورہ جانیوالی ٹرین کب آتی ہے۔ چنانچہ میں نے کچھ لوگوں سے اسٹیشن کا راستہ معلوم کیا۔ بہت بڑی جگہ نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں چھوٹے سے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ دھرتلہ جیسی معمولی جگہ کا اسٹیشن بھی اتنا ہی معمولی تھا۔ ایک پلیٹ فارم ایک کیبن، اسٹیشن ماسٹر ہی بکنگ کلرک بھی تھا۔

میں نے اس سے سری رام پورہ جانیوالی ٹرین کے بارے میں پوچھا۔

"صبح چھ بجے آئیگی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے ٹکٹ دے دو۔" میں نے کہا۔ اور اسٹیشن ماسٹر نے آٹھ روپے کا ٹکٹ دیدیا۔ ٹکٹ لینے کے بعد میں نے اسٹیشن ہی سے باسی پکوڑے خرید کر کھائے پانی پیا اور پھر ریلوے لائن کے دوسری جانب ایک برگد کے درخت کے نیچے جا پڑا۔ صاف ستھری جگہ تھی۔ وہیں لیٹ گیا اور پھر ان حالات کے بارے میں سوچنے کے علاوہ اور میں کیا کر سکتا تھا۔

وہی خیالات مستقبل کا خوف۔! عجیب سی کیفیت طاری رہی۔ نیند آتی۔ لیکن پھر اچانک چونک پڑتا۔ کہیں ٹرین نہ نکل جائے۔ رات اسی کیفیت میں گذری۔ اور قسمت ہی یاور تھی۔ ٹرین جب آئی تو میں سو رہا تھا۔ لیکن پلیٹ فارم کی گھنٹی سے آنکھ کھل گئی۔ مخالف سمت سے ٹرین میں چڑھا۔ ٹرین میں معمولی سا رش تھا۔ لیکن جگہ بہ آسانی مل گئی۔ اور میں بیٹھ گیا۔ آنکھیں اور ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا تھا۔ کافی دیر تک خود کو سنبھالے رکھا۔ اور جب ٹرین چل پڑی تو اٹھ کر باتھ روم کی طرف چل دیا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے نے ذہن تر و تازہ کر دیا۔ بوجھ سا اتر گیا اور میں منہ خنک کر کے پھر اپنی جگہ واپس آ گیا۔

میرے نزدیک ہی ایک لالہ جی بیٹھے تھے۔ چہرے سے پڑھے لکھے اور تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آنکھیں تیز اور ذہین میں چبھنے والی تھیں۔

انھوں نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر بولے۔ "جے رام جی کی۔"

بہرحال ان لوگوں میں کافی وقت گذارا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ہاتھ جوڑ کر نمسکار کی۔!

"آپ کا شبھ نام۔؟"

"ست پرکاش۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"مجھے بھگوان دیال کہتے ہیں۔ کہاں جا رہے ہیں آپ مہاشے۔؟"

"سری رام پورہ۔"

"اوہ۔! میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ ساتھ رہے گا۔ کیا آپ وہیں رہتے ہیں۔؟"

"نہیں بھگوان لال جی۔ میرا ایک متر وہاں رہتا ہے اس سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"اوہ۔ کس جگہ۔؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ اسے تلاش کرنا پڑے گا۔"

"کیسے تلاش کرو گے۔ کوئی ٹھکانہ تو ہوگا۔"

"ہاں پتہ چل جائیگا۔!"

"میں نے اس لئے پوچھا کہ شاید میں اسے جانتا ہوں۔"

"اس کا نام شبھ لال ہے۔ نگینہ کا رہنے والا ہے۔"

"ہوں۔" بھگوان دیال کچھ سوچنے لگے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہاں اس جھکی سے پالا پڑ گیا۔ سری رام پورہ میری دیکھی ہوئی جگہ تو تھی نہیں کہ میں وہاں کے بارے میں آسانی سے بتا سکتا۔ کوئی نیا آدمی ہے میں نہیں جانتا۔ "سری رام پورہ میں کہاں ٹھہریں گے۔؟"

"میں پہلی بار جا رہا ہوں۔"

"تب آپ دھرم ودیا میں ٹھہریں۔ سب سے اچھی سرائے ہے۔"

"آپ کی مہربانی۔" میں نے کہا۔ اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔! لیکن وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہے۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ اور وہ بکواس کئے جا رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد میں نے صرف ہاں ہوں تک بات رہنے دی اور پھر جواب دینا بند کر دیا۔ میں اونگھنے لگا تھا۔ اور پھر میں سیٹ سے ٹک کر سو گیا لیکن ایک آدھ گھنٹہ۔ ٹکٹ چیکر نے جگا دیا۔ اور پھر نیند نہ آئی۔

"کتنی دیر کا سفر اور ہے لالہ جی۔؟" میں نے پوچھا۔

"بس دو گھنٹے اور لگیں گے۔"

"اوہ! میں نے ایک گہری سانس لی۔ اچانک مجھے چھینک آ گئی۔ اور منہ سے بے اختیار الحمد للہ نکل گیا۔! لالہ جی نے میرے الفاظ صاف سنے تھے۔ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔!

"کیا کہا تھا آپ نے۔؟" انھوں نے حیرت سے پوچھا۔ اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ کیا ہو گیا ہے۔

غسل کرکے لباس تبدیل کرلیا۔ "لوگوں کو بتاؤں گا کہ تم میرے بھانجے ہو اور کسی دوسری جگہ سے میرے پاس آئے ہو۔ مصلحت کے تحت مجھے کچھ جھوٹ بولنا ہی پڑے گا رب کریم معاف فرمائے۔" میں نے اپنا دھوتی کرتہ جلا دیا اور پھر مولوی صاحب کے ساتھ کھانا وغیرہ کھا کر آرام کرنے لیٹ گیا۔ خود مولوی صاحب کی ہدایت تھی کہ میں کچھ روز لوگوں کے سامنے نہ آؤں۔ میں بھی اس غنیمت جگہ رُک کر حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا!

مولوی صاحب بے حد نیک تھے۔ ان کی اہلیہ بھی بہت خوش اخلاق تھیں گو وہ پردے کی پابند تھیں اور میں نے ان کے کپڑے کا سایہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھے احساس تھا کہ میری آمد سے انھیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہے۔ پورے پانچ دن گزر گئے، کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن میں مولوی صاحب کے مکان میں رہتے رہتے اُکتا گیا تھا۔ میں اب سوچنے لگا تھا کہ مجھے باہر نکلنا چاہیئے۔ کچھ جدوجہد کرنی چاہیئے۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ اس طرح کسی شریف انسان پر بوجھ کب تک بنا رہوں گا! چنانچہ میں نے مولوی صاحب سے بات کی

"ہاں میاں۔ باہر گھوم پھر آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ابھی اس انداز سے مت سوچو۔ جس وقت مجھ پر بھاری پڑو گے میں بتا دوں گا! خدا کا فضل ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر بھی میری خواہش ہے مولوی صاحب۔ کہ میں کچھ کروں۔ یوں کب تک چھپا بیٹھا رہوں گا!"

"چند روز اور رُک جاؤ۔ لکشمی پور کے زمیندار موہن لال پوتی کا دورہ کریں گے تو تمہیں ان کے سامنے پیش کرکے کوئی ملازمت دلوا دوں گا! پوتی بھی انھیں کی ملکیت ہے۔ اس وقت تک تمہارے حلیئے میں بھی تبدیلی آجائیگی ڈاڑھی بڑھنے دو۔ اچھی بھی لگتی ہے۔ تمہاری شخصیت بھی بدل جائے گی۔"

"بہتر۔!" میں نے کہا۔ اور پھر اسی دن دوپہر کے کھانے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ آبادی کی جانب رُخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جنگل کی سمت نکل گیا۔ یوں بھی پوتی کے قرب و جوار بڑے خوبصورت تھے۔ بڑے بڑے حسین باغ تھے۔ میں ایک باغ میں داخل ہوگیا۔ آموں کی فصل تھی۔ درختوں پر حسین آم جھول رہے تھے۔ آسمان پر ابر تھا۔ ماحول بے حد خوبصورت تھا!

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس سرسبز دنیا میں، میں کس طرح جی رہا ہوں۔ خوف و دہشت کے عالم میں زندگی گزارنا بھی کوئی زندگی ہے، آزاد زندگی کی کتنی بڑی قیمت ہوتی ہے۔ کیسا سکون ہوتا ہے اس زندگی میں۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ اور میرے قدموں کی آہٹ سنکر۔ اچانک ایک درخت کے عقب سے ایک قوی ہیکل شخص باہر نکل آیا۔ وہ بے حد تندرست تھا، لیکن شکل و صورت سے معصوم نظر آتا تھا۔!

میں ٹھٹھک کر رُک گیا۔ وہ بھی میرے سامنے کھڑا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔!

"کون ہو تم۔؟"

"مکھیا رام ہوں جی۔ اس باغ کا رکھوالا۔!"

"اوہ۔ مکھیا رام۔ میرا نام یوسف ہے۔ تمہارے گاؤں کی مسجد کے پیش امام کا بھانجہ ہوں۔ یونہی گھومتے نکل آیا تھا۔"

"سلام بابو جی۔ اپنے مولوی صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔!" پُرخلوص کسان ہر تعصب سے پاک تھا۔ اس نے درخت کے نیچے پڑی ہوئی چارپائی پر مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور میں بیٹھ گیا۔

"جل پلاؤں بابو جی۔ کنویں کا ہے بہت ٹھنڈا اور میٹھا۔"

"پلا دو۔" میں نے کہا۔ اور وہ پیتل کی گڑوی لیکر نزدیک بنے ہوئے کنویں کے پاس پہنچ گیا۔ گڑوی کنویں میں ڈال کر اس نے پانی کھینچا اور پھر اوک سے میں نے پانی پیا۔ بلاشبہ بے حد شیریں تھا۔

"کس کا باغ ہے یہ۔" میں نے پوچھا۔

"موہن لال جی کا۔ سارے باغ انھی کے ہیں۔ بڑے دیالو بڑے نیک ہیں وہ۔ یہ روپ باغ کہلاتا ہے۔ کماری روپ کنول کے نام کا ہے۔"

"کماری روپ کنول موہن لال کی کون ہیں؟"

"بیٹیا تھیں جی۔ بس بھگوان کی لیلا ہے۔ بڑی سندر تھیں۔ پر ایک مسلمان سے انھوں نے پریم کرلیا تھا۔ موہن لال جی برداشت نہ کرسکے۔ گنڈاسے سے ان کی گردن اڑا دی۔!"

"ارے۔" میں حیرت سے اچھل پڑا۔ "تو وہ زندہ نہیں ہیں۔؟"

"نہیں جی۔ انھیں تو مرے ہوئے بھی بہت دن گزر گئے۔"

"اوہ۔ تو یہ باغ انھی کے نام سے مشہور ہے۔؟"

"ہاں جی۔ یہیں ان کی ارتھی جلائی گئی تھی۔"

"خوب۔!" میں نے دلچسپی سے کہا۔ میں اس کہانی کو تفصیل سے سننا چاہتا تھا۔ لیکن سادہ دل کسان نے انکار کردیا۔ اس نے کہا وہ نوکر ہے، مالکوں کی بات کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ نہ جانے کون سی بات منہ سے غلط نکل جائے بہرحال مکھیا سیدھا سادا انسان تھا۔ مجھے پسند آیا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ روزانہ اس سے ملاقات کیا کروں گا۔ وہ بھی مجھ سے مل کر خوش ہوا تھا۔ دوسرے دن پھر میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اپنی گھر والی اور بچوں کے بارے میں بتایا۔ تیسرے دن اور پھر جو تھے دن بھی میں اس سے ملا۔! پانچویں دن وہ اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ میں اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔!

تنے سے ٹیک لگا کر میں دُور دُور تک نگاہیں دوڑاتا رہا۔ جوتے کی نوک سے میں زمین کُرید رہا تھا۔ پھر میں نے جوتے کی مٹی جھاڑی، تب میری نگاہ زمین پر پڑی۔ جس جگہ میں نے مٹی کریدی تھی، وہاں ایک سکے کا کنارہ چمک رہا تھا۔ سنہری سکہ تھا۔ شکل کچھ اجنبی سی نظر آئی اس لئے میں نے جھک کر کنارے سے اُسے اکھاڑنے کی کوشش کی۔

لیکن سکّہ مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ میں برگد کی جڑ میں بیٹھ گیا۔ اور پھر میں نے قریب پڑے ہوئے ایک نوکیلے پتھر سے سکّے کے ارد گرد کی زمین کھرچی، اور سکّہ نکال لیا۔ لیکن سکّے کو دیکھ کر میرے بدن میں ایک پھریری سی دوڑ گئی۔

سونے کی گنّی تھی۔ میں نے اُسے پتھر پر گھس کر دیکھا۔ یقیناً خالص سونا تھا۔ یہ کہاں سے آئی ۔۔؟ اور پھر میرے ذہن میں خزانوں کی کہانیاں گونجنے لگیں۔ دلکش اور پُراسرار کہانیاں۔!

کیا اس برگد کے نیچے بھی کوئی خزانہ موجود ہے؟ میں نے سوچا بس یونہی سا تصور تھا۔ لیکن میرے ذہن میں عجیب سی سنسنی دوڑ رہی تھی۔ اسی نوکیلے پتھر سے میں نے وہ جگہ اور کریدی۔ اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں دو سکّے موجود تھے۔! میرا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔! ایک انوکھی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے تینوں اشرفیاں جیب میں ڈالیں اور پھر مٹی برابر کر دی۔ بلاشبہ یہاں خزانہ موجود ہے۔!

برگد کے درخت کے نیچے کھڑے کھڑے میں نے بہت سے پروگرام بنا ڈالے۔ میں نے طے کیا کہ رات کی تاریکی میں، میں یہاں آؤں گا اور اس جگہ کی کھدائی کروں گا۔ یقیناً ایسا ہی کروں گا! خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ مولوی صاحب نماز پڑھا رہے تھے۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرا ذہن تیزی سے پروگرام بنا رہا تھا۔ آہ کاش اگر برگد کے نیچے سے خزانہ دستیاب ہو جائے تو زندگی ایک نیا ہی رخ اختیار کر لے گی۔ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ دولت ہو گی تو ہمت بھی ہو گی اور پھر دنیا کو جھکانے میں دقّت نہیں پیش آئے گی۔

مولوی صاحب سیدھے سادے شریف آدمی تھے۔ اُن کو کچھ بتانا بیکار تھا۔ میں نے ان تین اشرفیوں کا بھی اُن سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اور میں پروگرام بناتا رہا۔ مجھے کھدائی کی چیزوں کی ضرورت تھی۔ دوسرے وقت کا تعیّن بھی کرنا تھا۔ رات کو نہ جانے مکھیا کہاں رہتا ہے۔ باغ خالی ہو تو اور بھی اچھی بات ہے۔ بہرحال اس اجنبی جگہ میں اس معمولی سے کام کے لئے بھی بڑی مشکلات درپیش تھیں۔ میرے دل کو قرار نہ تھا۔ شام ڈھلے پھر باغ کی طرف نکل گیا۔ اتفاق سے مکھیا باغ کے کنارے ہی مل گیا۔ اُس نے مجھے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا تھا۔ ”کیا بات ہے مکھیا۔ دوپہر کو کہاں چلے گئے تھے۔؟“

”گھر والی بیمار ہے بھیّا۔! گھر میں اور کوئی ہے نہیں۔“

”اوہ ۔ دوا دارو دی۔؟“

”ہاں۔ نیم کے پتّے گھوٹ کر پلا دیئے ہیں۔ پر ابھی ٹھیک نہیں ہے۔“

”تو تم یہاں کیوں آ گئے۔ گھر رہتے۔“

”فصل تیار ہے۔ دیکھنے آ گیا تھا۔ کوئی خراب کرے۔“

”کیا رات کو بھی تم یہاں رہتے ہو۔؟“

”ہاں بھیّا۔ آج کل رہنا پڑتا ہے۔“

”نہیں مکھیا۔ تم بے فکری سے جاؤ۔ آج رات میں تمہارے باغ کی رکھوالی کروں گا۔“ میں نے دھڑکتے دل سے کہا، کتنا عمدہ موقع مل گیا تھا۔

”تمہیں تکلیف ہو گی بھیّا۔!“

”ارے تم فکر نہ کرو۔ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ میں مولوی صاحب سے جا کر کہہ دوں۔ میں آ جاؤں تو تم چلے جانا۔“

”تمہاری مہربانی بھیّا۔!“ مکھیا نے ممنونیت سے کہا اور میں واپس چل پڑا۔ دل ہی میں، میں کہہ رہا تھا کہ مہربانی تو تمہاری ہے مکھیا۔ تم نے میری بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔

مولوی صاحب کو میں نے تفصیل بتا دی۔ تو وہ فراخدلی سے بولے ”کسی کے کام آنا عمدہ بات ہے۔ مکھیا تو یوں بھی بھلا آدمی ہے۔“

اور میں واپس چل پڑا۔ مکھیا بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرے پہنچنے پر وہ باغ کے ایک کونے میں بنی ہوئی چھوٹی سی کُٹیا کی طرف چل پڑا اور وہاں سے اُس نے مجھے ایک موٹا ڈنڈا۔ مٹی کے تیل کی ایک لالٹین دی۔

”یہ چیزیں رکھ لو بھیّا۔ رات ہو جائے تو لالٹین جلا لینا۔ بس ایک دو آوازیں لگا دینا۔“

”ٹھیک ہے مکھیا۔ تم بے فکر رہو۔!“ میں نے کُٹیا میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے تمام مسئلے خود بخود حل ہو گئے تھے۔ بہرحال مکھیا مالی تھا۔ ضروری چیزیں کُٹیا میں موجود تھیں۔ مثلاً بیلچہ، پھاوڑہ وغیرہ! اور میں مطمئن ہو گیا۔!

مکھیا چلا گیا۔ اور میں بے چینی سے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔ شام کے سائے پھیلنے لگے تھے لیکن ابھی کچھ اور اندھیرے کی ضرورت تھی۔ بالآخر ماحول سنسان ہو گیا۔ مکمل خاموشی چھا گئی۔ بسیرا لینے والے پرندے بھی خاموش تھے۔ تب میں نے ماچس کھینچ کر لالٹین جلائی اور پھر بیلچہ اور پھاوڑہ کندھے پر رکھ کر لالٹین ہاتھ میں لے کر چل پڑا۔

لالٹین برگد کے درخت کے نیچے رکھ کر میں نے چاروں طرف دیکھا قرب و جوار میں کسی کا وجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے بیلچہ سنبھالا اور پھر اس نشان پر کھدائی کرنے لگا جو میں نے دن میں ہی لگا لیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کتنا کھودنا تھا لیکن میں تہیّہ کر چکا تھا کہ اس وقت تک کھودتا رہوں گا جب تک مقصد نہ حاصل کر لوں۔

اور ۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس مٹی میں چار اور اشرفیاں موجود تھیں۔ گویا کل سات ہوئیں۔ لیکن ان سے کیا ہوتا ہے مجھے تو اشرفیوں کے منبع کی تلاش تھی۔ میرے نہ تھکنے والے بازو مٹی کھودتے رہے اور گڑھا حیرت انگیز طور پر بڑا ہوتا گیا۔ کافی کھدائی کر لی تھی۔ لیکن ایک خاص بات میں نے محسوس کی تھی وہ یہ کہ کھدائی کرتے کرتے جب بھی میرے ذہن میں مایوسی پیدا ہوتی، مجھے چند چمکدار سکّے نظر آ جاتے۔ اور میں پھر اوپری تندہی سے کھدائی شروع کر دیتا۔ یہاں تک کہ اب میرے پاس تقریباً تیس اشرفیاں موجود تھیں۔

چند منٹ رک کر میں سستایا اور پھر میں نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔ کافی دیر سے نہ تو کوئی اشرفی ہی نظر آئی تھی اور نہ ہی کچھ اور۔ کیا قصہ ہے کیا یہاں کوئی بڑا خزانہ موجود نہیں ہے۔

لیکن اس بار جو میں نے پھاوڑے سے مٹی اٹھائی تو مجھے کوئی سفید سفید سی شے نظر آئی۔ لکڑی کا کوئی صندوق ہے۔ میں نے سوچا اور لالٹین اٹھا کر اور قریب کر لی۔ پھر میں بیلچے سے کھدائی کرنے لگا۔ لیکن تھوڑا سا کھودنے کے بعد مجھے جو کچھ نظر آیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے میرے ہاتھ روک دیئے۔

یہ ایک انسانی ڈھانچہ تھا۔ صحیح و سالم ڈھانچہ — جو نمایاں ہوتا جا رہا تھا — میرے دل میں خوف کی ایک لہر سی اٹھی لیکن دوسرے لمحے میں نے دل کڑا کر لیا۔

خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ انسانی ڈھانچہ ہی ہے ایٹم بم تو نہیں ہے کہ پھٹ جائے گا اور میرے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ممکن ہے یہ خزانے کی چابی ہو۔ ممکن ہے اس کے نیچے وہ صندوق پوشیدہ ہو جس میں اشرفیاں بھری ہوں۔ ڈھانچے کے چاروں طرف کی مٹی پلٹ چکی تھی۔ میں نے اسے اٹھایا۔ اور مٹی کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ بلاشبہ یہ ولیری کا کام تھا۔ اگر خزانے کے حاصل کرنے کا تصور میرے ذہن میں نہ ہوتا تو لازمی طور پر اس پراسرار ماحول میں، میں اس ڈھانچے سے متاثر ہوتا۔

لیکن اس وقت تو مجھے اس کی کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ میں پھر بیلچہ لے کر کھدائی میں مصروف ہو گیا۔ ابھی میں نے زیادہ زمین نہ کھودی تھی کہ اچانک میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

"رکو — سنو — رک جاؤ —" آواز اتنی واضح اور نزدیک تھی کہ بیلچہ میرے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ کون آ گیا۔ میں نے جلدی سے مڑ کر دیکھا۔ لیکن — قرب و جوار میں تو کوئی نہیں تھا۔ کوئی بھی تو نہیں تھا دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

"ادھر دیکھو — میری جانب — میں تم سے مخاطب ہوں —" سرگوشی نما آواز اب بلند ہو گئی۔ وہ ایک نسوانی آواز تھی — ناگاہ میری نگاہ ڈھانچے کی طرف اٹھ گئی اور میں اچھل پڑا۔

اب اس قدر فولادی جگر بھی نہیں رکھتا تھا کہ ہڈیوں کی سوکھی ہوئی ہڈیوں کی تحریک دیکھ کر بھی خوفزدہ نہ ہوتا۔ ڈھانچے کا ایک ہاتھ اٹھا ہوا تھا جیسے وہ مجھے مخاطب کر رہا ہو۔

میرے دانت بھنچ گئے — پورے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں شکل نہ جانے کیسی ہو گئی۔ بہرحال میں بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ڈھانچہ اس طرح ہاتھ ٹیک رہا تھا جیسے اٹھنے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں بس بھاگنے ہی والا تھا کہ مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ "خوفزدہ نہ ہو — ڈرو نہیں — تمہیں اپنے دھرم کا واسطہ — تمہیں خدا کا واسطہ — خوفزدہ نہ ہو" اور میرے قدم جیسے من من بھر کے ہو گئے۔

"لیکن — لیکن —" میرے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔

"ہڈیوں کا یہ ڈھانچا روح سے خالی ہے۔ اسی لئے اس پر وہ سب کچھ نہیں ہے۔ جو انسانی نگاہ کو مطمئن کرتا ہے۔ لیکن میں تمہارے سامنے اصلی شکل میں آ سکتی ہوں۔ مجھے ماضی میں جانے کی اجازت ہے — ہاں مجھے اجازت مل گئی ہے۔ مجھے اجازت مل گئی تھی کہ میں روح کا بوجھ اتارنے کے لئے جو چاہوں کروں۔ لیکن اس کے لئے کچھ راستے متعین کر دیئے گئے تھے اور میں انتظار کر رہی تھی۔ میں کچھ سوغات لئے انتظار کر رہی تھی۔ اس کا، جو مجھے مٹی کے بوجھ سے نکالے گا۔ میری روح کو غسل دے گا۔ اور اس کے بعد مٹی کا یہ بوجھ مجھے برا نہ معلوم ہوگا۔ یہ مٹی تو ہمارا گھر ہے۔ ہاں یہی تو ہمارا آخری گھر ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں سنو — میں ننگی ہوں — میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔ کیا تم میرے لئے لباس مہیا کر سکتے ہو۔"

"م — میں —؟"

"ہاں — میں تمہاری مجبوریاں جانتی ہوں۔ کچھ بھی کرو۔ خواہ چوری کرو — میرے لئے لباس مہیا کر دو — میں — میں اس طرح تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔"

میں اس سے کیا کہتا۔ اس کی تو باتیں ہی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

"آہ — اس طرح نہ دیکھو — یوں انجان نہ بنو — اگر تم اس طرح خوفزدہ رہے تو وہ سب کچھ کیسے ہوگا — وہ سب کچھ کیسے کرو گے جس کی میں برسوں سے منتظر ہوں۔ آہ — خود کو سنبھالو — ایک ایسی روح تمہاری توجہ کی محتاج ہے۔ جو ذات خود کچھ نہیں کر سکتی۔ میرے اختیارات محدود ہیں — للہ مجھے لباس لا دو۔"

"م — مگر — میں —؟"

"تم بستی میں جاؤ کسی بھی گھر سے کوئی لباس اٹھا لاؤ — اس کے بعد میری مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ جاؤ — جلدی کرو — اس کے بعد میں تم سے گفتگو کروں گی۔"

"اور — اگر — چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا تو — !"

"کچھ نہ ہوگا۔ کوئی تمہیں نہیں دیکھ سکے گا کسی کو تمہارے بارے میں نہیں معلوم ہوگا۔ میرا وعدہ ہے۔ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ اور ڈھانچہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میرے قدم غیر اختیاری طور پر اٹھنے لگے۔ ڈھانچہ میرے ساتھ تھا۔ یقیناً یہ ایک ناقابل یقین بات ہے۔ لیکن کاش میری باتوں پر یقین نہ کرنے والے میرے ساتھ ہوتے۔ کاش وہ میرے جیسے واقعات کا شکار ہوتے میں باغ سے نکل آیا۔ استخوانی ڈھانچہ میرے برابر چل رہا تھا۔ اور میرے بدن کے

سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ سب خزانہ وغیرہ بھول گیا تھا۔ ایک عجیب سے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا۔

یہاں تک کہ ہم بستی کے پہلے مکان کے نزدیک پہنچ گئے۔ "دیوار کود کر اندر داخل ہو جاؤ۔ یہ سیما کا کشت کا مکان ہے۔ اندر داخل ہونے کے بعد بائیں سمت کے کمرے میں سیما کا کشت کاشی کا کمرہ ہے۔ اس میں کاشی کے کپڑے ہوں گے۔ بس ایک جوڑا کپڑے اٹھا لاؤ۔ جاؤ۔ بے فکری سے اندر چلے جاؤ سب سو رہے ہیں۔ کوئی نہیں جاگے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کوئی نہیں جاگے گا"

چنانچہ دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ جیسا کچھ اس نے بتایا تھا، ویسا ہی تھا۔ میں نے ایک عمدہ سی اوڑھنی، ایک لہنگا اور چولی اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ مکان کے باہر وہ میری منتظر تھی۔ ہاں اس کی آواز سے میں نے اسے عورت ہی قرار دیا تھا۔ اس نے بھی خود کو عورت ظاہر کیا تھا۔ میں نے لباس اس کی طرف بڑھا دیا۔ جسے اس نے اپنے سوکھے ہوئے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

"آؤ۔" وہ بولی۔ اور میں کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے چلتا ہوا باغ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اسی برگد کے پاس رکی تھی۔ "میں ابھی آئی۔" اس نے کہا اور میں ایک سانس لے کر رہ گیا۔ وہ برگد کے تنے کے دوسری طرف چلی گئی۔ میری ذہنی حالت عجیب تھی۔ ایک بار پھر میں سخت الجھن میں پھنس گیا تھا۔

"اجنبی۔!" اور میں نے پلٹ کر دیکھا ایک بار پھر میں اچھل پڑا تھا۔

"تم۔ تم۔" میرے منہ سے بیساختہ نکلا۔ "تم کون ہو۔؟"

"روپ کنول۔ لیکن وہ مجھے سلطانہ کہتا تھا۔"

"تم۔ تم۔؟" حیرت سے میری بری حالت ہو گئی تھی۔

"ہاں۔ یہ میری حقیقت ہے۔"

"کیا نام بتایا تھا تم نے۔؟" میرے ذہن میں پھر سے کلبلاہٹ ہوئی

"روپ کنول۔ ان اطراف میں، میں اسی نام سے مشہور تھی۔ یہی میرا پیدائشی نام ہے۔"

لیکن میں نے اس کے باقی الفاظ نہ سنے۔ مجھے سکھیا کی بات یاد آ رہی تھی۔ جو اس نے ادھوری چھوڑ دی تھی۔ میرے کانوں میں بار بار کچھ الفاظ گونج رہے تھے۔ روپ کنول۔ روپ باغ۔ روپ کنول۔ روپ باغ۔

"حیرت چھوڑو اجنبی۔ تم میرے متر ہو۔ تم میرے محسن ہو۔ تم نے مجھے تاریک گہرائیوں سے نکال لیا ہے۔ تم نے میری روح کو روشنی میں لا کھڑا کیا ہے۔ میں تو تمہاری منتظر تھی۔ میری تو بہت سی امیدیں تم سے وابستہ تھیں۔ سنو۔ غور سے سنو۔ دوستوں کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا میں تمہاری دوست ہوں۔ مجھ سے خوف نہ کھاؤ۔"

"لیکن۔ لیکن۔"

"مجھ سے ڈرو نہیں۔ میرے محسن، بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ حالات تمہارے لئے کبھی اچھے نہیں ہیں۔ ہم باتیں کریں گے۔"

میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ بھی مجھ سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھ گئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ گردن جھکائے سوچتی رہی۔ اس انداز سے وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ کافی خوبصورت تھی وہ۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اور بولی۔ "تمہارا نام رحیم ہے نا۔؟"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں چونک پڑا۔

اور وہ ہنسنے لگی۔ "مسلمان ہو۔؟" اس نے میرے سوال کا جواب دیئے بغیر پھر کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔ "سنو۔ میں نے اپنی حقیقت تمہارے سامنے کھول دی ہے۔ میں تم سے کچھ مدد چاہتی ہوں تم خزانے کی تلاش میں تھے۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہیں خزانہ مل جائے گا لیکن تم بھی وعدہ کرو کہ میرا کام کرو گے۔"

"کیا کام ہے تمہارا؟"

"وہ بھی مشکل نہ ہو گا۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ روح کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ میں تنہا وہ نہیں کر سکتی جو کرنا چاہتی ہوں۔ میری کہانی طویل نہیں ہے۔ مختصر الفاظ میں سن لو۔ اور اس کے بعد اندازہ لگا لو کہ تمہیں میرا کیا کام کرنا ہے۔"

"میں تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"بتا چکی ہوں کہ میرا نام روپ کنول ہے۔ لکشمی پور کے جاگیردار موہن لال کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ زندہ ہے۔ بیشک وہ ایک غیرت مند آدمی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا، ایک غیرت مند انسان کو وہی کرنا چاہیئے تھا لیکن اس کی بس اتنی سی غلطی ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کی جان لینے سے پہلے اس کے بارے میں تحقیقات نہ کی اور وہ کر دیا جو اسے تحقیقات کرنے کے بعد کرنا چاہیئے تھا ایک جاگیردار کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے مجھے دنیا بھر کے آرام حاصل تھے میں نے قصبے کے ہائی اسکول سے دسویں جماعت بھی پاس کی۔ بس اس سے زیادہ تعلیم کا ہمارے ہاں کوئی رواج نہ تھا۔

لیکن ہائی اسکول ہی میں، میں من کا روگ لگا لائی۔ یہ شادو تھا ہمارے ہی گاؤں کے ایک مسلمان کسان کا بیٹا، جو پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بننا چاہتا تھا۔ لیکن پریم روگ اسے بھی لے بیٹھا۔ اس نے میرے ساتھ دسویں جماعت پاس کی۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اسے شہر بھیج کر کالج میں پڑھائے لیکن وہ واپس لکشمی پور آ گیا اور کھیتی باڑی کرنے لگا۔ ہم دونوں ہر رات کو ملتے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ہمارے درمیان دھرم کی دیوار ہے اور یہ دیوار ایک بڑے پہاڑ سے کم نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں اپنا دھرم نہیں چھوڑ سکتا تو میں نے اس کے سامنے ایک تجویز پیش کی۔ وہ یہ کہ ہم دونوں اپنے اپنے دھرم کی اچھائیاں بیان کریں۔ جس کا دھرم اونچا ہو وہ جیت جائے اور دوسرا ہار مان لے۔ تب رحیم۔ اس نے مجھے اپنے دھرم کے بارے میں بتایا۔ اور اس نے جو کچھ بتایا، اس کے بعد میری زبان ہی نہ کھل سکی۔

اس کا دھرم مہان تھا۔ میں نے دل سے اسے قبول کر لیا۔

"بیشک تمہارا دھرم بڑا ہے۔ لیکن شادو، اگر میں تمہارا دھرم اپنا لوں تب

روح کا تحفظ مجھے حاصل تھا۔ اچھا ہے اس کی خواہش پوری ہو جائے۔ میرا کیا جا رہا ہے۔ اب میں دوسرا کام کرنا چاہتا تھا۔ پاربتی کی تلاش میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے قبل میں موہن لال سے ملنا چاہتا تھا، چنانچہ میں اس کی تلاش میں نکل گیا۔

بوڑھا موہن لال ایک بارعب آدمی تھا۔ صورت سے ہی سنجیدہ نظر آتا تھا۔ یقیناً وہ غیرت مند انسان تھا۔ ملازم سے میں نے اسے اطلاع بھجوائی اور اس نے مجھے اندر بلوا لیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"تم موہن لال ہو۔؟"

"ہاں۔" اس نے میرے انداز تخاطب پر حیران ہو کر کہا۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ملازموں وغیرہ کو باہر بھجوا دو۔" میں نے کہا۔ اور موہن لال تعجب سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا۔

"کیا تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں۔؟"

"ہاں۔ موہن لال۔ جانتا ہوں۔ تم اپنی بیٹی اور ایک بے گناہ انسان کے قاتل ہو۔ تم ایک ظالم باپ ہو۔ تم ایک اندھے اور جلد باز انسان ہو۔" موہن لال کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔ وہ غصے سے کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے دوسرے لوگوں کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا۔ اب کمرے میں میرے اور اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"کون ہے تو۔ اور تجھے کس نے بھیجا ہے۔؟ کیا تو سمجھتا ہے یہاں سے زندہ نکل جائے گا۔"

"ہاں۔ میں زندہ نکل جاؤں گا موہن لال۔ میں جانتا ہوں تم قاتل ہو۔ لیکن تم مجھے زہر نہ دے سکو گے۔"

"مجھے بتا تو کون ہے۔؟ کس نے تجھے بھیجا ہے۔ اور۔ اور یہ بھید تجھے کیسے معلوم۔؟ سچ سچ بتا دے۔ ورنہ تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا۔ بھگوان کی سوگند، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تو سنو موہن لال۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔ لیکن مجھے تمہاری بیٹی نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ہاں مجھے روپ کنول کی روح نے یہاں بھیجا ہے۔ وہ روح جو بھٹک ہی ہے۔ وہ جسے ابھی تک سکون نہیں ہے۔ اور سکون کیسے ملے۔ تو نے اسے جس الزام میں قتل کیا ہے۔ وہ جھوٹ تھا۔ فریب تھا۔"

"نہیں۔ نہیں تو جھوٹ بول رہا ہے۔ سچ بتا دے۔ سچ بتا دے ورنہ۔ ورنہ۔" موہن لال نے جھپٹ کر ایک پستول نکال لیا۔ "میں تجھے قتل کر دوں گا۔ ورنہ سچ سچ بتا دے۔"

"میرا ایک ایک لفظ ٹھیک ہے موہن لال۔ تو نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر غیروں کی بات پر یقین کر لیا۔ بھولا ناتھ ایک بوالہوس انسان ہے۔ روپ کنول شاردو سے محبت کرتی تھی، سچی محبت۔ وہ پاک تھے ہر طرح پاک صاف تھے وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ بھولا ناتھ نے انہیں دیکھ لیا اور پھر اس نے روپ کنول کی عزت سے کھیلنا چاہا۔ وہ نہ مانی تو اس نے تجھے ورغلایا۔ اور پاربتی دائی کو رشوت دے کر جھوٹ بولنے پر تیار کر لیا۔ یہ ہے پوری کہانی موہن لال جس کی تو نے تصدیق نہیں کی، اور ان دونوں مظلوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"جھوٹ ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔" موہن لال شدت کرب سے چیخا۔

"میں اسے سچ ثابت کر دوں گا موہن لال۔"

"بھگوان کے لئے مجھے بتا۔ یہ سب کیا ہے۔ تو ہے کون؟"

"اس چکر میں پڑنے کے بجائے پاربتی کو اپنے ہاں طلب کر موہن لال۔ اسے بھولا ناتھ کے سامنے لے آ۔ پھر میں ان کی زبان سے تجھے حقیقت سناؤں گا۔"

"اور اگر تیری بات جھوٹ نکلی۔"

"تو مجھے گولی مار دینا۔"

"اچھی بات ہے میں پاربتی کو بلاتا ہوں۔ مگر اس وقت تک تجھے میری قید میں رہنا ہوگا۔"

"منظور ہے۔" میں نے کہا۔ موہن لال کے چہرے پر سخت ہیجان نظر آ رہا تھا۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ مجھے ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ اور پھر آدھے گھنٹے کے بعد موہن لال نے مجھے نکالا۔

"پاربتی آ گئی ہے۔"

"کہاں ہے؟"

"باہر باغ میں۔" موہن لال نے جواب دیا۔

"اسے اندر بلا لو۔ اور کسی ایسے کمرے میں پہنچا دو جہاں سے تم بھولا ناتھ اور پاربتی کی گفتگو سن سکو۔"

"ہوں۔" موہن لال نے کہا۔ اور پھر ایک کمرے میں دائی پاربتی کو پہنچا دیا گیا۔ وہ سخت حیران معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد موہن لال نے بھولا ناتھ کو بھی اسی کمرے میں بلا لیا۔ میں اور موہن لال دوسرے کمرے سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تو کیوں آئی ہے؟" بھولا ناتھ نے اس سے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ موہن لال جی نے بلایا ہے۔ میرا تو من گھبرا رہا ہے۔"

"گڑبڑ ہو گئی ہے پاربتی۔ صبح کو میرے پاس ایک آدمی آیا تھا نہ جانے کون تھا مورکھ۔ بڑا خطرناک لگتا تھا۔ اس نے ہمارا بھید کھول دیا ہو۔"

" ہائے رام ۔ اسے کیا معلوم ۔؟"

" مجھے خود نہیں معلوم ۔ مگر مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے"۔ بھولا ناتھ بولا

" اگر بھید کھل گیا تو بھولے جی ۔ پھر کیا ہوگا؟"

" مارے جائیں گے دونوں"

" میں بڑھیا تو بلا وجہ ہی ماری جاؤں گی۔ تم نے تو مجھ سے کہا تھا بھولے جی کہ یہ راز، راز ہی رہے گا"۔

" ارے خود مجھے نہیں معلوم کہ یہ بھید کیسے کھل گیا"۔

" میں مجبور ہوں ۔۔ میں تو نردوش ہوں بھولے جی، میں تو سچ سچ کہہ دوں گی کہ ۔۔"

" خاموش رہ بڑھیا۔ اگر تو نے میرا نام لیا تو اچھا نہ ہوگا ۔۔" بھولا ناتھ نے پاربتی کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔

" تو میں اپنی جان دیدوں ۔۔ کیوں ؟ ۔" پاربتی آنکھیں نکال کر بولی۔

" تجھے تو میں ابھی ختم کر دوں گا"۔ بھولا ناتھ دانت پیس کر اس کی گردن دبانے لگا۔ اور میں نے موہن لال سے کہا۔

" آیئے موہن لال جی ۔ آیئے ۔" اور میں اس کا بازو پکڑے ہوئے اس کمرے میں آگیا جہاں یہ ڈرامہ ہو رہا تھا۔ پاربتی کی آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں۔ اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔

ہمیں دیکھ کر بھولا ناتھ نے اس کی گردن چھوڑ دی اور پاربتی دوڑ کر موہن لال کے قدموں میں گر گئی۔

" مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ اس راکشس سے۔ میں نردوش ہوں ۔۔ میں نردوش ہوں"۔

" اسے کیوں مار رہے تھے بھولا ناتھ ؟"

" میں ۔۔ مم ۔۔ میں یہ ۔۔ !"

" کھڑی ہو جاؤ پاربتی ۔ مجھے بتاؤ۔ کھڑی ہو جاؤ ۔۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

" سرکار ۔ مائی باپ ۔ میں نردوش ہوں۔ بھولا نے مجھے سو روپے دیئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ میں سرکار سے کہہ دوں کہ روپ کنول بچے کی ماں بننے والی ہے۔ سرکار ۔ اس نے مجھے دھمکیاں دی تھیں"۔

" تو کیا ۔ تو کیا روپ کنول ۔"!

" وہ کنواری تھی مہاراج ۔ وہ کنواری تھی"۔

موہن لال کے چہرے پر سخت اذیت کے آثار نظر آئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ "نہیں نہیں ۔ نہیں" وہ چیخا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ "نہیں ۔ نہیں"۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور بھولا ناتھ نکل بھاگنے کی فکر میں تھا۔ ایک بار اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن میرا ایک ہی ہاتھ اسے پھر کمرے میں لے آیا۔

تب موہن لال نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ اس کی آنکھوں میں چتا روشن تھی۔

" بھولا ناتھ ۔ تو نے میری بچی کے ساتھ یہ دشمنی کیوں کی ۔ بول، تجھے اس سے کیا بیر تھا"؟

" یہ ۔۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے چاچا ۔۔ یہ"۔

" جھوٹ تو بول رہا ہے بھولا ناتھ"۔ میں آگے بڑھا۔ "بول جواب دے۔ کیا تو نے روپ کنول کی عزت نہیں لینا چاہی تھی ۔ ؟"

" میں بھی اس سے پریم کرتا تھا ۔ !"

" تو نے اسے شادو کے ساتھ دیکھا تھا؟"

" ہاں ۔"

" اور پھر تو نے اس سے کیا کہا کہ وہ تیرے ناپاک ارادوں کی تکمیل کرے"؟

" ہاں"۔

" اور اس نے منع کر دیا تو تو نے موہن لال سے جھوٹ بولا۔ اور اسے تیار کیا"۔ میں نے پاربتی کی طرف اشارہ کیا۔

" ہاں ۔ میں نے ایسا ہی کیا تھا"۔

" باقی کام تمہارا ہے موہن لال ۔ میں اب چلتا ہوں"۔

" ہاں ۔ باقی کام میرا ہے"۔ موہن لال نے کہا۔ "لیکن تم ابھی نہیں جاؤ گے۔ تم جو کوئی بھی ہو ۔۔ تم ابھی نہیں جاؤ گے، تم ان دونوں کا انجام دیکھ کر جاؤ گے۔ تاکہ میری بچی کی آتما تمہیں ملے تو تم اسے بتا سکو کہ تیرا باپ تیرا پتا تیری آتما سے شرمندہ ہے۔ اس سے بھول ہوئی تھی"۔

موہن لال پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اور اسی رات ۔۔ ایک ویرانے میں، جہاں موہن لال کے اور میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے بھولا ناتھ اور پاربتی کا انجام دیکھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن موہن لال بہت خوش تھا۔ اس نے بھولا ناتھ اور پاربتی کو ایک سوکھے درخت سے باندھ دیا تھا۔ اور پھر اس نے اس درخت کے گرد سوکھی لکڑیاں چن دیں۔ پھر اس نے ان لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ بھولا ناتھ اور پاربتی کی دلدوز چیخوں سے ویرانہ گونج رہا تھا۔ اور موہن لال سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

" میری معصوم بچی بھی اسی آگ میں جلی تھی بھولا ناتھ۔ وہ بھی اسی آگ میں جلی تھی پاربتی ۔ اب کیوں چیخ رہے ہو۔ کیا وہ انسان نہ تھی ۔ کیا میری روپ انسان نہ تھی؟ اور پھر وہ بلک بلک کر رونے لگا ۔ !

بھولا ناتھ اور پاربتی کی چیخیں مدھم ہوتی جارہی تھیں۔ گوشت جلنے کی چراند دور دور تک پھیل رہی تھی۔ اور پھر آگ سرد ہو گئی تو میں نے دیکھا موہن لال وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کا گھوڑا بھی غائب تھا۔ نہ جانے کب وہ چلا گیا۔ میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ میں نے وہاں سے مڑنا چاہا تو ایک آواز نے مجھے روک لیا۔

"شکریہ میرے محسن۔ تمہارا شکریہ۔ ایک آخری کام اور کر دو تو میں تمہارا احسان نہ بھولوں گی!" میں نے چونک کر دیکھا تو سلطانہ میرے سامنے کھڑی تھی۔

"مجھے مسلمانوں کی طرح قبر کھود کر میرے محبوب کے پہلو میں دفن کر دو۔ بس یہ آخری خواہش اور پوری کر دو۔ تمہیں تمہارے میرے خدا کا واسطہ"

"میں تمہاری خواہش کی تکمیل کروں گا سلطانہ۔ لیکن کل — مجھے کچھ چیزیں خریدنا ہوں گی۔" میں نے کہا۔ اور پھر وہ رات میں نے اسی کھنڈر نما حویلی میں گذاری۔ دوسری صبح میں قصبے میں گیا۔ سب سے پہلے ایک جوہری کی دوکان پر جا کر میں نے ایک اشرفی فروخت کی۔ جوہری نے اس کی بہت کم قیمت دی تھی لیکن بہرحال مجھے کام کرنا ہی تھا۔ میں نے وہاں سے ایک بزاز کی دوکان کا رخ کیا اور پھر اس سے لٹھا وغیرہ لے کر ایک دوکان سے کافور وغیرہ خریدا اور پھر ایک کدال خرید کر کھنڈر کی طرف چل پڑا۔

کیسا عجیب کام تھا۔ کیسے انوکھے واقعات تھے لیکن بہرحال سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔ کھنڈر میں وہ موجود تھی۔ اس کے بال بھیگے ہوئے تھے اور ان سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔

"میں نے غسل کر لیا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ کفن ہے۔ کپڑے اتار کر اسے لپیٹ لو۔" میں نے کہا، اور وہ لٹھا لے کر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی۔ سفید کفن میں وہ بہت حسین اور پُر وقار لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی شگفتگی تھی۔

"شادو کی قبر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آؤ۔ میرے ساتھ —" اور پھر ایک قبرستان میں پہنچ کر اس نے قبر کی طرف اشارہ کیا۔ اور میں نے اس کے نزدیک دوسری قبر کھودنا شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی شدید محنت کے بعد میں نے قبر تیار کر لی وہ میرے نزدیک کھڑی مسکرا رہی تھی۔ قبر تیار کرنے کے بعد میں نے کدال رکھ دی، اور وہ آگے بڑھ کر میرے نزدیک آ گئی۔

"رحیم" اس نے ممنون لہجے میں کہا۔ "جو احسان تم نے میرے اوپر کیا ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے لیکن میں تمہارے اس احسان کا کچھ صلہ دینا چاہتی ہوں۔ برگد کے اس درخت کے نیچے جہاں سے تم نے میرا ڈھانچہ نکالا تھا، خزانہ موجود ہے۔ یہاں سے جا کر اسے نکال لینا اور اس کے ساتھ ہی ایک خوشخبری سنو۔ تم نے میرے اوپر لگا ہوا مکروہ الزام ختم کر دیا ہے۔ میں اپنے پتا کی نظروں میں پوتر ہو گئی۔ خدا نے تمہارے اوپر لگا ہوا الزام بھی ختم کر دیا۔ وہ چور پکڑا گیا جس نے بنواری لال کو قتل کیا تھا۔ اس نے بنواری لال کے قتل کا بھی اعتراف کر لیا ہے۔ تم اخبارات میں وہ خبر دیکھ سکتے ہو۔ تمہارے اوپر سے الزام ہٹ گیا ہے۔ جاؤ۔ اپنی دنیا میں عیش کرو۔ ایک بار پھر تمہارا شکریہ میرے محسن۔"

وہ قبر میں اتر گئی۔ اور پھر اس نے قبر میں لیٹ کر چہرے پر کفن ڈھک لیا۔

میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ میں چند لمحات قبل کی جیتی جاگتی عورت کو مٹی میں دبا دوں۔ بڑی دیر تک میں گو مگو کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر میں نے قبر میں اتر کر اسے مخاطب کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"سلطانہ —" میں نے اس کے چہرے سے کپڑا الٹ دیا۔ اور پھر میرا دل دھڑک اٹھا۔ وہ تو ایک ڈھانچہ تھا۔ صرف ڈھانچہ۔ سوکھی ہوئی ہڈیوں کے علاوہ کچھ بھی تو نہ تھا۔ میں گھبرا کر قبر سے نکل آیا اور پھر میں نے اس پر مٹی ڈال کر اسے برابر کر دیا۔

سارے واقعات دماغ خراب کر دینے والے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ ہفتے تک پاگلوں کی طرح سرگرداں پھرتا رہا۔ پھر ایک دن کچھ پرانے اخبارات اتفاق سے ہاتھ لگ گئے۔ اور سلطانہ کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ میری بے گناہی کی تفصیل تھی۔

حواس کسی حد تک قابو میں آ گئے۔ تب خزانہ یاد آیا اور میں برگد کے درخت کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہاں بھی سلطانہ کی بات غلط نہیں نکلی تھی۔ میرے ہاتھ ایک عظیم خزانہ لگا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اپنی بستی جانے کی ہمت نہیں کی اور ایک دوسرے شہر کا رخ کیا۔

اب میری کپڑے کی ایک اعلیٰ دوکان ہے۔ شادی شدہ ہوں۔ دو پیارے پیارے بچے ہیں۔ بڑے سکون و اطمینان سے گذرتی ہے لیکن اب بھی کبھی جب وہ واقعات یاد آتے ہیں تو ایک عجیب سی بے کلی محسوس ہوتی ہے۔ روپ کنول یا سلطانہ کی شکل نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر میں نے ہمیشہ مسکراہٹ دیکھی ہے۔ روح کا بوجھ ہلکا ہونے کی وجہ سے وہ بہت خوش ہے۔ اور پھر اسے اس کے محبوب کا قرب بھی حاصل ہے۔ ممکن ہے میری اس سرگذشت پر آپ کو یقین نہ آئے لیکن میں آپ کو یقین بھی کیسے دلا سکتا ہوں —!

جرم وسزا کے موضوع پر ونہ بینکر کی ایک خوبصورت اور پرتجسس تحریر

ابوسلمان

مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب وہ خط موصول ہوا اور یکے بعد دیگرے واقعات پیش آنا شروع ہو گئے۔ میں صبح ساڑھے گیارہ بجے نائنٹی سیون کلب، جو کہ اسٹینلے اسٹریٹ پر واقع ہے پہنچا تو کلب کا مالک جوناتھن ہاتھ میں ایک مڑا تڑا کاغذ لیے اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں ان واقعات کا تذکرہ کروں، بہتر ہوگا کہ اپنا تعارف کرا دوں۔ میرا نام ڈینس ہے۔ میں ایک پیشہ ور گلوکار ہوں اور سرِدست ہفتہ میں تین دن ریڈیو پر نصف گھنٹے کے پروگرام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ جوناتھن میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ میں کلب میں داخل ہوا تو وہ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ ”تم نے سنا، ملیگان مر گیا۔“ ملیگان ایک ریسٹورنٹ کا مالک تھا۔

”ہاں سنا ہے نیو آرلین میں کسی کانسٹبل نے اسے گولی مار دی۔“ میں نے جواب دیا۔ ”آج لنچ میں کیا ہے؟“

”گوشت کا سالن اور اسپینی پائے!“

بارمین ڈیلاس بیئر کی پیٹی سے بوتلیں نکال کر الماری میں رکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے ایک گلاس بیئر مانگی اور جوناتھن کے پاس آ کھڑا ہوا جو ابھی تک اس کاغذ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک بہت ہی افسوسناک خبر۔“ اس نے کاغذ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”اور شاید خطرناک بھی۔“

یہ سرخ پنسل سے لکھا ہوا ایک پیغام تھا۔

”ڈیر جوناتھن!

میں تمہیں اپنی پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم ایک خدائی کام کی بجا آوری میں میری رہنمائی کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ گناہگار سزا ہی سے بچ نکلے اس شخص کا نام ایمری ڈسکو ہے اور وہ مونٹریال میں کسی

جگر رہتا ہے۔ خدا کی تائید و امداد سے میں اس شیطان کو حق و انصاف کے مطابق سزا دلوا کر رہوں گا لیکن پہلے ہمیں اسے تلاش کرنا ہے۔ پھر جب وہ ہمیں مل جائے گا تو اس کے ساتھ وہ ہی سلوک کیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ ڈان کلیری

"لفافے پر ڈاک خانے کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ خط ایک ہفتہ قبل بے ٹاؤن سے پوسٹ کیا گیا ہے۔" اس نے کہا۔ "غلط پتے کی وجہ سے خط ملنے میں تاخیر ہوئی۔ ممکن ہے کلیری اب تک مونٹریال آچکا ہو۔"

"اس صورت میں وہ تم سے لابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"ممکن ہے اس نے کی بھی ہو۔" جوناتھن نے بتایا۔ "ڈیلاس کا کہنا ہے کہ میرے پیچھے دو فون آچکے ہیں مگر فون کرنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"یہ میری ڈسکو وہ ہی تو نہیں جو تمھارے کلب کا ممبر بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، وہ ہی ہے۔"

"لیکن تمھارے دوست کلیری کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"اسے نہیں معلوم ہے۔ وہ تو مجھ سے اس کی تلاش میں مدد چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ڈسکو مونٹریال میں کہیں چھپا بیٹھا ہے اور چونکہ میں مونٹریال میں رہتا ہوں اس لیے آسانی سے اس کا پتہ چلا سکتا ہوں۔"

"یہ تو کوئی جاسوسی کہانی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"مذاق کی بات نہیں ڈینس۔" جوناتھن نے سنجیدگی سے کہا۔ "چند برس پہلے ڈسکو کی وجہ سے کلیری کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔"

جوناتھن نے ابھی اپنی بات پوری کی ہی تھی کہ بہت سے لوگ اندر داخل ہوئے۔ لنچ کا وقت ہو چلا تھا اور یہ وہ لوگ تھے جو عام طور پر کلب میں لنچ کھاتے تھے۔ ان میں نوبل بھی تھا اور لنڈا بھی تھی۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساتھ ساتھ آئے تھے۔ جوناتھن نے یہ دیکھا اور لنڈا کو کسی گڑیا کی طرح اٹھا کر نوبل سے دور ایک میز پر بٹھا دیا۔

لنڈا اور جوناتھن کی ملاقاتیں گزشتہ کئی ماہ سے جاری تھیں۔ لنڈا، البامہ سے آئی تھی اور پبلسٹی ایجنسی میں سیکرٹری کی حیثیت سے ملازم تھی۔ جوناتھن شادی شدہ تھا مگر کئی سال پہلے اس کی بیوی اور بچے کا ایک ہوائی حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ (بیوی کی موت پر ملنے والی انشورنس کی رقم سے ہی اس نے مانٹی سیون کلب کھولا تھا) بیوی کی موت کے بعد ایک مدت تک اس نے عورتوں میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی لیکن لنڈا غالباً اسے پسند آگئی تھی اور شاید وہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے لنڈا کو دوسری میز پر بٹھاتے ہوئے نوبل کو تنبیہہ کی کہ لنڈا اس کی محبوبہ ہے اس لیے نوبل اس سے الگ رہے تو بہتر ہے۔

ڈیلاس نے آنے والوں کو لنچ سرو کرنا شروع کیا۔ میں لنڈا کی میز پر بیٹھ گیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم جوناتھن کو سمجھا دو کہ وہ نوبل سے نہ الجھے تو اچھا ہے۔" وہ مجھ سے بولی۔ "وہ بڑی تخلیقی صلاحیتوں کا مالک ہے اور آج کل ایک اہم پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے۔"

اتفاق سے اسی وقت نوبل بھی آگیا۔ (غالباً جوناتھن کی دھمکی کا اس نے سنجیدگی سے کوئی اثر نہیں لیا تھا)

"بالکل ٹھیک۔" نوبل نے لنڈا کی بات سن لی تھی۔ "میں ایک سنسنی خیز فلم بنانے والا ہوں جس میں ریوالور — آلۂ قتل — ایک اہم پارٹ ادا کرتا ہے۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم فلمیں بناتے ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن فلمیں بنانے کے لیے تو بڑے سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ہمیں وہ طریقے معلوم ہیں جن سے اپنی فلم کے لیے ضروری سرمایہ حاصل کر سکیں۔" نوبل نے جھومتے ہوئے جواب دیا۔ اس نے کافی شراب پی رکھی تھی۔

"میں تمھاری کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا

★

میں تقریباً دو بجے دوبارہ کلب پہنچا تاکہ جوناتھن سے اس خط کے بارے میں گفتگو کروں۔ جوناتھن اس وقت اپنے فلیٹ میں تھا جو اس نے کلب کے اوپر بنوایا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ اسے توقع تھی کہ ڈسکو لنچ کھانے آئے گا لیکن وہ نہیں آیا۔ اس لیے اسے فون کرنا پڑے گا۔ میں نے اس سے کلیری کے بارے میں مزید وضاحت چاہی۔

"کئی سال پہلے جب میں بے ٹاؤن سے یہاں آیا تو کلیری بہترین پولیس انسپکٹر تھا۔ وہ اگر اسی تندہی سے کام کرتا رہتا اور اپنے کام سے کام رکھتا تو اب تک پولیس چیف بن گیا ہوتا لیکن ڈسکو کے معاملے میں پھنس کر اس نے اپنا کیریئر خراب کر لیا۔"

"کیسا معاملہ؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔" جوناتھن نے کہا۔ وہ ڈسکو کا نمبر ڈائل کر کے ریسیور پکڑے بیٹھا تھا۔ دوسری جانب سے ڈسکو نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔ وہ اس سے باتوں میں مشغول ہو گیا۔ دو چار رسمی جملوں کے بعد اس نے ڈسکو کو اس خط کے بارے میں آگاہ کیا۔ پہلے ڈسکو نے اسے مذاق میں اڑانا چاہا لیکن بعد میں جوناتھن کی سنجیدگی محسوس کر کے وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ جوناتھن سہ پہر کے وقت اس کے گھر آئے اور وہ دونوں مل کر اس معاملے پر غور کریں گے۔

سہ پہر تک میں اور جوناتھن تاش کھیلتے رہے۔ اس کے بعد ہم ٹیکسی کر کے چیری ہل پہنچے جہاں ڈسکو کا بنگلہ واقع تھا۔ جوناتھن نے گیٹ پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی ہمیں گھنٹی کی آواز سنائی دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری مرتبہ میں نے گھنٹی بجائی مگر نتیجہ وہ ہی رہا۔ "آؤ پیچھے چل کر دیکھیں۔" جوناتھن نے کہا۔

ہم گھاس کی روش پر چلتے ہوئے بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچے، یہاں بھی ایک گیٹ تھا مگر وہ کھلا ہوا تھا۔ بنگلے کے تین جانب آٹھ فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی، جس کے ساتھ ساتھ درخت اور بیلیں وغیرہ لگی تھیں۔ چوتھی جانب بنگلے کی عمارت تھی۔ عقبی گیٹ جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے سوئمنگ پول کی جانب کھلتا تھا، جو ایک وسیع لان کے درمیان واقع تھا۔ تالاب کے قریب سیمنٹ کا فرش تھا جس پر چند کرسیاں پڑی تھیں۔ آس پاس کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ جوناتھن نے ڈسکو کو آوازیں دیں مگر جواب میں نہ کوئی آواز آئی اور نہ کوئی بنگلے کے اندر سے باہر نکلا۔ ہم کچھ اور آگے بڑھے اور تب میں نے پہلی مرتبہ تالاب کی طرف دیکھا۔ وہ سب پانی میں ڈوبے تھے میں نے ڈسکو کو فوراً پہچان لیا اگرچہ اس کا چہرہ پانی میں چھپا ہوا تھا اور

اس کے چاروں طرف خون کی سُرخی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے غسل کا لباس پہن رکھا تھا۔ دوسری دو لاشیں دو عورتوں کی تھیں جو پورے کپڑے پہنے ہوئے تھیں، البتہ پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ چوتھی لاش ایک کتے کی تھی۔

"خدا کی پناہ!" بے اختیار جوناتھن کے منہ سے نکلا۔ "تم نے دیکھا کہ اس نے کیا کیا ہے۔"

پولیس کی آمد اور متعلقہ کارروائی کے بعد جب ہم پیدل کلب واپس جا رہے تھے تو میں نے جوناتھن سے پوچھا۔ "تو تمہارے خیال میں کلیری ہم سے پہلے وہاں پہنچ گیا؟"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"کیا اسی لیے تم نے انسپکٹر کو وہ خط نہیں دکھایا؟"

"پہلے میں کلیری سے مل کر اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" جوناتھن نے جواب دیا۔ "اس گتھی کا کوئی دوسرا حل ضرور ہونا چاہیے۔ میں کلیری کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ ڈسکو کو تو قتل کر سکتا تھا مگر اس کی بیوی اور بیٹی کے خون سے ہاتھ رنگنا اور پھر کتے کو گولی مارنا اس کیلئے ناممکن ہے۔"

"تم مجھے اس بارے میں کب بتاؤ گے کہ ڈسکو کی وجہ سے کلیری کو کیا نقصان پہنچا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"جس زمانے میں کلیری بے ٹاؤن پولیس میں انسپکٹر تھا اس نے ڈسکو کو ٹریفک کی ایک معمولی خلاف ورزی پر حراست میں لے لیا۔ ڈسکو بے ٹاؤن سے گزر رہا تھا۔ حراست میں لینے کے بعد کلیری کو اچانک یاد آگیا کہ ڈسکو ٹورنٹو پولیس کو ایک جعلسازی کی واردات میں مطلوب ہے۔ چنانچہ اس نے ڈسکو کو جیل میں بند کر دیا اور ٹورنٹو پولیس کو اطلاع دی کہ وہ آکر اسے لے جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈسکو جعلساز آدمی ہے۔" میں نے کہا۔

"گاہے گاہے وہ اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو فریب دینے سے نہیں چوکتا۔" جوناتھن نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال اس نے کلیری کو اپنی رہائی کے لیے بیس ہزار ڈالر کی رشوت دینا چاہی اور یہی اس کی غلطی تھی۔ ڈان کلیری جیسے اصول پرست آدمی کو رشوت کی پیشکش کرنا گویا اسے مزید اپنے خلاف کرنا تھا۔ ڈسکو نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چل سکتا تو اس نے ایک اور ترکیب کی۔ اس کے لیے ایک ریسٹورنٹ سے کھانا آتا تھا۔ جو لڑکا کھانا لاتا تھا ڈسکو نے اسے لالچ دیکر اپنا ایک خط اپنے دوستوں کے پاس پہنچانے پر آمادہ کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے دو دوست پولیس افسروں کی وردی پہن کر جیل خانے پہنچ گئے اور کلیری سے کہا کہ وہ ٹورنٹو سے آئے ہیں۔ کلیری ان کے فریب میں آگیا اور ڈسکو کو ان کے حوالے کر دیا۔"

"گویا اس طرح ڈسکو جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔" میں بولا۔

"تو کلیری کو چاہیے تھا کہ اس کے فرار کے بارے میں تمام متعلقہ پولیس اسٹیشنوں کو اطلاع کر دیتا اور بات ختم ہو جاتی۔"

"مگر بات اس طرح ختم نہیں ہوئی۔" جوناتھن نے بتایا۔ "ایک مجرم کا کلیری کی حراست سے بھاگ نکلنا اس کی کارکردگی پر ایک سیاہ داغ کے مترادف تھا۔ پھر کلیری نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے ساتھیوں اور شہر کے لوگوں نے اس مسئلے کو اتنا اچھالا کہ کلیری جھنجھلاہٹ اور مایوسی میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ وہ اچانک غائب ہو گیا۔ کچھ دن کے بعد اطلاع ملی کہ وہ کنگسٹن کے سینی ٹوریم میں داخل ہے اور وہاں اس کا نفسیاتی علاج ہو رہا ہے۔ کئی ماہ ہسپتال میں گزار کر جب وہ بے ٹاؤن واپس آیا تو محکمہ نے اسے ملازمت پر واپس لینے سے انکار کر دیا۔"

"اور اس طرح ڈسکو کی وجہ سے اس کا مستقبل تباہ ہو گیا۔" میں نے کہا۔ "پھر تو وہ انتقام لینے میں ایک حد تک حق بجانب کہا جا سکتا ہے۔ اچھا پھر ڈسکو کا کیا بنا؟ میرا مطلب ہے کہ وہ یہاں اس طرح آزادانہ زندگی کیسے گزار رہا تھا؟"

"ٹورنٹو میں ڈسکو نے کچھ افراد سے دھوکا دیکر بڑی رقمیں ہتھیالی تھیں۔ وہ اس نے کسی نہ کسی طرح واپس کر دیں اور ان لوگوں نے اس کے خلاف پولیس میں اپنی رپورٹ واپس لے لی۔ اس طرح ڈسکو مقدمہ چلائے جانے اور سزا پانے سے صاف بچ گیا۔"

"کیا کلیری کو یہ بات معلوم تھی؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں لیکن معلوم بھی ہو تو اس کے نقطۂ نظر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے نزدیک ڈسکو نے جرم کیا تھا جس کی اسے لازمی سزا ملنا چاہیے تھی۔"

ہم اس وقت ڈرومنڈ اسٹریٹ پر وائی ایم سی اے کی عمارت کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ نائنٹی سیون کلب یہاں سے کچھ ہی دور تھا کہ جوناتھن اچانک رک گیا۔ وہ پھرتی سے وائی ایم سی اے کی لابی میں داخل ہو کر لفٹ کی طرف بڑھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور اس اچانک حرکت پر حیران بھی۔ لفٹ کا دروازہ بند ہونے لگا تھا کہ ہم جلدی سے اندر پہنچ گئے۔ لفٹ مین کے سوا ایک آدمی اور تھا جس کا چہرہ زردی مائل تھا۔ مجھے کچھ تعجب ہوا۔ ان دنوں مونٹریال میں اتنی گرمی اور دھوپ پڑ رہی تھی کہ تقریباً ہر فرد کی رنگت کم و بیش تانبے جیسی ہو گئی تھی۔ اس شخص کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اسے یہاں زیادہ وقت نہیں گزرا۔ دوسرے الفاظ میں وہ کوئی ایسا فرد تھا جو حال ہی میں مونٹریال آیا تھا۔ دبلے پتلے جسم پر اس کا لباس بہت ڈھیلا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ جوناتھن کو دیکھ کر مسکرایا اور جوناتھن میری طرف دیکھ کر بولا۔ "ڈینس! میرے پرانے دوست سے ملو۔ اس کا نام ڈان کلیری ہے۔"

کلیری ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا جو دسویں منزل پر واقع تھا۔ کمرے میں اس کا کوئی سامان مثلاً سوٹ کیس وغیرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف ایک تھیلا رکھا تھا جس سے ایک قمیض کی آستین جھانک رہی تھی۔ جوناتھن کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"مجھے تمہارا خط مل گیا تھا۔" وہ کلیری سے مخاطب ہوا۔ "مجھے افسوس ہے کہ جب تم نے فون کیا تو میں موجود نہیں تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ مجھے ڈسکو کا پتہ بڑی آسانی سے خود ہی مل گیا۔"

کلیری نے جواب دیا۔

میں نے سوچا کہ یہ شخص یا تو پاگل ہے یا اتنی کہ خود ہی اپنے آپ کو مشتبہ بنا رہا ہے۔ "تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟" جوناتھن نے سوال کیا۔

"میں نے انھیں قتل نہیں کیا۔" کلیری نے جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو۔ ہم ابھی وہیں سے آرہے ہیں۔ ان کی لاشیں ہم ہی نے پائی تھیں۔"

"میں بھی جب وہاں پہنچا تو وہ سب مر چکے تھے۔"

"اس صورت میں ان کا قاتل کون ہے؟" میں نے کہا۔

"فرشتۂ انتقام۔"

"تمھاری اس بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔" جوناتھن نے کہا۔

"لیکن حقیقت یہ ہی ہے۔ ڈسکو کو اپنے جرم کا کفارہ ادا کرنا تھا اور وہ اس نے کر دیا۔ میں بھی یہ ہی چاہتا تھا۔"

جوناتھن چند سیکنڈ خاموش رہا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں ذرا کلب فون کر کے یہ معلوم کر لوں کہ وہاں کوئی بات تو نہیں جس کے لیے اس کی موجودگی کی ضرورت ہو اور چونکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وائی ایم سی اے کی عمارت میں فون کہاں لگا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ کلیری کو بھی میرے ساتھ آنا پڑا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ جوناتھن اس بہانے کلیری کو کمرے سے باہر بھیج کر تلاشی لینا چاہتا ہے

تقریباً چھ سات منٹ کے بعد ہم کمرے میں واپس تو جوناتھن ہاتھ میں ایک ریوالور لیے کھڑا تھا۔ ایسا ریوالور جس کی نال پر سائلنسر فٹ تھا۔

"یہ مجھے تمھاری الماری کی دراز سے ملا ہے۔" اس نے کلیری کو بتایا۔

"اور پولیس کا خیال ہے کہ جس کسی نے ڈسکو، اس کی بیوی اور بیٹی کو شوٹ کیا ہے اس نے سائلنسر لگا ریوالور استعمال کیا تھا۔"

"لیکن یہ میرا ریوالور نہیں ہے۔"

"کاش میں تمھاری بات پر یقین کر سکتا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" کلیری بولا۔ "خدا مجھے یہاں اسی لیے لایا تھا کہ میں اس شیطان کو سزا پاتے دیکھوں۔"

میں نے جوناتھن کو مشورہ دیا کہ میرے خیال میں اس کا دوست ذہنی طور پر متوازن نہیں ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنے دوست اور ریوالور کو، جو بظاہر آلۂ قتل تھا، پولیس کے حوالے کر دے۔ جوناتھن نے میری بات سے اتفاق کیا۔ ہم دونوں کلیری کو ساتھ لیکر عمارت سے باہر نکلے۔ سڑک پر کافی ہجوم تھا۔ کلیری کچھ دور تک ساتھ چلا اور پھر ایکدم مڑ کر بھاگ نکلا۔ اتنی تیزی سے کہ چند لمحوں کے اندر لوگوں کے ہجوم میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے جوناتھن کو الزام دیا کہ اس نے اپنے دوست کو فرار ہونے کا موقع دیا ہے۔

"آخر تمھیں اتنی بے چینی کیوں ہے؟" جوناتھن بولا۔

"اس آدمی نے تین افراد کو قتل کیا ہے۔"

"ممکن ہے کیا ہو اور ممکن ہے نہ کیا ہو مگر تمھیں اس سے کیا؟"

یہ درست ہے کہ کلیری، جوناتھن کا دوست تھا اور ڈسکو یا اس کی بیوی اور بیٹی سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس طرح کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، پھر مجھے اس معاملے سے خصوصی طور پر کیا دلچسپی تھی۔

"وہ مجرم ہے۔" میں نے دلیل دی۔ "اس نے قانون شکنی کی ہے۔ تین انسانوں کا خون کیا ہے۔"

"اس وقت تم بالکل کلیری کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" جوناتھن نے جواب دیا۔ "اس بحث کو ختم کرو۔ آؤ پہلے اس ریوالور کو کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں۔"

دو دن گزر گئے۔ میں ان واقعات کو تقریباً فراموش کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تیسرے دن ہفتہ تھا۔ میں اپنے فلیٹ میں پیانو پر گانے کی مشق کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے جوناتھن بول رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مجھے کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ ہم نے بلیرڈ کا ایک گیم کھیلا۔ کھیل کے دوران اس نے بتایا کہ پولیس ڈسکو اور اس کے اہل خاندان کے قتل کو مجرموں کے کسی گروہ کی حرکت خیال کر رہی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ پولیس کچھ بھی خیال کرے ہم جانتے ہیں کہ یہ کام کلیری کا ہے۔ نیز ہم نے اس کے قبضے سے ریوالور بھی برآمد کر لیا ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں کلیری سچ ہی کہہ رہا ہو۔" جوناتھن نے جواب دیا۔ "وہ وہاں ڈسکو کو گرفتار کرنے گیا تھا اور یہ بات اس کے مزاج کے عین مطابق تھی لیکن وہاں اس کا سابقہ قاتل سے پڑا اور اس نے اس سے ریوالور چھین لیا۔"

"ایک ایسا فرد جو اسی وقت تین بلکہ چار قتل کر چکا ہو کیا کلیری جیسے کمزور جثہ شخص کو آسانی سے اپنا ریوالور دے سکتا تھا؟" میں نے اعتراض کیا۔

"تم اس کے دبلے پتلے جسم پر نہ جاؤ۔ وہ کافی طاقتور ہے۔"

"کچھ بھی سہی۔ اگر یہ مجرموں کے کسی گروہ کا کام ہے تو وہ ریوالور دینے کے بجائے کلیری کو بھی اتنی ہی آسانی سے گولی مار سکتا تھا۔"

جوناتھن نے یہ کہہ کر کھیل بند کر دیا کہ اس کا ذہن الجھا ہوا ہے اور کھیل میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ اس کے کاروبار کا حساب کتاب اس کا اکاؤنٹنٹ مارون اسٹین رکھتا تھا۔ جوناتھن کو وہاں جانا تھا اس نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ ہفتے کا دن ہونے کے باوجود مارون اپنی خوبصورت سیکریٹری کے ساتھ دفتر میں موجود تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک مارون اور جوناتھن حساب کتاب میں الجھے رہے۔

"میں نے سنا ہے کہ ڈسکو بھی تمھارا موکل تھا۔" اچانک جوناتھن نے مارون سے پوچھا۔

"ہاں بہت دنوں سے۔" مارون نے جواب دیا۔

"آج اخبارات میں پولیس کے نظریے کے بارے میں جو خبر آئی ہے اس کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ یہ صحیح ہو۔ ڈسکو کے بہت سے دشمن تھے۔"

"کیسے دشمن؟" جوناتھن نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"میں کسی مؤکل کے راز کی باتیں افشا نہیں کر سکتا۔ یہ بات میرے کاروبار کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"مگر ہم کسی سے کہنے نہیں جا رہے ہیں"۔ جوناتھن نے اپنی اور میری جانب سے اطمینان دلایا۔

"میں رور بوٹ لانچ والوں کے لیے بھی کام کرتا ہوں"۔ مارون نے بتایا۔

"رور بوٹ لانچ۔ وہی تو نہیں جس کا مالک آرٹی پینیڈر رہے ہے؟" جوناتھن نے پوچھا۔

"ہاں۔ ڈسکو نے آرٹی سے بہت بڑی رقم قرض لی تھی اور متعدد تقاضوں کے باوجود واپس نہیں کر رہا تھا یا واپس کرنے کے قابل نہیں تھا۔"

"ڈسکو مقروض تھا!" میں حیرت سے بولا۔ "اتنے شاندار بنگلے میں عیش و آرام سے رہنے کے باوجود؟"

"ظاہری حالات سے کبھی اندازہ نہیں لگانا چاہیے"۔ مارون نے کہا۔ "ڈسکو پر اتنا قرض ہے کہ اس کا تمام بینک بیلنس اور جائداد مل کر بھی ادا نہیں ہو سکتا ممکن ہے آرٹی نے اسے اپنے دوسرے قرض داروں کے لیے ایک مثال بنانا چاہا ہو۔ چنانچہ اس نے کسی پیشہ ور قاتل کو بھیجا کہ ڈسکو کو ٹھکانے لگا دے۔ اتفاق سے اسی وقت اس کی بیوی اور بیٹی بھی آ گئی اور قاتل کو انھیں بھی ختم کرنا پڑا۔"

اسی وقت مارون کی بیوی کا فون آیا۔ وہ اسے یاد دہانی کرانا چاہتی تھی کہ آج اس نے اپنے بچوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ انھیں ویسٹ ماؤنٹ پارک لیجائے گا۔ ہم اسے فون پر اپنی بیوی سے لڑتے جھگڑتے چھوڑ کر دفتر سے باہر نکل آئے ہم نائنٹی سیون کلب واپس پہنچے۔ ڈیلاس نے بتایا کہ لنڈا دوپہر سے شراب پی رہی ہے۔ میں نیچے رہ گیا اور جوناتھن اوپر لنڈا کے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں لنڈا اور جوناتھن کی بحث و تکرار کی آوازیں آنے لگیں۔ لنڈا کو شکایت تھی کہ چونکہ جوناتھن آج کل زیادہ وقت میرے ساتھ رہتا ہے اس لیے وہ تنہائی سے بور ہو کر شراب نہ پیے تو اور کیا کرے دوسری طرف جوناتھن، لنڈا کو موردِ الزام ٹھہرا رہا تھا کہ وہ زیادہ تر نوبل کے ساتھ رہتی ہے اور اسی کی دیکھا دیکھی شراب کی عادی ہوتی جا رہی ہے۔ لنڈا نے جواب دیا کہ نوبل، جوناتھن کے مقابلے میں کہیں زیادہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ وہ اسے محض اپنی تفریح کی ایک چیز نہیں سمجھتا۔

اس جھگڑے کے بعد لنڈا غصے اور جھلاہٹ میں نیچے اتری اور کلب سے باہر نکل گئی۔ میں کچھ دیر تک جوناتھن کے واپس آنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ نہیں آیا تو ڈومی نین اسکوائر چلا گیا اور وہاں ایک بنچ پر بیٹھ کر لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا رہا پھر بکچیر چلا گیا۔ وہاں سے گھر پہنچا۔ کچھ دیر تک گانے کی کوشش کی۔ پھر ایک گھنٹے تک سوتا رہا۔ اٹھ کر غسل کیا لباس تبدیل کیا اس وقت تک رات ہو چکی تھی۔ میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور کلب چل دیا۔ کلب میں حسب معمول رش تھا۔ تمام میزیں بھری ہوئی تھیں کھیل کے کمرے میں شطرنج کی بازیاں جمی ہوئی تھیں اور نچلے کمرے سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جوناتھن بہت مصروف تھا۔

گیارہ بجے کے قریب بیرونی دروازے پر گھونسوں کی ایسی پُر زور بارش شروع ہوئی جیسے بہت سے ڈاکو آ گئے ہوں کسی ممبر نے مذاق کیا کہ پولیس نے چھاپہ مارا ہے۔ سب لوگ ہنس پڑے۔ پھر دروازے کے قریب بیٹھے ہوئے ایک ممبر نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ہم نے دیکھا کہ نوبل کنگ برائٹ اس حال میں اندر داخل ہوا کہ پرانے زمانے کے بادشاہوں اور شہزادوں کی طرح ایک سیاہ مخملی شال اس کے کندھوں سے فرش تک لٹکی ہوئی ہے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لیے ہوئے ہے۔ لوگوں نے تالیاں بجا کر اس کا خیر مقدم کیا۔ جوناتھن نے آگے بڑھ کر ناگوار لہجے میں کہا کہ وہ غیر قانونی طور پر ایک خطرناک ہتھیار اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔ نوبل نے حسبِ عادت خوب چڑھا رکھی تھی۔ پھر بھی اس نے بڑی سعادتمندی سے تلوار کو نیام میں رکھ لیا۔

"مجھے یہاں لنڈا نے بھیجا ہے"۔ اس نے جوناتھن کو بتایا۔ "وہ اپنی ایک نوٹ بک یہاں بھول گئی ہے اور چونکہ اب اس کا کوئی ارادہ یہاں واپس آنے کا نہیں ہے اس لیے اس نے مجھ سے نوٹ بک لانے کے لیے کہا ہے۔"

جوناتھن نے مجھ سے کہا کہ میں لنڈا کے کمرے سے نوٹ بک لا دوں۔ میں اوپر گیا۔ نوٹ بک جلد ہی مل گئی۔ میں نے یونہی ورق گردانی کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ کسی طرح کی کہانی تھی جو لنڈا تحریر کر رہی تھی۔ میں نے نوٹ بک لا کر جوناتھن کو دے دی۔ جوناتھن نے اسے نوبل کو پکڑا دیا لیکن نوبل واپس جانے کے بجائے بار کاؤنٹر پر پہنچا، جیب سے مٹھی بھر کے نوٹ اور سکے نکالے اور ڈیلاس کی طرف پھینکتے ہوئے بولا کہ جتنے لوگ یہاں موجود ہیں ان سب کو اس کی جانب سے شراب پیش کی جائے لیکن یہ کہہ کر وہ فوراً ہی پلٹا اور اکڑ اکڑ کر بڑی شان سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ جوناتھن نے ڈیلاس سے کہا کہ وہ نوبل کی دی ہوئی رقم محفوظ رکھے وہ بعد میں اسے واپس کر دی جائے گی۔

"لیکن اس کے پاس اتنی رقم آئی کہاں سے ہے؟" میں نے کہا۔ "ابھی کچھ دن پہلے تک تو وہ ہر ایک کے سامنے رونا روتا تھا کہ آج کل وہ بہت تہی دست ہو رہا ہے۔"

جوناتھن نے میری بات ٹال دی اور مجھ سے کہا کہ وہ آرٹی پینیڈر سے ملنے جا رہا ہے تاکہ معلوم کرے کہ مارون نے جو کچھ کہا تھا وہ کہاں تک درست ہے۔ رور بوٹ لانچ اسٹینلے اسٹریٹ پر واقع تھی۔ دروازے پر جو دربان یا چوکیدار ملا اسے شیو، ایک صاف قمیض کے علاوہ دانت صاف کرنے کے بارے میں کچھ ہدایات کی ضرورت تھی۔ جوناتھن بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ اندر بڑے ہال میں موسیقی کا شور ہو رہا تھا۔ شرابیں پی جا رہی تھیں لیکن آرٹی کہیں نظر نہیں آیا۔ جوناتھن ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو ایک زینہ اوپر جاتا ہوا دکھائی دیا لیکن اسی کے ساتھ ایک گارڈ بھی مستعد نظر آ رہا تھا "تم لوگ اوپر نہیں جا سکتے"۔ اس نے کہا۔

جوناتھن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم آرٹی کے دوست ہیں اور اسے ہمارے آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر وہ نہیں مانا۔ جوناتھن کو غصہ آ گیا! اس نے ایک ہاتھ سے گارڈ کی ٹائی اور کالر پکڑا دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹی گرفت میں لی اور ایک ہی بار جو زور لگایا تو گارڈ اس کے سر کے اوپر کسی ڈھال کی مانند اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جوناتھن اسے اسی طرح سر کے اوپر اٹھائے زینے کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ آرٹی کا دفتر پہلی ہی منزل پر تھا۔ جوناتھن گارڈ کو اٹھائے آفس میں گھس گیا۔ آرٹی نے یہ منظر دیکھا تو

حیرت سے آنکھیں پھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اب میرے دوست نے بھی گارڈ کو اپنے شکنجے سے رہائی دی۔

"اپنے گارڈ کو بتاؤ کہ ہم تمھارے دوست ہیں۔" اس نے آرٹی سے کہا۔

آرٹی نے ہمارا تعارف کرایا اور گارڈ خوفزدہ نظروں سے جوناتھن کی طرف دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ آرٹی نے معذرت خواہ ہوتے ہوئے شراب پیش کی اور جس وقت دوسرا دور چل رہا تھا اس نے جوناتھن کو مخاطب کیا۔ "کیسے آنا ہوا؟"

جوناتھن نے ڈسکو کے بارے میں بتایا اور کہا کہ ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ کام مجرموں کے کسی گروہ کا ہے۔"

"لیکن میرا یا میرے آدمیوں کا نہیں ہے۔" آرٹی سپاٹ لہجے میں بولا۔ "اگر کوئی گروہ اسے مارنا بھی چاہتا تھا تو اس قدر آگے جانے کی کیا ضرورت تھی لیکن تمھیں اس سے کیا دلچسپی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ڈسکو تمھارے خاص دوستوں میں شامل ہے۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈسکو ایک بڑی رقم کے لیے تمھارا مقروض تھا۔" جوناتھن نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"سچ ہے۔ وہ بڑی مدت سے ہمارا قرضدار تھا اور ہم چاہتے تھے کہ وہ کہیں نہ کہیں سے دولت کمائے اور ہمارا قرض واپس کر دے لیکن اب اس رقم کو صبر کرنا پڑے گا تم نے یہ قرض والی بات شاید مارون سے سنی ہو گی۔"

"بالکل نہیں۔" جوناتھن نے صاف جھوٹ بولا۔ "اس سے تو گزشتہ ایک ہفتے سے ملنا نہیں ہوا۔"

"ایک بات کہوں۔" آرٹی مسکرایا۔ "اگر تم ڈسکو کے قتل کے سلسلے میں مشتبہ افراد کے خلاف تحقیقات کر رہے ہو تو مارون کو بھی اس فہرست میں شامل کر لو۔"

"مذاق کر رہے ہو؟"

"بالکل نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ مارون اپنے مؤکلوں کا روپیہ مختلف کاموں میں لگاتا رہتا ہے لیکن کبھی بھی زیادہ منافع کی خاطر وہ ایسی جگہ بھی روپیہ صرف کر دیتا ہے جہاں اس کے ڈوبنے کا خطرہ بھی موجود ہوتا ہے۔ اگر قسمت سے فائدہ ہو گیا تو اپنے موکل کو معمول کے مطابق نفع دیکر باقی وہ اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے۔ اب فرض کیا جائے کہ اس نے ڈسکو کی رقم بھی کسی ایسی ہی جگہ لگا دی تھی لیکن اس مرتبہ بات الٹی ہو گئی۔ بیشک ہم ڈسکو پر قرض کی واپسی کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے۔ اس نے یقیناً مارون سے کہا ہو گا کہ وہ اس کی رقم واپس کرے اور مارون نے گھبرا کر اسے قتل کر دیا۔"

"کیا میں مارون کو بتا سکتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہو؟"

"ضرور۔ بلکہ ابھی فون کر کے بتا دو۔"

جوناتھن نے مارون کے گھر فون کیا۔ فون اس کی بیوی لزی نے ریسیو کیا۔ پتہ چلا کہ مارون آج ہی رات کے طیارے سے لندن چلا گیا۔ ہم واپس آنے کی تیاری کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آرٹی نے ریسیور اٹھا کر بات کی۔

"تمھارے باڈی گارڈ کا فون تھا۔" اس نے ریسیور رکھتے ہوئے جوناتھن کو بتایا۔ "اسے ابھی کسی عورت لنڈا لینکس کا فون ملا ہے۔ اس نے تمھارے لیے پیغام چھوڑا ہے کہ تم فوراً بولنگر اسٹوڈیو پہنچو۔ وہاں کوئی شخص کھڑکی سے گر کر مر گیا ہے۔"

جب ہم بولنگر اسٹوڈیو پہنچے تو پولیس نوبل کی لاش لیجا چکی تھی۔ اس کا فلیٹ چوتھی منزل پر تھا۔ وہاں ایک پولیس کانسٹیبل کھڑا تھا جسے ہم جانتے تھے۔ اس کا نام نوسین تھا۔ اس نے جوناتھن سے پوچھا کہ کیا وہ نوبل کو جانتا تھا۔ جوناتھن نے جواب دیا کہ نوبل اس کا اور لنڈا کا مشترکہ دوست تھا۔ ویسے نوسین کا خیال تھا کہ یہ موسم بڑا اضراب جا رہا ہے پہلے ملیگان مارا گیا، پھر ڈسکو اور اس کے اہل خانہ قتل ہوئے اور اب نوبل نے خودکشی کر لی۔ جوناتھن نے اس سے حالات پوچھے۔ نوسین نے بتایا کہ نوبل نے بے حد شراب پی رکھی تھی اور وہ ننگی تلوار گھما رہا تھا۔ اسٹوڈیو کے مالک مسٹر بولنگر نے جب اسے سمجھانے کی کوشش کی تو نوبل نے اس پر حملہ کر دیا اور بولنگر کے بازو پر زخم آیا۔ وہ اپنے زخم پر پٹی باندھنے نیچے اترا۔ پھر جب واپس گیا تو وہاں صرف لنڈا موجود تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی اور اس کی اسکرٹ پر خون لگا تھا۔

جوناتھن نے نوسین کا شکریہ ادا کیا اور لنڈا سے بات کرنے چل دیا۔ راستے میں انسپکٹر مل گیا۔ یہ وہی انسپکٹر تھا جس نے ہمیں ڈسکو کے گھر بھی دیکھا تھا۔ ہم نے اسے لنڈا اور نوبل سے اپنے تعلق کے بارے میں بتایا۔ اسی سلسلے میں جوناتھن نے بھی بتا دیا کہ نوبل سرِ شام اس کے کلب میں آیا تھا اور کس طرح وہ نوٹ اچھال کر واپس چلا گیا۔ انسپکٹر نے جیسے اطمینان کی سانس لی۔

"ممکن ہے اس سے ڈسکو، اس کی بیوی اور بیٹی کے قتل کا معاملہ بھی صاف ہو جائے۔" وہ بولا۔ "لنڈا کا بیان ہے کہ جس سہ پہر یہ واردات ہوئی تھی نوبل، ڈسکو سے ملنے گیا تھا۔ وہ ایک فلم بنا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ڈسکو اس کی فلم میں سرمایہ لگائے۔ لنڈا نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ فلم میں ایک ریوالور استعمال ہونا تھا اور جب نوبل، ڈسکو سے ملنے گیا تو وہ ریوالور اس کے پاس تھا۔ اگرچہ آج اس کے پاس سے ریوالور برآمد نہیں ہوا مگر میں نے ایک کانسٹیبل کو اس کے کمرے کی تلاشی لینے بھیج دیا ہے۔ ریوالور جب بھی ملا پولیس لیبارٹری میں اس کا معائنہ یہ ثابت کر دے گا کہ ڈسکو اور اس کے اہل خاندان کو قتل کرنے کے لیے وہ ہی ریوالور استعمال کیا گیا تھا۔"

"گویا تمھارا خیال ہے کہ احساس جرم سے مجبور ہو کر نوبل نے خودکشی کر لی۔" میں نے کہا۔

"لنڈا نے جو کچھ بیان دیا ہے اس کی روشنی میں یہ ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

انسپکٹر، نوسین کو ساتھ لیکر چلا گیا تو ہم اندر کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں لنڈا کے علاوہ بولنگر بھی موجود تھا۔ جوناتھن، لنڈا کی جانب متوجہ ہو گیا اور میں بولنگر سے باتیں کرنے لگا۔ دونوں کی مجموعی باتوں سے جو صورت حال سامنے آئی وہ یہ تھی کہ نوبل نے بے تحاشا شراب پی رکھی تھی۔ وہ کبھی ہنستا اور کبھی رونے لگتا تھا اور کبھی اپنے کسی گناہ میں ملوث ہونے کے بارے میں بڑبڑانے لگتا تھا۔ بولنگر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تو اس نے اسے زخمی کر دیا۔ اس پر بولنگر زخم پر پٹی باندھنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد نوبل نے دونوں ہاتھوں سے تلوار اس طرح پکڑی کہ اس کی نوک اس کے پیٹ کی جانب تھی اور پھر پوری طاقت سے اسے اپنے پیٹ میں اتار دیا۔ اس وقت وہ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ زخم کھا کر وہ لڑکھڑایا اور دوسرے لمحہ وہ کھڑکی سے نیچے گر چکا تھا۔

لنڈا یہ بیان کرتے ہوئے رونے لگی تھی اور جوناتھن اسے بازوؤں میں لیکر تسلی آمیز باتیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔

"بظاہر تمام کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں"۔ وہ بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈسکو نے نوبل کی فلم میں سرمایہ لگانے سے انکار کر دیا شاید اس لیے کہ وہ خود مالی پریشانیوں میں مبتلا تھا۔ اس پر نوبل نے ریوالور نکال کر اسے دھمکی دی۔ وفادار کتے نے یہ دیکھا تو نوبل پر دوڑ پڑا۔ نوبل نے پہلے کتے کو ختم کیا پھر ڈسکو کو گولی ماردی۔ فائرنگ کی آواز سن کر اس کی بیوی اور بیٹی باہر نکلیں تو نوبل نے انھیں بھی قتل کر دیا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ نوبل کے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آیا ہے"۔ میں نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ وہ اس نے ڈسکو کی جیب سے نکالا ہوگا۔ اس کی عادت تھی کہ اپنے پاس کافی نقدی رکھا کرتا تھا"۔ جوناتھن نے جواب دیا۔

ہم نے بولنگر کو خدا حافظ کہا اور لنڈا کو ساتھ لیکر باہر نکل آئے اور اس طرف چلے جہاں لنڈا کی کار کھڑی تھی۔

"کلیری کی بات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے"۔ جوناتھن نے کہا۔

"وہ قتل کے بعد موقع واردات پر پہنچا اور نوبل کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ کاش مجھے اس کا پتہ ہوتا تو میں اس سے کہتا کہ اب وہ ادھر ادھر بھاگنا اور چھپنا ختم کر دے"۔

لنڈا اور جوناتھن کلب روانہ ہو گئے۔ میں نے ساتھ جانے سے معذرت کر لی۔ ٹیکسی میں گھر جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میں جوناتھن کو کس طرح بتاؤں کہ اس کے بیان کردہ نظریے میں کتنی بڑی خامی موجود ہے۔ اول تو یہ ہی بات حلق سے نہیں اترتی تھی کہ چار قتل کرنے کے بعد نوبل نے چپ چاپ ریوالور کلیری کے حوالے کر دیا ہوگا۔ اس کے علاوہ جوناتھن کا کہنا تھا کہ نوبل نے روپیہ ڈسکو کی جیب سے نکالا تھا لیکن وہ یہ بات بھول گیا کہ ڈسکو کی لاش اس حال میں پائی گئی تھی کہ اس کے جسم پر صرف نہانے کا لباس تھا جس میں کوئی جیب نہیں ہوا کرتی۔

لنڈا چونکہ دو دن تک اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی نہیں جا سکی اس لیے شاید اس نے یہ خبر نہیں سنی۔ مجھے بھی ڈیلا اس سے معلوم ہوا اور میں فوراً جوناتھن کے پاس پہنچا۔ اسے بتایا کہ نوبل کے بارے میں اس کی تھیوری سراسر غلط ہے۔

"وہ کیسے؟" جوناتھن نے پوچھا۔

"اب یہ خبر عام ہو چکی ہے کہ نوبل نے وہ روپیہ ٹی وی کارپوریشن کے دفتر سے چوری کیا تھا جہاں وہ آج کل کام کر رہا تھا اور اپنے گناہگار ہونے کے سلسلے میں اس کی باتیں بھی اسی چوری سے متعلق تھیں"۔

"چلو مان لیا لیکن یہ بات تو طے ہے کہ وہ اس سہ پہر تنہا ڈسکو سے ملنے گیا اور اس کے پاس ریوالور بھی تھا"۔ جوناتھن نے جواب دیا اور لنڈا کی طرف دیکھا۔ "کیوں یہی بات ہے نا؟"

"بالکل!" لنڈا نے تائید کی۔

"لیکن اگر تم کلیری کے بیان کو سچ تسلیم کرتے ہو"۔ میں نے جوناتھن سے کہا۔ "کہ اس نے قاتل کے ہاتھ سے ریوالور چھینا تھا تو مجھے بتاؤ کہ کلیری جیسا دبلا پتلا آدمی نوبل جیسے طاقتور شخص سے ریوالور کس طرح چھین سکتا تھا؟"

اس پر لنڈا نے پوچھا کہ یہ کلیری کون ہے اور میں نے اسے کلیری کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"ڈینس ٹھیک کہہ رہا ہے"۔ لنڈا نے بھی میری بات کی تصدیق کی۔ "قاتل کلیری ہی معلوم ہوتا ہے"۔

مگر جوناتھن اپنے پرانے دوست کے خلاف کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اگلے دن اسے لزی نے فون کیا۔ وہ اپنے شوہر مارون کے بارے میں پریشان تھی۔ اس سے بات ختم کر کے جوناتھن نے مجھے بتایا کہ لزی کے بقول مارون کسی کاروباری سلسلے میں لندن نہیں گیا ہے۔ اسے تقریباً ایک سال سے لندن سے پراسرار خطوط موصول ہو رہے تھے اور لزی کا خیال ہے کہ لندن میں کوئی لڑکی ہے جس سے مارون محبت کرتا ہے اور اب اسی کے پاس چلا گیا ہے۔ وہ اور لزی گزشتہ کئی ماہ سے الگ الگ کمروں میں سو رہے تھے۔

"اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے"۔ وہ آخر میں بولا۔ "کہ جیسا کہ آرٹی نے کہا تھا مارون واقعی ڈسکو کی رقم میں خرد برد کر رہا تھا"۔

"لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کے لندن جانے کا ڈسکو سے کوئی تعلق نہ ہو اور جیسا کہ لزی کو شبہ ہے وہ اپنی محبوبہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خیال سے لندن گیا ہو"۔

"اس کا فیصلہ تو لندن پہنچ کر ہی ہو سکتا ہے"۔ جوناتھن نے کہا اور ریسیور اٹھا کر ایر گنڈا کو فون کرنے لگا۔

جوناتھن اپنے ساتھ مجھے بھی لندن گھسیٹ لایا تھا۔ ہمارے پاس مارون کا پتہ چلانے کے لیے صرف ایک ایڈریس تھا جو لزی نے ان خطوط میں سے نقل کر دیا تھا جو مارون کے پاس لندن سے آ رہے تھے لیکن وہ پتہ ایک شریف آدمی کا ثابت ہوا۔ اس نے بتایا کہ اس نے گزشتہ سال سے، جبکہ مارون لندن آیا تھا اسے دوبارہ نہیں دیکھا۔ البتہ اس نے ہمیں ایک شخص کا نام اور فون نمبر دیا جو اس کے خیال میں مارون کا دوست تھا اور ٹی وی میں ایک رائٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس وقت ایک ڈرامے کے سلسلے میں تھامس اسٹوڈیو میں سیٹ پر مصروف ہے اور اسے وہاں سے بلایا نہیں جا سکتا۔ ہم خود تھامس اسٹوڈیو جا پہنچے۔ رائٹر دوست سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ مارون بلاشبہ لندن میں موجود ہے مگر خود کو اس قدر پوشیدہ رکھے ہوئے ہے کہ اس سے بھی ملنا گوارا نہیں کرتا۔ اس نے ہمیں ویسٹ کینسنگٹن کے ایک ہوٹل کا فون نمبر دیا جہاں مارون قیام پذیر تھا۔

جوناتھن نے کہا کہ میں مارون کو فون کروں ورنہ وہ جوناتھن کی آواز سن کر کہیں اور غائب نہ ہو جائے۔ میں نے فون کیا۔ بظاہر مارون نے خوشی کا اظہار کیا مگر اس کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے لندن میں پا کر خوفزدہ ہے۔ بہرحال میں نے اس سے شام کو ملاقات کرنے کا وعدہ لے لیا مگر جوناتھن کا خیال تھا کہ مارون شام سے پہلے ہی ہوٹل چھوڑ دے گا اس لیے ہم اسی وقت مارون

سے ملنے چل دیئے۔

جوناتھن کا قیاس درست نکلا۔ ہم ہوٹل پہونچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک لڑکی ہوٹل کے سامنے فٹ پاتھ پر اپنے سُرخ بالوں میں کنگھا کر رہی ہے اور اس کے برابر ہولڈال رکھے ہیں۔ فوراً ہی مارون ہوٹل کے دروازے سے باہر نکلا اور ٹیکسی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور ٹیکسی کے بجائے اسے ہم نظر آگئے۔ جوناتھن جلدی سے آگے بڑھ کر اسکے پاس پہونچا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے ڈسکو کو قتل کیا ہے مارون" اس نے کہا" تم اس کے سرمایہ سے اسٹاک مارکیٹ میں قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ تم ہار گئے اور تم نے روپیہ کی خرد برد کے الزام سے بچنے کے لئے ایک اس سے بھی سنگین راستہ اختیار کیا۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے ڈسکو کا سرمایہ لگایا ضرور تھا مگر اس میں نقصان نہیں فائدہ ہوا۔" مارون نے جواب دیا۔

"تب پھر تم اچانک مونٹریال سے بھاگ کیوں نکلے۔؟"

"تم اسے اچانک نہیں کہہ سکتے۔ میں ایک مدّت سے اس سلسلے میں سوچ رہا تھا۔ میں برس ہا برس سے دفتری اور گھریلو زندگی کے درمیان پس کر رہ گیا تھا یہ میری افتادِ مزاج کے خلاف تھا۔ لزی کے اور میرے درمیان ایک مدّت سے ازدواجی تعلقات ختم ہو چکے تھے۔ مجھ سے جب تک برداشت کیا گیا کیا۔ پھر جب ضبط نہ ہو سکا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس گھٹے ہوئے ماحول سے نکل آیا۔"

میں مارون کی ساتھی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جبڑے کی بناوٹ۔ چپٹا ہوا زیریں حصۂ جسم۔ کسی طرف سے صنفِ نازک کی کوئی علامت محسوس نہیں ہو رہی تھی اور میک اپ زدہ چہرے کے باوجود میں نے پہچان لیا کہ وہ کوئی لڑکی نہیں لڑکا ہے۔ بہت حسین اور بہت خوبصورت مگر ـــ میں نے جوناتھن کو متوجہ کیا اور وہ بھی فوراً سمجھ گیا۔ مارون نے ہماری نظریں پہچان لیں اور شکست خوردہ آواز میں بولا۔ " یہ سائمن ہے۔"

ہم مونٹریال واپس آگئے ـــ اور کلب پہنچتے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ ان پراسرار سلسلۂ واقعات میں ایک اور حادثہ رونما ہو چکا ہے۔ ڈیلاس ایک کرسی پر بیٹھا اپنے چوٹ کھائے سر کو برف کی تھیلی سے تسکین پہنچا رہا تھا اور اسکے چاروں طرف کلب کا متفرق سامان فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ دوسری منزل کے کمروں کی بھی یہ ہی کیفیت ہوگی۔

"مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر بیہوش رہا۔" ڈیلاس نے بتایا۔" لیکن حملہ آور جو کوئی بھی تھا اس نے کیش کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں چیک کر چکا ہوں۔"

"کیا تم نے پولیس کو اطلاع دی۔؟" جوناتھن نے پوچھا۔

"میں فون کرنے ہی والا تھا۔" ڈیلاس نے جواب دیا۔

"رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں وہ کون تھا اور کیا چاہتا تھا۔"

اس نے بار کے پیچھے جا کر آہنی سیف کھولا اور ریوالور لئے ہوئے واپس آیا "وہ ضرور کلیری ہوگا۔" وہ بولا "اسے اس ریوالور کی تلاش تھی۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا ہی اندازہ درست ہے۔ شاید کلیری ہی ڈسکو اور اس کی بیوی اور بیٹی کا قاتل ہے۔"

"گویا اب تم اسے تسلیم کرتے ہو۔؟"

"ظاہر ہے کہ وہ نوبل نہیں تھا ـــ وہ آرنی پینڈر بھی نہیں تھا۔ مارون بھی نہیں تھا۔" جوناتھن نے گہری افسردگی سے کہا۔" اسلئے اب صرف کلیری ہی باقی رہ جاتا ہے۔ آؤ چلو ہم اسے تلاش کریں۔"

ہم بے ٹاؤن پہونچے۔ سیدھے پولیس اسٹیشن گئے اور کلیری کے بارے میں پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ خود بھی کلیری کی جستجو میں ہیں۔ جب اخبارات میں قتل کی واردات کی خبر شائع ہوئی اور انھوں نے کلیری کو غائب پایا تو شبہ ہوا کہ اس واردات میں کلیری کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے مونٹریال پولیس کو کلیری کا حلیہ اور دوسری معلومات روانہ کر دی ہیں ـــ مجھے اس خط کا خیال آیا جو کلیری نے جوناتھن کو لکھا تھا اگر جوناتھن اسی دن پولیس کے پاس پہونچ گیا ہوتا تو شاید یہ المیہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ لیکن میں خاموش رہا۔

ہم نے کئی جگہ کلیری کو تلاش کیا۔ اس کے گھر بھی گئے۔ کلیری کی بیوی سے ملاقات کی۔ مگر اس نے کہا کہ اسے کچھ پتہ نہیں کہ اس کا شوہر کہاں ہے۔ اس نے ہم سے کہا کہ اگر ہمیں کلیری مل جائے تو اس سے کہدیں کہ گھر میں خرچ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ جوناتھن نے اسے بیس ڈالر دینا چاہے مگر اس نے انکار کر دیا۔ ہم واپس چل دیئے۔

"مجھے کلیری کی بیوی کی بات کا یقین نہیں ہے۔" جوناتھن نے کہا۔

"کیوں۔؟"

"میں صرف کلیری کو ہی نہیں اسے بھی اسکول کے زمانے سے جانتا ہوں اگر وہ واقعی تنگ دست تھی تو اسے ایک پُرانے دوست سے امداد لیتے ہیں تامل نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ یہ بات اس نے محض ہمیں یہ یقین دلانے کے لئے کہی تھی کہ اسے اپنے شوھر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں جبکہ میرا خیال ہے کہ کلیری اپنے گھر میں ہی چھپا ہوا ہے۔"

بے ٹاؤن میں جوناتھن کا اپنا گھر بھی تھا۔ کلیری کے مکان سے ہم وہیں پہونچے۔ وہاں آج کل جوناتھن کا بھائی مرلین رہ رہا تھا۔ وہاں ہم نے کھانا کھایا اور مرلین کی دعوت پر پولیس پائپ بینڈ کی نغمہ سرائی سننے جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ فون جوناتھن کے لئے تھا۔ دوسری طرف سے کلیری بات کر رہا تھا۔ جوناتھن کا اندازہ درست تھا۔ وہ اگرچہ اپنے گھر میں پوشیدہ نہیں تھا مگر جہاں تھا وہ جگہ اس کی بیوی کو معلوم تھی۔ ہمارے جانے کے بعد اس کی بیوی نے اس سے رابطہ قائم کر کے اسے ہماری آمد کے بارے میں بتایا اور کلیری کسی وجہ سے ملاقات کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے اسی سلسلے میں جوناتھن کو فون کیا تھا اور اسے پائن اسٹریٹ کے پبلک اسکول میں بلایا تھا۔

کلیری پائن پبلک اسکول کے تہہ خانے میں چھپا ہوا تھا۔ پہلے کبھی اس نے وہاں دیواروں پر پینٹ کا کام کیا تھا اور اسی وقت سے تہہ خانے کی چابی کی ایک نقل بنوا کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے جوناتھن سے کہا۔" کہ میں نے تمہارے کلب میں گھس کر

تمام چیزوں کو گڑبڑ کر دیا تھا۔ مجھے اس ریوالور کی تلاش تھی۔"

جوناتھن نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے دکھایا (مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس سفر میں اپنے ساتھ ریوالور بھی لایا ہے) مگر اب اس پر سائیلنسر لگا ہوا نہیں تھا۔

"مجھے پہلے ہی تمہیں بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے تھا۔" جوناتھن نے کلیری سے کہا۔ "لیکن اب یہ بھاگ دوڑ ختم کرو۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں۔؟" کلیری نے پوچھا۔

"اس لئے کہ جو باتیں مجھے اس سلسلے میں معلوم ہیں پولیس کو بتادوں۔ تمہارے خط کے بارے میں۔ پھر یہ کہ تم اس روز سہ پہر کو ڈسکو کے مکان پر گئے تھے اور یہ کہ تمہارے پاس ریوالور تھا۔"

"لیکن میں نے انھیں قتل نہیں کیا۔ میں نے ریوالور قاتل سے چھینا تھا۔"

"اگر وہ تم نہیں تھے تو پھر کون تھا۔" میں نے پوچھا۔

"میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ بات میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" کلیری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے خیال میں اس فرد کو سزا کے بجائے انعام ملنا چاہیئے کہ اس نے وہ کام انجام دیا جو خدا کے کرنے کا تھا۔"

"چلو کلیری۔" جوناتھن نے ریوالور سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور راہداری میں آگیا۔

لیکن کلیری چلنے کا بہانہ کرتے ہوئے آگے بڑھا اور ایکدم کسی کوبرا سانپ کی طرح جوناتھن پر حملہ کر دیا۔ راہداری میں جگہ اتنی تنگ تھی کہ میں سوائے تماشا دیکھنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کلیری نے جوناتھن کا وہ ہاتھ پکڑ رکھا تھا جس میں ریوالور تھا۔ اور جوناتھن پوری کوشش کر رہا تھا کہ ریوالور نہ تو کلیری کے قبضے میں جائے اور نہ اس کے ہاتھ سے گرنے پائے۔ کلیری میں واقعی بلا کی قوت تھی کہ وہ جوناتھن جیسے آدمی سے بھڑ گیا تھا اور جوناتھن اپنی تمام کوشش کے باوجود اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کرانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ریوالور کی نال کا رُخ کلیری کی جانب مڑنا شروع ہو گیا اور یہ کوشش کلیری کی تھی جبکہ جوناتھن ریوالور کا رُخ اوپر کی جانب رکھنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر رہا تھا۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ کلیری لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔

"مجھے اسی لئے ریوالور کی ضرورت تھی۔" اس کے کانپتے ہونٹوں سے نکلا "میں یہ ہی چاہتا تھا۔" اس نے ایک جھرجھری سی لی اور ساکت ہو گیا۔

دو ہفتہ بعد مونٹریال میں حالات پُرسکون نظر آنے لگے تھے۔ جوناتھن نے پولیس کو کلیری کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا' سوائے اس کے کہ اس نے کلیری سے ریوالور لیکر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ پولیس کو یہ ہی تاثر دیا گیا تھا کہ ریوالور اس تمام عرصہ میں کلیری کے پاس ہی رہا ہوگا۔ پھر ایک سہ پہر لنڈا نے بتایا کہ وہ کیلیفورنیا جا رہی ہے اس کا دل مونٹریال سے اُکتا گیا تھا اور اب وہ فلموں میں کہانیاں' مکالمے یا اسکرین پلے جو بھی کام مل جائے۔ لکھنا چاہتی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ جوناتھن نے بھی اس کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

لنڈا اپنے کمرے میں سامان پیک کرنے چلی گئی۔ جوناتھن کھیل کا حساب کتاب دیکھ رہا تھا اور میں ایک پرانی کتاب میں شاہی زمانے کے کھانوں کی فہرستیں اور انکے پکانے کی ترکیبیں دیکھ رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور ہارون اندر داخل ہوا۔ وہ کچھ شرمایا سا نظر آرہا تھا۔

"میں واپس آگیا ہوں۔" اس نے بتایا "بہت غور و فکر کے بعد آخر میں نے فیصلہ کیا کہ میری جگہ اپنے بیوی اور بچوں کے درمیان ہے۔"

"تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔" جوناتھن نے جواب دیا۔

"مجھے امید ہے کہ تم نے مجھے انگلینڈ میں جس حال میں دیکھا تھا اس کے بارے میں کبھی کسی کو اور خاص طور سے لزی کو نہیں بتاؤ گے' اسے کچھ معلوم نہیں ہے کہ میں کس حد تک گر گیا تھا۔"

"اطمینان رکھو۔ میں اور ڈینس ہمیشہ اپنی زبان بند رکھیں گے۔" جوناتھن نے یقین دلایا۔

"تمہارے کیا حال چال ہیں۔؟" ہارون نے جوناتھن سے پوچھا۔

"زندگی میں تبدیلیاں تو آتی ہی رہتی ہیں۔ لنڈا مجھے چھوڑ کر ہالی وڈ جا رہی ہے وہ وہاں فلموں کے لئے لکھے گی۔"

"ڈسکو کی موت سے اُسے بھی نقصان پہونچا۔" ہارون نے ہمدردی سے کہا۔ "اگر وہ زندہ رہتا تو ممکن تھا کہ اس فلم کے لئے سرمایہ فراہم کرنے پر آمادہ ہو جاتا جس کی کہانی لنڈا لکھ رہی تھی۔"

میں نے اور جوناتھن دونوں نے چونک کر ہارون کی طرف دیکھا۔

"کیسی فلم۔؟" جوناتھن نے پوچھا۔ "کیا وہ نوبل کی فلم نہیں تھی۔"

"فلم کا ڈائریکٹر تو بلاشبہ وہ ہی تھا لیکن اس کی کہانی اور اسکرین پلے لنڈا کے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لنڈا اس فلم میں نوبل سے کہیں زیادہ دلچسپی رکھتی تھی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔؟"

"ڈسکو نے مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ وہ فلم میں سرمایہ لگائے یا نہیں۔ یہ تجویز اس کے سامنے لنڈا نے ہی رکھی تھی۔" ہارون نے بتایا "اس پر میں نے کہا کہ فلمی کاروبار بڑا غیر یقینی ہوتا ہے لیکن چونکہ سرمایہ اس کا ہے اسی لئے فیصلہ بھی اسی کو کرنا چاہیئے اس پر ڈسکو نے جواب دیا کہ جب تک وہ لنڈا سے ملے گا اس وقت تک اس بارے میں کوئی فیصلہ کر لے گا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ نوبل اور لنڈا اس سے ملنے کے لئے آنے والے ہیں۔"

ہارون تو یہ کہہ کر چلا گیا اور جوناتھن نے اوپر کا رُخ کیا۔ میں اس کے ساتھ تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ لنڈا بیڈ روم میں ایک تھیلے میں کپڑے رکھ رہی تھی۔ جوناتھن نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

"مجھے ابھی ابھی پہلی مرتبہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس سہ پہر کو نوبل ڈسکو سے ملنے گیا تھا تم بھی اس کے ساتھ تھیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ بات مجھے کبھی نہیں بتائی۔؟"

"مجھے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" لنڈا نے اپنے بازو اس کی گرفت سے چھڑا لئے۔

"وڈان کلیری نے کہا تھا کہ اس نے ریوالور موت کے فرشتے سے چھینا تھا۔ اور بہت سے لوگ فرشتوں کو عورت خیال کرتے ہیں۔ مجھے پہلے اس کا خیال ہی نہیں ہوا۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے ان سب کو قتل کیا ہے تو تم پاگل ہو۔" لنڈا نے کہا مگر اس کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

"تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" جوناتھن نے آہستہ سے کہا۔ "کیس ختم ہو چکا ہے۔ کلیری مر گیا ہے اور پولیس اسی کو قاتل خیال کرتی ہے۔ میں صرف اپنی تسلی کے لئے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ حقیقت میں واقعات کس طرح پیش آئے تھے۔"

"یہ میں صرف تمہیں بتا سکتی ہوں۔" لنڈا نے کہا۔ "ڈینس کو باہر بھیجدو۔"

جوناتھن نے مجھے جانے کا اشارہ کیا۔ میں کمرے سے نکل کر نیچے آ گیا لیکن ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ میں نے پہلے ایک گھٹی ہوئی چیخ سنی اور پھر ایک دھماکے کی آواز۔ پھر بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک دروازہ بند ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

میں بھاگ کر اوپر پہونچا۔ لنڈا کا کمرہ خالی تھا۔ یقیناً وہ دونوں چھت پر چلے گئے تھے۔ میں نے چھت پر جانے کے لئے زینہ کا دروازہ کھولا تیزی سے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اوپر سپاٹ چھت پر پہونچ گیا۔ جوناتھن وہاں موجود تھا۔ مگر اکیلا۔

میں نے اس کے قریب پہونچ کر نیچے دیکھا۔ لنڈا پانچ منزل نیچے سیمنٹ کے فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میں جوناتھن سے کچھ پوچھنے کے بجائے خاموش کھڑا رہا۔ تب پھر کچھ دیر کے بعد اس نے خود ہی بتایا۔

"اس سہ پہر لنڈا اور نوبل دونوں ڈسکو سے ملنے کے لئے جانے والے تھے لیکن نوبل نے شراب پی رکھی تھی۔ لنڈا نے اسے کہیں اور بھیجدیا اور خود اکیلی ڈسکو سے ملنے پہونچ گئی۔ ریوالور اس کے ہینڈ بیگ میں تھا۔ اس نے ڈسکو کو فلم کی کہانی سنائی پھر اپنی تمام تر کوشش سے اسے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ اس فلم میں سرمایہ لگانے کے لئے آمادہ ہو جائے لیکن ڈسکو نے نہ صرف روپیہ لگانے سے انکار کر دیا بلکہ اس کا اور اس کی کہانی کا مذاق بھی اڑایا۔ اس نے کہا یہ کہانی بالکل بچکانہ ہے اور فلم کے لئے کہانی لکھنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ لنڈا بچوں کے لئے اوٹ پٹانگ کہانیوں کی کتابیں لکھے۔ جب وہ اچھی طرح اس کا مضحکہ اڑا چکا تو اس نے کہا کہ اسے بے شک لنڈا سے دلچسپی ہے لیکن ایک رائٹر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عورت کی حیثیت سے لنڈا کو اس توہین پر غصہ آ گیا۔ اس نے ڈسکو کو دھمکانے کی نیت سے ریوالور نکال لیا ڈسکو کا کتا وہیں موجود تھا۔ اس نے جو اپنے مالک کو خطرے میں دیکھا تو لنڈا پر غرا کر حملہ کر دیا۔ لنڈا نے پہلے کتے کو گولی ماری اسی اثنا میں فائرنگ کی آواز سن کر ڈسکو کی بیوی اور بیٹی جو بنگلو میں موجود تھیں باہر دوڑی آئیں اور لنڈا نے خود کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لئے انھیں بھی گولی ماردی۔"

میں نے ان باتوں پر کچھ دیر تک غور کیا۔ پھر پوچھا۔ "اور کلیری کا معاملہ کیا ہے؟"

"اس سلسلے میں کلیری کا بیان صحیح تھا۔ وہ فائرنگ کے بعد وہاں پہونچا۔ اس وقت تک لنڈا پر اپنے اقدام کا جذباتی ردعمل شروع ہو چکا تھا۔ وہ تین افراد کو قتل کرنے کے خیال سے بے حد خوفزدہ اور سہمی ہوئی حالت میں وہاں کھڑی تھی۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا مگر وہ ایک مکمہ جیسی کیفیت میں اپنے آپ اور اپنے گرد و پیش سے بالکل بے خبر معلوم ہوتی تھی۔ کلیری نے بڑی آسانی سے اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ اس سے کہا کہ وہ گھر جائے اور آئندہ گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرے۔ پھر غالباً صورت حال کو الجھانے کے لئے اس نے سب کی لاشیں تالاب میں ڈال دیں۔"

اسی وقت نیچے پارکنگ پلاٹ پر۔ جہاں لنڈا کی لاش پڑی تھی۔ ایک کار آ کر رکی۔ کار والے نے لنڈا کی لاش دیکھی۔ پھر سر اٹھا کر ہم دونوں کو اور بھاگتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

"دوسری بات یہ کہ اس نے نوبل کو بھی قتل کیا تھا۔" جوناتھن نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے خودکشی نہیں کی تھی۔ وہ لنڈا کو دھمکی دے رہا تھا کہ سب کو بتا دے گا کہ اس سہ پہر لنڈا ڈسکو سے ملنے گئی تھی۔ اور لنڈا نے تلوار اٹھا کر اس کے سینے میں اتار دی۔ اور پھر اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔"

میں دور کہیں پولیس سائرن کی آواز سن رہا تھا۔

"لیکن اس انجام کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔" جوناتھن نے جواب دیا۔ "اس نے صاف کہدیا کہ اس نے جو کچھ مجھے بتایا ہے پولیس کے سامنے اپنے بیان سے مکر جائے گی۔" پھر اس نے قہقہے لگانا شروع کر دیئے کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور اس وقت مجھے بیچارے کلیری کا خیال آیا اور میں نے محسوس کیا کہ جس ہستی کی وجہ سے اتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں وہ صاف بچکر نکلی جا رہی ہے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک گھونسا مار کر بیہوش کر دیا اور یہاں اوپر لے آیا۔"

میرے لئے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اب جوناتھن بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اور میں۔ جسے یہ تمام واقعات معلوم تھے۔ اب ساری عمر اپنے ضمیر پر ان کا بوجھ لئے زندہ رہوں گا۔ میں اس وقت کلب کے ایک گوشے میں بیٹھا بیئر پی رہا ہوں۔ اور کلب میں معمول کے مطابق چہل پہل ہے۔ مارون اور لڑکی آئے اور مجھ سے دو اسٹول چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ بظاہر ان کے باہمی تعلقات خوشگوار نظر آ رہے تھے لیکن مارون جب بھی میری طرف دیکھتا اس کے چہرے پر عجیب تاثرات پیدا ہو جاتے۔ اس نے بھی وہ کہانی سنی تھی جو جوناتھن نے پولیس کو مطمئن کرنے کے لئے بیان کی تھی کہ لنڈا جو حقیقت میں ڈسکو۔ اس کی بیوی۔ اس کی بیٹی اور نوبل کی قاتلہ تھی آخر اپنے ضمیر پر اتنے افراد کا خون برداشت نہ کر سکی اور اس نے چھت سے کود کر اپنی جان دے دی۔ لیکن مارون کو وہ ردعمل بھی یاد تھا جو اس سہ پہر اس کی بات سنکر جوناتھن نے ظاہر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ذہن میں بھی شکوک و شبہات تھے۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔

اور میں بھی کیا کر سکتا ہوں۔ کیا میں پولیس کے پاس جاؤں؟ کیا میں تمام حقائق دہرا کر بیٹھ جاؤں خواہ اس کے لئے میرا ضمیر مجھے کتنے ہی کچوکے کیوں نہ لگائے؟ میں نے نگاہ اٹھائی تو کمرے کے دوسری جانب سے جوناتھن مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ مجھ سے بہتر جانتا ہو۔

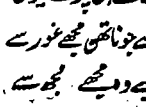

امریکہ کی
حیرت انگیز ایجاد

ٹرانسپیرنٹ لوشن

میجک اسٹون

جس سے ٹوٹی ہوئی چیزیں مضبوطی سے جڑ جاتی ہیں

گھریلو استعمال میں آنے والی مختلف اشیاء مثلاً چینی کے قیمتی برتن، زیورات، کھلونے، نوادرات، بیبن، باتھ ٹب وغیرہ۔ اگر ٹوٹ گئے ہوں یا چٹخ گئے ہوں تو میجک اسٹون انہیں نہایت مضبوطی اور صفائی سے جوڑ دیتا ہے اور دوبارہ قابل استعمال بنا دیتا ہے۔

ہر گھر کی اہم ضرورت **میجک اسٹون**

ہر جگہ دستیاب ہے

تقسیم کنندگان: **اسپیس ایج کارپوریشن**

۱۱۰ نیو کلاتھ مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔ فون: ۲۳۷۴۸۳

۱۸ چمن چیمبرز، نشتر روڈ۔ لاہور۔

آلیھا

اولیکا ناصر

جو تجسس سے بھرپور کہانیاں لکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے

میں جانتی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، کیونکہ وہ گھر میں داخل ہوا تو معمول کے مطابق غصے میں ہونے کے بجائے کچھ گھبرایا ہوا اور پریشان سا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ میں جو کہ سالِ رفتہ کی محبوبہ تھی گھر میں یوں چھوڑ دی گئی تھی جیسے میں بھی گھر کے فرنیچر کا ایک حصہ تھی اور یہی اس کی غلطی تھی، کیونکہ کرسیاں اور میزیں انتقام لینے کا انتظار نہیں کیا کرتیں۔

پہلے چھ ماہ میں میں نے کئی بار بھاگنے کی کوشش کی مگر ہر بار پکڑ کر لے آئی گئی اور بعد میں کئی کئی دن تک اپنے جسم پر پڑے ہوئے نیل سینکتی رہی لیکن پھر حالات تبدیل ہو گئے۔ اب وہ مجھ سے تنگ آیا ہوا تھا۔ دل سے چاہتا تھا کہ میں کسی طرح اس کا پیچھا چھوڑ جاؤں مگر اب میں ٹھہرنے پر مصر تھی کم سے کم اس وقت تک جب تک اس کی کوئی دکھتی رگ میرے قابو میں نہ آ جائے۔

گھر میں گھستے ہی اس نے ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ جب اسے پانچ بجے صبح اتنی عجلت میں کسی سے بات کرنا ہوتی تھی تو وہ عموماً اس کے اپنے وکیل سے ہوتی تھی۔ چنانچہ اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ ہال میں تھا اور میں اندر کمرے میں سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے ناخن گھس رہی تھی۔ اس لیے میں یہ نہیں دیکھ سکتی تھی کہ وہ کونسا نمبر ڈائل کر رہا ہے لیکن ڈائل کے اپنی جگہ واپس آنے کے وقفے سے میں یہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ کون سے نمبر ڈائل کیے جا رہے ہیں۔ پہلے تین مرتبہ ڈائل جلدی واپس آ گیا۔ یہ گویا ایکسچینج اور اس کے ذیلی ڈویژن کے نمبر تھے۔ اس کے بعد دو نمبر یوں لگتا تھا جیسے بالکل آخر کے ہوں۔ اس کے وکیل کا پرائیویٹ نمبر دو صفروں سے شروع ہوتا تھا۔ گویا اس کی تصدیق ہو گئی کہ وہ اپنے وکیل ہی کو فون کر رہا تھا۔

مگر پھر اچانک اس نے اپنا ارادہ تبدیل کرتے ہوئے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ گویا اس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی تک اس تذبذب میں مبتلا ہے کہ آیا وہ واقعی کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے یا نہیں۔ مگر یہ کہ اس نے کوئی نہ کوئی کام ایسا ضرور کیا تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ وہ کسی بڑی الجھن میں تبدیل نہ ہو جائے۔ ریسیور رکھ کر وہ کمرے میں آیا۔ پوری سختی سے میرا کندھا پکڑ کر اتنی زور سے اپنی طرف گھمایا کہ میں گرتے گرتے بچی۔

"سنو عذابِ جاں!" وہ بولا۔ "میں یہاں تین بجے کے بعد سے تمہارے پاس ہوں، سمجھ گئیں۔ میں کلب سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا گھر آ گیا تھا، تین بجکر کچھ منٹ پر۔ اور تب سے یہیں ہوں۔"

"تم تین بجے کے بعد سے یہاں موجود ہو۔" میں نے دہرایا۔

وہ مجھ پر جھکا ہوا تھا اور میں اس کا کالر دیکھے بغیر نہ رہ سکی۔

"وہ نشانی کی بڑی کچی معلوم ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔ "جب تم اس سے رخصت ہو رہے تھے تو سکون سے کھڑے کیوں نہیں رہے تاکہ یہ نشان تمہارے ہونٹوں پر آتا کالر پر نہیں۔"

اس نے اتنی تیزی سے کالر نوچا کہ ٹائی گلے میں ہی رہ گئی اور پھر کالر کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی جیسے اسے اطمینان ہوا ہو کہ میں نے عین وقت پر اس نشان کو دیکھ لیا پھر وہ کالر ہاتھ میں لیے باتھ روم میں چلا گیا۔ میں نے ماچس جلائے جانے کی آواز سنی اور شعلوں کی چمک دیکھنے کے ساتھ ہی میری ناک میں نیلون جلنے کی بو آئی۔ پھر بہت سا پانی بہایا گیا۔ اس نے کالر کو جلا کر راکھ پانی میں بہا دی تھی۔

اس سے مجھے کچھ اس مصیبت کا اندازہ ہوا جس میں وہ پھنس گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی لڑکی کے ساتھ "وہ جو کوئی بھی ہو" کچھ زیادتی کی تھی کیونکہ وہ محض میری وجہ سے تو کالر جلانے سے رہا۔ وہ اس طرح کے لپ اسٹک کے ٹریڈ مارک پہلے بھی اپنے ساتھ لاتا رہا تھا اور اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ میں انہیں دیکھ لیتی ہوں یا نہیں۔ وہ اس طرح کے نشانات ہوتے تھے جو دھلنے سے بھی نہیں جاتے تھے۔ غالباً وہ لڑکی واٹر پروف لپ اسٹک استعمال کرتی تھی اور اگر اس نشان نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کچھ کر کے آیا ہے اس کا ارادہ اسے کرنے کا نہیں تھا دوسرے الفاظ میں جو کچھ ہوا وہ قطعی غیر متوقع تھا۔

میرے نزدیک دو میں سے ایک بات ہونا لازمی تھی۔ یا تو اسے لڑکی کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو گئی تھی جس نے اسے غصے سے بے قابو کر دیا۔ وہ چند لمحوں کے لیے اپنی عقل کھو بیٹھا اور اپنی ٹرائیگر دبانے

والی انگلی پر کنٹرول نہیں کر سکا اور اب اس پر پچھتا رہا ہے۔ یا پھر وہ قطعی طور پر کوئی اتفاقی حادثہ تھا۔ ممکن ہے وہ کوئی بیوقوف لڑکی ہو اور ریوالور کو کھلونا سمجھ کر اس سے کھیل رہی ہو، اور کھیل ہی کھیل میں للبی دب گئی ہو۔

بہرحال بات کچھ بھی رہی ہو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے ایک مدت سے جس مبارک گھڑی کی آمد کا انتظار تھا آخر کار وہ آپہنچی تھی۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھی رہی تاکہ اس بارے میں جتنی زیادہ سے زیادہ باتیں میں معلوم کر سکوں بہتر ہے اور اپنے ٹھہرنے کا جواز پیدا کرنے کے لئے میں نے کولڈ کریم کی شیشی اٹھائی اور چہرے پر آہستہ آہستہ ملنے لگی۔ وہ باتھ روم سے باہر نکلا کا لرا ظاہر تھا کہ اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ سوچنے کے انداز میں اپنی گردن سہلا رہا تھا جس کا مطلب تھا وہ یہ غور کر رہا ہے کہ گویا اس توقع پر کہ وہ اس سے بچ نکلے گا حالات کو یونہی چھوڑ دے یا اسے درست کرنے کے لئے کوئی قدم اٹھائے۔

اس نے اپنا کوٹ اور واسکٹ اتار دی۔ ایک جیب سے اعشاریہ تین دو بور کا ریوالور نکالا۔ اس کی نال سونگھی اور دو تین مرتبہ ہاتھ پر ماری۔ جس سے ظاہر تھا کہ وہ فکرمند ہے۔ ویسے یہ اس کا ریوالور نہیں تھا کیونکہ وہ اتنے چھوٹے بور کا ریوالور رکھنے کا عادی نہیں تھا۔ یہ تو اس کے لئے دانت کریدنے کے خلال کے مترادف تھا۔ کافی دیر غور و فکر کرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر فون کرنے لگا اور اس مرتبہ کوئی ایسا نمبر ڈائل کیا جس میں کوئی صفر نہیں آتا تھا۔

"لوئی" اس نے آہستہ آواز میں کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ تم سے بہت ضروری کام ہے۔"

لوئی نے آنے میں بڑی پھرتی دکھائی مگر اس سے پھرتی ہی متوقع تھی۔ وہ بوک کا پالتو تھا۔ بوک اسے اپنے ساتھ لئے اندر آیا اس وقت میں اپنی گردن پر کریم کی مالش کر رہی تھی۔

"ہیلو مے" لوئی نے مجھے دیکھ کر کہا۔ محض اس خیال سے کہ اس سے بوک خوش ہوگا اسے ابھی پورے طور پر یقین نہیں تھا کہ اب میری اس گھر میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

"اس کی پرواہ مت کرو" بوک نے گویا اسے بتایا کہ میری کیا حیثیت ہے اور پھر باتھ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔ "چلو اندر جاؤ اور جب تک میں باہر آنے کے لئے نہ کہوں وہیں ٹھہرو دروازہ بند کر لینا۔"

اس طرح میں ہونے والی گفتگو کا کچھ حصہ سننے سے محروم ہو گئی

لیکن لوک اپنے پالتو لوگوں سے بلند آواز میں بات کرنے کا عادی تھا اس لئے اکثر باتیں میرے کانوں تک پہونچتی رہیں۔

"نہیں۔ نہ کسی نے دیکھا اور نہ کسی نے سنا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اب تک میڈس کو فون کرچکا ہوتا۔" یہ پہلی بات تھی جو میرے کان میں پڑی میڈس اس کے وکیل کا نام تھا۔ پھر ایک آدھ بات میں نہیں سن سکی۔

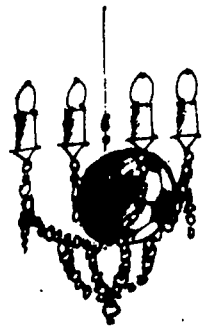

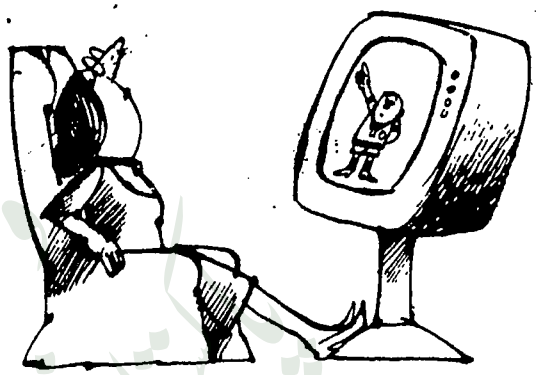

"میں نے اسے وہاں کیوں نہیں چھوڑا؟ فرض کرو یہ اس کا تھا تب۔ تمہارے خیال میں کیا وہ لوگ یہ اندازہ نہیں کرسکیں گے کہ کوئی وہاں آیا تھا۔ تم بالکل گدھے ہو۔ اس کی کلائی میری توقع سے کہیں زیادہ کمزور تھی میں اس کا ہاتھ موڑ کر لپشت کی جانب کندھے تک لے گیا۔ پھر معلوم نہیں ریوالور کسی چیز سے ٹکرایا یا کیا کہ ٹراگر دب گیا اور گولی پیٹھ کی طرف سے اس کے جسم میں پیوست ہوگئی۔"

یہاں پھر آواز ہلکی پڑ گئی اور میں کچھ نہ سن سکی مگر فوراً ہی وہ چیخا۔

"میں اس معاملے کو اس طرح طے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کے بعد بھی میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ میرا ارادہ اس کی تھوڑی سی مرمت کرنے کا تھا۔ اس کا بدلہ تو کسی اور ہی کو چکانا تھا۔ کوئی شخص قیمت ادا کئے بغیر مجھ سے کوئی چیز نہیں چھین سکتا۔"

مجھے گفتگو کے انداز سے احساس ہوگیا کہ اب وہ کسی نہ کسی کا نام لینے والا ہے اور میں نے اپنا کان قفل کے سوراخ سے لگا دیا۔ یہاں آوازیں نسبتاً واضح آرہی تھیں۔

"اس کے بوائے فرینڈ کا نام فرینک راجرس ہے۔" لوک کہہ رہا تھا۔ "اس واقعہ سے پہلے میں اتنی بات اس سے معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ یہاں اس لئے آیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ واپس اس کے والدین کے پاس لے جائے کیونکہ اس کے والدین کو پتہ چلا تھا کہ یہاں اس کی سوسائٹی اچھی نہیں ہے۔ فرینک ہیلٹن ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ تمہیں پتہ ہی ہے کہ ایسے سلسلے میں کیا کرنا ہوتا ہے۔ ہاتھوں میں دستانے پہن لینا اور ریوالور پر تھوڑی سی وزیلین لگا دینا۔ پھر اس کے کمرے کے باہر راہداری میں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنا۔ جیسے ہی وہ آتا نظر آئے تم کسی بہانے سے ریوالور اس طرح گرانا کہ وہ تمہارے پیر پر گرے۔ تم اس طرح پیر پکڑ لینا جیسے ریوالور تمہارے کسی گٹے پر لگا ہے اور تمہیں بہت تکلیف محسوس ہو رہی ہے اس طرح گویا تمہیں یہ بہانہ حاصل رہے گا کہ تم پیر پکڑے ہونے کی وجہ سے ریوالور خود نہیں اٹھا سکتے۔ فطری طور پر فرینک کچھ غور کئے بغیر ریوالور اٹھا کر تمہیں دیدے گا۔ اس طرح اس کی انگلیوں کے نشانات اس پر آجائیں گے۔ تم ریوالور اس سے لے کر حفاظت کے ساتھ رکھ لینا۔"

اس کا جواب لوئی نے آہستہ سے کچھ دیا جو میں نہیں سن سکی اس کے بعد پھر لوک کی آواز بلند ہوئی۔

"آخر تم کس بات سے ڈر رہے ہو۔ اس کی لاش تمہیں کھا تو نہیں جائے گی۔ یا پھر چلو تم فلیٹ کے اندر مت جانا۔ ریوالور عمارت کے اندر ایسی جگہ پھینک دینا جہاں سے پولیس کو بہ آسانی دستیاب ہوجائے اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اس نے گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے ریوالور عمارت میں پھینک دیا۔ لاش دریافت ہونے کی امید بظاہر دس بجے سے پہلے نہیں ہے کیونکہ اس کی ملازمہ اسی وقت آتی ہے۔ اب جلدی کرو۔ فرینک آج جلدی سو کر اٹھے گا۔ اس کا خیال ہوگا کہ وہ چھ بجے والی بس سے اسے ساتھ لے کر واپس چلا جائے۔ اور تمہیں اس کے جانے سے پہلے ہاں پہونچنا ہے۔ اس لئے جلدی کرو۔"

میں نے باہر کا دروازہ بند ہونے آواز سنی۔ دس تک گنتی گنی اور باتھ روم سے باہر آگئی۔ لوک نے غراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں باہر مت آنا۔"

اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا جوتا اتار کر میری طرف پھینکا۔ میں جلدی سے نیچے بیٹھ گئی اور جوتا میرے سر سے گذرتا ہوا سنگھار میز کے آئینے سے ٹکرایا آئینہ چور چور ہوگیا۔ مگر اس کے فریم میں کچھ ٹکڑے رہ گئے تھے میں دوبارہ اس کے سامنے جا بیٹھی۔ اس طرح میں تھوڑا وقت اور گذارنا چاہتی تھی تاکہ اس کے سونے کے بعد بھی کچھ دیر جاگتی رہوں۔ اس نے لباس تبدیل

کیا۔ پاجامہ اور قمیص پہن کر بستر پر لیٹ گیا۔ آخری بات جو اس نے کی وہ یہ تھی۔

"تم بھی اب یہاں سے رفع ہو جاؤ تو بہتر ہے۔ اندھیرا ہو یا اُجالا تمہیں یہاں ٹھہرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

چند لمحوں کے بعد وہ بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے مزید انتظار کیا۔ میں یقین کر لینا چاہتی تھی کہ وہ واقعی سو رہا ہے۔ میرا ذہن برابر سوچنے میں مصروف تھا۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ لڑکی کون ہے۔ میرا مطلب ہے کون تھی۔ میں چھ ماہ سے ایسے ہی کسی موقع کے انتظار میں تھی۔ اب میں اسے اچھی طرح سبق سکھا سکتی ہوں۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کون جانے کبھی کوئی ایسا موقع ہاتھ آئے یا نہیں۔ بوک بہت ہوشیار ہے۔ مجھے اس آدمی کا تو نام معلوم ہو گیا ہے جسے وہ اپنی جگہ قانون کے شکنجے میں دینا چاہتا ہے لیکن اب مجھے اس لڑکی کا نام بھی معلوم کرنا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ کونسی جگہ ہے جہاں اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ مجھے ایک آسان ترکیب سوجھ گئی۔ میں خواہ مخواہ اپنا ذہن تھکا رہی ہوں۔ یہ فرینک راجرس بھی تو مجھے بتا سکتا ہے کہ وہ لڑکی کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔

مجھے عجلت میں مگر انتہائی احتیاط سے کام کرنا تھا ایک قدم بھی غلط اٹھا اور مجھے معلوم تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ اس مرتبہ صرف ماریپٹ پر بات ختم نہیں ہوگی۔ بوک یا اس کا کوئی گرگا مجھے ختم کر دے گا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ میں پولیس کو گمنام رہتے ہوئے کوئی کال بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جس سے میرا براہِ راست یا بالواسطہ کسی طرح کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔ مجھے کوئی ایسی چال چلنی تھی کہ پولیس اپنے طور پر اس جرم کا سراغ لگاتے ہوئے بوک تک پہنچ جائے تاکہ میں بالکل الگ رہوں ورنہ بوک کے مرنے کے بعد بھی اگر یہ ظاہر ہو گیا کہ اس معاملے میں میرا کوئی ہاتھ تھا تب بھی میری زندگی خطرے سے باہر نہیں ہو سکتی۔

میرے پاس زیادہ وقت بھی نہیں تھا۔ لوئی اب تک فرینک راجرس کے ہوٹل پہونچ گیا ہوگا۔ میں نے ایک لمحہ اور سوچا اور پھر پنجوں کے بل چلتی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔ نمبر ڈائل کرنے لگی تو اس کا شور اتنا زیادہ محسوس ہوا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں بوک نہ جاگ جائے۔ پہلے میں نے ڈائل کو اپنے سینے سے لگا کر اس کی آواز دبانے کی کوشش کی مگر اس طرح وہ رک جاتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی واپسی میں اپنی انگلی نمبروں کے سوراخوں میں ہی رہنے دی۔ اس طرح آواز کافی حد تک کم ہو گئی۔ مگر اس کے باوجود مجھے ہر لمحے اپنی پشت میں ریوالور کی گولی پیوست ہونے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

"میں مسٹر فرینک راجرس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" رابطہ قائم ہونے پر میں نے ہوٹل کلرک سے کہا۔ "اور ذرا جلدی۔"

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ آخر دوسری طرف سے ایک نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ یہ ایک اور خراب بات تھی۔ اگر وہ نیند کے خمار میں میری بات نہیں سمجھ سکا تو کیا ہوگا۔ مگر بہرحال میں بات کرنے پر مجبور تھی۔

"میں جو کچھ کہنے والی ہوں اسے دہرانے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔" میں نے ریسیور میں کہا۔ "اس لئے پہلی مرتبہ ہی میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرے پاس تمہاری گرل فرینڈ کی جانب سے تمہارے لئے ایک پیغام ہے۔"

"ایلما کی جانب سے؟" اس نے کچھ حیرت سے کہا۔

یہ معلومات اس کی ایک تہائی بھی نہیں تھیں جو مجھے مطلوب تھیں۔

"یہ یقین کرنے کے لئے کہ میں صحیح آدمی سے مخاطب ہوں مجھے اس کا پورا نام اور پتہ بتاؤ۔" میں نے کہا۔ "تم فرینک راجرس ہو لیکن کیا معلوم میرے پاس جو پیغام ہے وہ کسی اور فرینک راجرس کے لئے ہو۔"

"ایلما کلرے نمبر ۸۳۲ ایسٹ سیونٹی سیکنڈ۔" فرینک نے جلدی سے کہا۔ "پیغام کیا ہے؟"

"اپنا لباس تبدیل کرو اور جلد سے جلد یہ قصبہ چھوڑ دو۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ اس کی وجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگی۔ جب تم گھر پہونچ جاؤ گے۔ گھر پہونچ کر ایک اخبار خریدنا اور کسی کو اس فون کال کے بارے میں مت بتانا۔"

میں اسے یہ ہدایت بھی کرنے والی تھی کہ وہ کوئی چیز نہ چھوڑے خاص طور سے کسی اجنبی کا گرا ہوا ریوالور اٹھا کر اسے نہ دے لیکن مجھے اس سے پہلے ہی ریسیور رکھنا پڑا۔ بوک نے سوتے میں کروٹ لی اور ایک دم آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔

"تم وہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"صبح کا اخبار لینے جا رہی ہوں ڈیئر۔" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اخبار ابھی نہیں آیا تھا۔ لیکن میں دروازہ بند کر کے پلٹی تو بوک دوبارہ گہری نیند سو چکا تھا۔

میں نے الماری کھولی اور جو کپڑے بھی ہاتھ آئے نکال کر دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ ہر کپڑا پہنتے ہوئے میں بار بار بوک کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ اطمینان سے سو رہا تھا۔ میں نے اپنا چیک ڈیزائن والا کوٹ پہنا۔ اس کا رنگ سفید و سیاہ تھا۔ نیم تاریکی میں بھی اسے دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ موقع کے لحاظ سے یہ لباس غلط تھا مگر چونکہ سب سے آگے ہینگر پر یہی تھا۔ اس لئے میں نے اسے ہی پہن لیا۔ جو آخری چیز میں نے لی

وہ لوک کا ایک صاف ستھرا کالر تھا۔ میں نے اسے ایک رول کی شکل میں لپیٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ پھر میں نے لوک کی واسکٹ کی جیب سے اسکی چابیاں نکالیں۔ بے شمار چابیاں تھیں مگر ان میں صرف تین ایل چابیاں تھیں۔ میں نے مکان کے بیرونی دروازے کے قفل میں لگا کر دیکھیں، ایک چابی لگ گئی۔ یہ گویا ہمارے گھر کی تھی۔ باقی رہ گئیں دو۔ ان میں سے ایک غالباً لوک کے کلب والے آفس کی تھی اور دوسری اس لڑکی کے فلیٹ کی۔ میں نے وہ دونوں چابیاں نکال لیں اور اپنے ساتھ لے گئی۔

آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر نکلی۔ سڑک پر آئی۔ ایک ٹیکسی روکی۔ ڈرائیور کو ایلما کے فلیٹ کا پتہ بتا دیا۔ لیکن اس کے فلیٹ کے سامنے اترنے کے بجائے کچھ پہلے ہی اتر گئی۔ کوئی ایسی بڑی عمارت نہیں تھی اور نہ بڑی عمارتوں جیسا اہتمام تھا۔ کوئی چوکیدار تک نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ایلما کے لئے یہ فلیٹ لوک نے نہیں لیا ہوگا۔ اس کے باوجود اس کی چابی اس کے پاس تھی۔ غالباً ایلما ڈر کے مارے اسے چابی دینے سے انکار نہیں کر سکی ہوگی۔ شاید اس کی وہی کیفیت تھی جیسی میری گارڈن کے ایکسیڈنٹ سے پہلے تھی۔

فلیٹ کے دروازے کی چابی سے عمارت کا بیرونی دروازہ بھی کھل گیا۔ اندر جو لیٹر بکس لگے ہوئے تھے انہیں دیکھنے سے پتہ چلا کہ ایلما کے فلیٹ کا نمبر ۸۔3 ہے۔ میں زینہ طے کر کے دوسری منزل پر پہنچی۔ فلیٹ نمبر ۸۔3 بائیں جانب واقع تھا۔ میں نے دستک نہیں دی کیونکہ میں جانتی تھی کہ اندر کوئی جواب دینے والا نہیں ہے۔ دو میں سے ایک چابی نے کسی دشواری کے بغیر فلیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ میں ایک کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اور پھر اسے بند کر دیا۔ اندر بجلی جلتی چھوڑ دی گئی تھی۔

ایلما کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زندگی میں کافی حسین ہی ہوگی۔ مگر اب مرنے کے بعد اس کا خون آلود چہرہ کوئی خوشگوار منظر پیش نہیں کر رہا تھا۔

"خوش ہو جاؤ ایلما" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہارا قاتل سزا پائے بغیر نہیں رہے گا"۔

میں اس کی ڈریسنگ ٹیبل پر گئی۔ اس کی لپ اسٹک نکال کر دیکھی۔ وہ واٹر پروف تھی۔ میں لپ اسٹک ہاتھ میں لئے لاش کے پاس آئی گھٹنوں کے بل جھکی۔ اس کا چہرہ اٹھایا۔ ہونٹوں پر خوب گہری لپ اسٹک لگائی۔ پھر میں نے اس کا سیدھا ہاتھ اٹھا کر لپ اسٹک اس کے ہاتھ میں پکڑا دی۔

"یہ اس لئے ایلما کہ پولیس کے جاسوس سمجھ جائیں کہ تم انہیں کیا بتانے کی کوشش کر رہی تھیں" میں بڑبڑائی "اگر انہوں نے اس بات پر ذرا سا بھی غور کیا کہ گولی کھانے کے بعد ایک مرتی ہوئی لڑکی کس لئے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگانے کی کوشش کر رہی تھی تو ممکن ہے کہ وہ اصل مجرم تک پہونچ جائیں۔ اب ذرا اپنے یہ گلابی ہونٹ اس چیز پر لگا دو"۔

میں نے اپنا ہینڈ بیگ کھول کر لوک کا لپٹا ہوا صاف ستھرا کالر نکالا اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ایلما کے ہونٹوں کے ساتھ لگا کر دبا دیا۔ کالر پر بہت صاف اور واضح ہونٹوں کا نشان آ گیا۔ بالکل کیوپڈ کی جھکی ہوئی کمان کی طرح۔ "وہ لپ اسٹک چیک کریں گے۔ پھر تمہارے ہونٹوں کی شکل چیک کریں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا" میں نے نرم لہجے میں ایلما سے وعدہ کیا۔ پھر ایک باریک کاغذ کالر کے اوپر رکھتے ہوئے تاکہ سرخی کا نشان کہیں اور نہ لگ جائے میں نے کالر کو دوبارہ لپیٹا، اور اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

"اور اب اس لئے کہ پولیس کے جاسوس یہ سمجھ سکیں کہ انہیں کیا چیز تلاش کرنا ہے" میں نے کہا۔

میں میز کی طرف گئی۔ وہاں ایک بڑا سا رسالہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اٹھایا۔ اسے کھول کر اشتہارات دیکھنے لگی۔ یہاں تک کہ مجھے ایک پورے صفحے کا ایسا اشتہار مل گیا جس میں کسی کمپنی نے اپنے بنائے ہوئے مردانہ کالروں کی پبلسٹی کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت کالر کی تصویر بھی دی ہوئی تھی میں نے یہ فوٹو والا کالر ایلما کے ہونٹوں سے لگا دیا اور اس پر تقریباً اسی جگہ جہاں لوک کے کالر پر نشان لئے تھے اس کے ہونٹوں کا دوسرا پرنٹ بھی لے لیا پھر میں نے رسالہ کو لاش کے پاس فرش پر ڈال دیا۔ اس طرح کہ کالر کے اشتہار والا صفحہ بالکل سامنے ہی کھلا ہوا تھا۔

"اب اگر پولیس کے جاسوس ذرا بھی سمجھدار ہوئے تو یہ چیز انہیں جلد یا بدیر اس مکان تک لے آئے گی جہاں میں رہتی ہوں اور اس میں میرے لئے کوئی خطرہ بھی نہیں ہوگا"۔

میں نے دروازے کے پاس جا کر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"امید ہے تم نے اس حادثہ سے کافی سبق لیا ہوگا" میں نے کہا "اور اگر۔ جیسا کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ تمہیں کوئی نیا جنم لے کر دنیا میں آنے کا موقع ملے گا تو لوک جیسے ڈائنامیٹ سے کھیلنے کے بجائے اپنے کسی فرینک راجرس کے ساتھ شادی کرنے کو ترجیح دو گی"۔

میں دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے باہر نکلنے ہی والی تھی کہ میں نے راہداری میں کسی کی آہٹ سنی، کوئی پنجوں کے بل چلتا ہوا آ رہا تھا میں سمجھ گئی کہ وہ لوئی ہوگا اور ریوالور پر راجرس کی انگلیوں کے نشانات لے کر اب ریوالور کو عمارت میں کہیں رکھنے آیا ہوگا۔ لوئی یقیناً تہہ خانے کے ذریعہ عمارت میں داخل ہوگا کیونکہ لوک کی چابی جس سے بیرونی دروازہ کھل سکتا تھا، میرے پاس تھی۔ میں ایکدم بےحد خوفزدہ ہو گئی اور اس خوف کے عالم میں مجھے یہ بھی خیال نہیں آیا کہ میں کس طرح بال بال بچی تھی۔ اگر میں

ایک منٹ پہلے باہر آگئی ہوتی یا لوئی ایک منٹ بعد آیا ہوتا تو اس سے سینے پر ٹکراؤ ہونا یقینی تھا۔ ویسے وہ لاش سے اتنا خوفزدہ تھا کہ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ فلیٹ کے اندر آنے کی کوشش کرے گا۔ یوں وہ کوشش کرتا بھی تو کچھ نہ ہوتا، کیونکہ فلیٹ کی چابی میرے پاس تھی۔

اس کے قدموں کی آواز راہداری کے پچھلے حصے کی طرف چلی گئی وہاں کوڑے کے ڈرم کا ڈھکن اٹھانے اور پھر رکھنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد لوئی اسی طرح دبے پاؤں واپس آیا اور فلیٹ کے سامنے سے گذرتے ہوئے زینے کی طرف چلا گیا۔ میں اپنی سانس روکے کھڑی رہی یہاں تک کہ زینے کی سیڑھیوں پر لوئی کے قدموں کی آواز آہستہ ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوگئی۔ میں نے اسے عمارت سے نکلنے کے لئے کافی وقت دیا۔ پھر خود باہر آئی۔ دروازہ مقفل کیا اور راہداری کے پچھلے حصے کی جانب گئی۔ کوڑے کے ڈرم کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا۔ ریوالور اوپر ہی رکھا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور پھر اپنے بیگ سے ایک رومال نکال کر ریوالور کو اچھی طرح رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا۔ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ ریوالور بالکل صاف ہوگیا ہوگا اور خود میری انگلیوں کے نشانات بھی اس پر نہیں آسکے ہوں گے، میں نے اسے واپس ڈرم میں رکھ دیا۔ جانے سے پہلے میں نے دروازے کا ہینڈل بھی رگڑ کر صاف کر دیا۔

پورے کام میں چھ سات منٹ سے زیادہ نہیں لگے ہوں گے اس کے بعد میں زینے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی اور باہر سڑک پر نکل آئی۔ اور یہ اتمقانہ حرکت کی کہ تھوڑی دیر کے لئے وہیں رک کر دو چار گہری گہری سانسیں لیں بالکل اس طرح جیسے کوئی ایک کام اطمینان بخش طریقے پر ختم کر کے چند لمحوں کے لئے اپنے آپ کو تازہ دم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی آپ کی طرف گھور کر دیکھتا ہے، خواہ کچھ فاصلے سے ہی کیوں نہ ہو تو ایک عجیب سی بے چینی و گھبراہٹ کا احساس ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح کا احساس مجھے اس وقت ہوا اور میں بے اختیار مخالف سمت میں گھوم کر دیکھنے لگی۔ اور میں نے وہاں ایک آدمی کو ہلکے گرے رنگ کا سوٹ پہنے کھڑے دیکھا۔ وہ سڑک کے دوسری جانب کھڑا ہوا بڑے غور سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ لوئی تھا۔ میں نے اس کے سوٹ سے اسے پہچان لیا۔ وہ اسی وقت ایک سگار اسٹور سے باہر نکل کر آیا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ سگار خریدنے وہاں گیا تھا یا پھر بک کو فون کرنے گیا تھا کہ اس نے ہدایت کے مطابق ریوالور عمارت کے اندر ڈال دیا۔

میرا پہلا ردِعمل یہ تھا کہ وہ اتنے فاصلے سے مجھے نہیں پہچان سکتا اس لئے مجھے گھبرانا نہیں چاہیئے لیکن اسی وقت میں نے اپنے آپ پر نگاہ ڈالی اور اپنا سفید و سیاہ چیک کوٹ دیکھ کر چونک پڑی۔ اوہ خدا۔ میں نے گھبرا کر کہا اور جلدی سے دوسری طرف گھوم کر تیز تیز قدموں سے چلنے لگی۔ لوئی جس مستقل انداز سے مجھے گھور رہا تھا اس سے مجھے ڈر تھا کہ اسے پہلے ہی شبہ ہو چکا ہے کہ میں کون ہوں، اور میں جانتی تھی کہ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ وہ جلد از جلد بک کو فون کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ آیا میں وہاں ہوں یا نہیں۔

جو پہلی ٹیکسی نظر آئی میں اچھل کر اس میں بیٹھ گئی اسے پتہ بتایا، اور تیز سے تیز تر چلنے کی ہدایت کی۔ اتنا ہی نہیں۔ میں نے راستے بھر "اور تیز چلاؤ۔ اور تیز چلاؤ" مجھے ایک فون کال سے پہلے اپنے گھر پہونچنا ہے" کی رٹ لگائے رکھی۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ ممکن ہو سکے گا" ڈرائیور نے جھلا کر کہا۔

مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا لیکن میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ ایسا ہی ہو۔ کاش لوئی نے میرے پیچھے آنے کی کوشش کی ہو۔ کاش اس کے پاس فون کرنے کے لئے مطلوبہ سکے نہ ہوں۔ لیکن اگر اس نے پہلی ہی مرتبہ بک کو فون کر کے اپنی کامیابی کی اطلاع دیدی ہے تو بک جاگ گیا ہوگا۔ پھر اس بھاگ دوڑ سے بھی کیا فائدہ۔ میں تو پہلے ہی ختم ہو چکی ہوں۔ ٹیکسی رکی تو میں نے بیگ سے دیکھے بغیر ایک نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف پھینکا اور اتنی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی تیسری منزل پر پہونچی کہ اس سے پہلے شاید ہی کبھی اتنی تیزی اور پھرتی سے کام لیا ہو۔ میں راہداری میں ہی پہونچی تھی کہ مجھے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے جلدی سے چابی نکالی اور قفل میں داخل کرنا چاہی لیکن میرے ہاتھ اتنے بے قابو تھے کہ چابی نیچے گر پڑی۔ ادھر گھنٹی تھی کہ برابر بجے جا رہی تھی میرے اعصاب پر لرزہ طاری تھا۔ چابی کسی طرح قفل کے سوراخ میں جانے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے قفل کھول کر میں اندر گئی اور جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ٹھیک اسی وقت دوسرے کمرے سے بوک نے آواز لگائی۔

"اب تم اٹھ کر اس لعنتی چیز کا شور بند کر رہی ہو یا پھر میں آکر تمہارے ایک دو ہاتھ جھاڑ دوں"۔

وہ بلاشبہ لوئی تھا۔

"کون بول رہا ہے۔۔۔؟" اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے فلیٹ میں پاکر بیحد حیرت زدہ ہے۔ ویسے خود مجھے بھی اپنی موجودگی پر کم حیرت نہیں تھی۔

"اور کون ہو سکتا ہے" میں نے جواب دیا۔ سانس پھولی ہونے کی وجہ سے میں زیادہ بول بھی نہیں سکتی تھی۔

"کیا تم سوچ سکتی ہو کہ میں نے تین مرتبہ نمبر ملایا اور تینوں مرتبہ رانگ نمبر مل گیا" لوئی نے بتایا۔

میں نے دل ہی دل میں پہلے خدا کا اور پھر ٹیلیفون کمپنی کا شکریہ ادا کیا۔

"میں قسم کھا سکتا تھا کہ میں نے تمہیں ابھی سینوٹی سیکنڈ اسٹریٹ پر دیکھا تھا" وہ بولا۔

"تمہارا خیال ہے کہ میں سوتے میں چلنے کی عادی ہوں"۔

"بہرحال وہ لڑکی بڑی تیزی سے بھاگ کر نظروں سے غائب ہوگئی"۔

"اس نے شاید تمہارا حسین چہرہ دیکھ لیا ہوگا" میں نے جواب دیا اور کچھ غصے سے بولی "جو کچھ تمہیں بکنا ہے بکو اور مجھے آرام کرنے دو"۔

"بس لوک کو اتنا بتا دینا کہ سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے"۔ لوئی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

میں جہاں کھڑی ہوئی تھی وہیں میں نے کپڑے اتارنا شروع کر دیئے تھے لیکن لوک ایک آواز نکال کر دوبارہ سو گیا تھا۔ اس نے یہ تک نہیں پوچھا کہ فون کس کا تھا۔ میں نے لباس تبدیل کر کے دونوں چابیاں واپس لوک کے گچھے میں ڈال دیں۔ پھر وہ سفید اور کالے رنگ کا چیک کوٹ الماری میں سب سے پیچھے لٹکا دیا اور دل ہی دل میں ارادہ کر لیا کہ پہلی فرصت میں اسے پرانے کپڑے خریدنے والے کو دیدوں گی۔ وہ کالر جس پر ایلما کے سُرخ ہونٹوں کا نشان بنا ہوا تھا میں نے احتیاط سے کھولا اور میلے کپڑوں کے بیگ کی تہہ میں رکھ دیا۔ میں اپنا کام ختم کر چکی تھی اب جو کچھ کرنا تھا وہ پولیس کے جاسوسوں کو انجام دینا تھا۔

لیکن پولیس کے جاسوس تین دن تک غائب رہے۔ تین دن جو میرے لئے تین سالوں کے برابر تھے۔ خبر تو دوسرے دن ہی اخبار میں آگئی تھی۔ مگر بہت مختصر سی۔ جس میں ایلما کے ہاتھ میں لپ اسٹک کے موجود ہونے اور اس کے قریب اس رسالے کے پڑے ہونے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس سے مجھے بے حد مایوسی ہوئی۔ کیا پولیس نے ان دو اہم باتوں کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔ ویسے یہ امکان بھی تھا کہ اپنے خیال میں مجھے وہاں دیکھنے کے بعد لوئی فلیٹ کے اندر گیا ہو۔ اور ایلما کے ہاتھ سے لپ اسٹک نکال کر اور رسالہ فرش سے اٹھا کر میرے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو میں دو دن پہلے ہی آنجہانی ہو چکی ہوتی۔

البتہ ایک اچھی بات یہ تھی کہ اگرچہ اخبار میں یہ تو دیا ہوا تھا کہ پولیس نے فرینک اجرس نامی ایک شخص کو معلومات حاصل کرنے کے لئے حراست میں لے لیا ہے۔ لیکن اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں تھی۔ دوسرے دن بھی اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی کہ آیا پولیس اسے گرفتار کر کے یہاں واپس لے آئی ہے یا اسے رہا کر دیا گیا ہے۔ لیکن میرا اندازہ یہ ہی تھا کہ اگر وہ پولیس کی حراست میں ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی خبر آتی۔ خبر نہ آنے کا مطلب تھا کہ فرینک نے موقع واردات سے اپنی عدم موجودگی کا جو عذر پیش کیا تھا وہ اتنا مضبوط تھا کہ پولیس کو اسے آزاد کرنا پڑ گیا تھا۔

جمعرات کی رات کو تقریباً آٹھ بجے میں ان ہی خیالات میں گم تھی کہ میں نے کپڑوں کی الماری کی دراز کو اتنی زور سے بند ہوتے سُنا کہ مجھے شبہ ہوا وہ ضرور ٹوٹ گئی ہوگی۔ یہ وقت لوک کے کلب جانے کا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ کمرے کے درمیان میں بالکل تیار کھڑا تھا مگر اس کی گردن میں کوئی کالر نظر نہیں آرہا تھا۔

"تمام کالر ختم ہو چکے ہیں۔ اب بتاؤ میں کیا پہنوں"۔ اس نے غرا کر کہا۔

میرے دل کی دھڑکن یکبارگی تیز ہوگئی اور جواب میں میں بڑبڑا کر رہ گئی۔ کوئی جواب کے بجائے بڑبڑاہٹ سن کر اس کا پارہ اور چڑھ گیا اور اس نے پہلے جوتا صاف کرنے کا برش اٹھا کر مجھے نشانہ بنایا جو میرے بائیں جانب سے نکل گیا اور پھر جلتا ہوا سگار کھینچ مارا۔ جو میرے دائیں کان کے قریب سے گذرتے ہوئے فرش پر گر پڑا۔ مگر وہ یہ دیکھنے کے لئے نہیں رکا کہ اس کے نشانے ہدف پر لگے یا خطا گئے اور سیدھا میلے کپڑوں کے تھیلے کی جانب بڑھ گیا۔

"اب مجھے کوئی میلا کالر استعمال کرنا پڑے گا"۔ وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میں بڑی مشکل سے خود کو سنبھالے کھڑی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ اس کا ہاتھ تھیلے میں گھس کر کالر تلاش کر رہا ہے۔ "ذرا ٹھہرو ڈارلنگ"۔ آخر میں نے کہا۔ "میں ابھی تمہیں نیچے گلی کے اسٹور سے نیا کالر لائے دیتی ہوں۔ بس ایک منٹ لگے گا"۔

یہ الفاظ کام کر گئے۔ اس نے تھیلے سے ہاتھ باہر نکال لیا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت اس کا ہاتھ اس کالر سے کتنی دور رہ گیا تھا، جو میں نے کپڑوں میں رکھا تھا۔

"تو اب کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو جاتی کیوں نہیں"۔

میں بھاگی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ جنرل اسٹور ہماری ہی بلڈنگ میں تھا۔ مگر میں اس وقت اتنی خوفزدہ تھی کہ مجھے اس کے کالر کا صحیح سائز بھی یاد نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے دکان میں بڑے مردانہ کالروں میں جتنے سائز تھے سب کا ایک ایک کالر خرید لیا۔ دکان سے حساب چلتا تھا اس لئے مجھے رقم کی ادائیگی کی فکر نہیں تھی۔ میں واپس آئی تو لوک نے کوئی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیا۔ بس مجھے ایک کرسی پر دھکا دیکر گراتے ہوئے کالر میرے ہاتھ سے لے لئے۔

یہ جمعرات کی بات تھی۔ جمعہ کا دن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے چوبیس گھنٹوں کے بجائے چھیانوے گھنٹوں کا ہو گیا ہو۔ بہرحال دن کسی نہ کسی طرح ختم ہوا۔ میں برابر اس فکر میں گھلی جا رہی تھی۔ کہ اگر راجرس نے پولیس کو یہ بیان دیدیا کہ اسے ایک گمنام عورت نے فون کر کے شہر سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا تھا اور یہ بات اگر عیاں ہوگئی اور لوک کو معلوم ہوگئی تو میرا کیا حشر ہوگا۔

جمعہ کی رات کو مجھے اچانک لوک کا فون ملا جو اس نے کلب سے

کیا تھا۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے۔ یہ وہ عادت تھی جسے اس نے ایک مدت سے ترک کر رکھا تھا۔ تقریباً اسی وقت سے جب سے میں گذشتہ سال کا ماڈل بن گئی تھی۔ مجھے تھوڑا سا بہت اندازہ تھا کہ اس نے اس وقت فون کیوں کیا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں آخر کار پولیس کے جاسوس سونگھتے سونگھتے اس کے قریب پہونچ گئے تھے۔ یا پہونچنے والے تھے۔ اور وہ اس خیال سے مجھے پیشگی طور پر خبردار کرنا چاہتا تھا کہ مبادا بے خبری میں پولیس گھر تک پہونچ جائے اور میں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکال بیٹھوں۔ اس نے جو پہلی بات کی اسی سے میرے اندازوں کی تصدیق ہوگئی۔

"کوئی آیا تو نہیں تھا؟"

"نہیں۔"

"اگر کوئی آئے تو منگل کی رات کو میں نے تمہیں جو کچھ بتایا تھا اسے یاد رکھنا۔"

"یہ اسی رات کا ذکر ہے نا جب تم کلب سے جلد ہی گھر واپس آگئے تھے۔ کوئی تین بجے کے قریب۔" میں نے جواب دیا۔ مگر مجھے اس ہوشیاری پر کوئی داد نہیں ملی۔

"میری بات غور سے سنو سال رفتہ کی محبوبہ۔ اگر کوئی بھی غلطی ہوئی۔ ذرا سی زبان بہکی تو مجھ سے یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔ اور اس کے بعد تم یہ ہی خواہش کرو گی کہ کاش تم پیدا نہ ہوئی ہوتیں۔"

ایک حد تک وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں موقع واردات سے اس کی عدم موجودگی کا واحد عذر تھی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صورتحال اس کے لئے خراب ہے لیکن حقیقت میں یہ میرے لئے خطرناک تھی۔ وہ آخر میں کسی نہ کسی طرح بچ ہی نکلے گا کیونکہ وہ اس سے پہلے ان سے کہیں زیادہ خراب حالات سے بھی صحیح سلامت گذر چکا تھا۔ اور اس کیس میں تو راجرس کی انگلیوں کے نشانات والا ریوالور بھی اس کی مدد کے لئے موجود تھا۔ (کم سے کم اس کے خیال میں)، اور جرم کا کوئی گواہ بھی نہیں تھا۔ لیکن اگر پولیس نے اس سے ضرورت سے زیادہ سوالات کئے تو وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ میرے لئے ڈراپ سین تھا کیونکہ میرے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں تھا جس پر شبہ کیا جا سکتا۔

ابھی اس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی میں سمجھ گئی کہ یہ کون ہو سکتا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ مجھے پولیس کے سوالات کا جواب اس طرح دینا ہے جیسے لوک خود یہاں موجود ہے اور میرے جوابات سن رہا ہے۔ لیکن پولیس والے اگر ہوشیار ہوتے تو بجائے اس کے کہ میں جو کچھ کہوں اس سے حقیقت کا اندازہ لگائیں ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرینگے جو میں نہیں کہہ سکوں گی۔

مگر جب میں نے دروازہ کھولا تو وہاں صرف ایک آدمی تھا۔

"میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے آیا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنا شناختی نشان دکھایا۔ "کیا تم لوک کولبی کی بیوی ہو؟"

"ہاں بیوی ہی سمجھو۔"

"کیا میں اندر آ کر تم سے کچھ گفتگو کر سکتا ہوں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" میں نے کہا اور دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گئی۔

وہ اندر آ گیا۔ ایک سرسری نظر سے چاروں طرف دیکھا اور فوراً ہی سوال کر دیا۔

"عام طور پر لوک راتوں کو کس وقت گھر آیا کرتا ہے؟" سوال کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ لوک سے ملنے آیا ہے اور چونکہ وہ گھر پر نہیں ہے اس لئے جاننا چاہتا ہے کہ اسے کتنی دیر تک انتظار کرنا پڑے گا۔

"عام طور پر تین بجے سے پہلے نہیں آتا۔ دراصل وہ اس وقت تک کلب میں ...."

"تین سے کتنا بعد"۔ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"بہت زیادہ بعد میں تو شاید ہی کبھی آتا ہو"۔

"مثال کے طور پر منگل کی رات کو وہ کب آیا ہے"۔

"منگل کی رات ان راتوں میں شامل تھی جب وہ جلد ہی آجاتا ہے" میں نے جواب دیا۔ "وہ ٹھیک تین بجے واپس آگیا تھا۔"

"یہ کیسے اندازہ لگایا کہ اس وقت تین بجے تھے"۔

"یہ بات تو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" میں نے سنگھار میز کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اس وقت سنگھار میز کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اگر تین سے زیادہ کا وقت ہوتا تو میں کبھی کی بستر پر جا چکی ہوتی بلکہ میں نے تو اس سے پوچھا بھی تھا کہ آج جلدی کیسے آگئے۔ اس پر اس نے کہا کہ کلب میں کوئی خاص رش نہیں تھا اس لئے میں جلدی آگیا۔"

"یہ شیشہ کیسے ٹوٹا؟"

"وہ اپنا جوتا اتار رہا تھا مگر وہ پیر میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ زور لگایا تو جوتا تو نکل آیا مگر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آئینے سے ٹکرا گیا"۔ میں خواہ مخواہ کھانسنے لگی۔

وہ اچانک ایک دم خاموش ہو گیا اور اس طرح میری طرف دیکھنے لگا جیسے اسے دفعتاً میرے اندر کوئی بہت دلچسپ بات نظر آگئی ہو، اور پھر جو اس نے سوال کیا اس کا تعلق تحقیقات سے اتنا نہیں جتنا میری ذات سے تھا۔

"کیا تمہاری شادی کو زیادہ مدت گذر چکی ہے"۔

"میں تقریباً دو سال سے لوک کولبی کے ساتھ رہ رہی ہوں" میں نے منہ ٹیڑھا کر کے جواب دیا۔

وہ اب میری ذات میں کچھ اور دلچسپی لینے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہ بات بالکل بھول چکا ہے کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے تم بوک کے کسی کلب میں کام کرتی ہوگی۔"

"نہیں۔ حالانکہ جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو بوک نے بہت کوشش کی کہ میں کلب میں کام کرنے لگوں۔ لیکن اس وقت میرا ارادہ شادی کرنے کا تھا اس لئے میں نے منظور نہیں کیا۔ لیکن میں جس شخص سے شادی کرنے والی تھی اسے ایک حادثہ پیش آگیا جس کے بعد میں اس کی پیش کش قبول کرنے کے لئے آزاد ہوگئی اس لئے میں نے یہ ہی کیا۔"

"اسے کوئی حادثہ پیش آگیا۔"

"ہاں ان دنوں میں ایک پہاڑی کے قریب رہتی تھی۔ وہ شخص مجھ سے ملنے کے لئے آرہا تھا کہ ایک بہت بڑا ٹرک ڈرائیور کے قابو سے باہر ہوگیا اور اس نے اس آدمی کو کچل دیا۔ میرا خیال ہے کہ ایک ہی ٹکر اسے ختم کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن ٹرک کا ڈرائیور اتنا نروس اور گھبرایا ہوا تھا کہ وہ جب بھی ٹرک کو ریورس گیئر میں پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا تو ٹرک ذرا سا پیچھے ہٹتا اور پھر دوبارہ آگے بڑھ کر ایک اور ٹکر مارتا۔ ایسا تین چار مرتبہ ہوا پانچ وہ آدمی اس بری طرح کچلا گیا کہ پہچاننا مشکل ہوگیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ گرا نہیں بلکہ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا رہا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کا کچھ حصہ دیوار کے ساتھ لگا رہا اور کچھ حصہ ٹرک کے فینڈر اور ریڈی ایٹر بلکہ پورے ٹرک پر پھیل گیا۔ ان بیچاروں کو نہ صرف ٹرک بلکہ دیوار اور زمین کو بھی کئی کئی مرتبہ دھونا پڑا۔

ڈرائیور اس حادثہ سے اتنا متاثر ہوا کہ غالباً اس کا ذہنی توازن خراب ہوگیا اور اس کے چند ماہ بعد اس نے اپنے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھے اور دریا میں کود کر خودکشی کرلی۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک کسی کو بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کون ہے سوائے میرے، مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ البتہ ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اس واقعہ کے سلسلے میں کسی کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اور ٹھہرایا بھی کیسے جاسکتا ہے جبکہ یہ محض ایک حادثہ تھا۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر کے بعد سنجیدگی سے بولا۔

"تم اس شخص سے بہت محبت کرتی تھیں۔"

"ہمارے درمیان کبھی کوئی بہت زیادہ گہرا تعلق نہیں رہا تھا" میں نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاص طور سے اب میرے اور بوک کولبی کے درمیان جس قسم کے تعلقات ہیں ان سے تو اسے کوئی نسبت دی ہی نہیں جاسکتی۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے جبڑے کو آگے پیچھے ہلایا اس طرح جیسے دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ حال میں کبھی ٹوٹا تھا یا نہیں۔ پولیس کے جاسوس نے ہمدردی کے انداز میں اپنا سر ہلایا اور کچھ سوچتے ہوئے فرش کی جانب دیکھنے لگا۔ اور پھر آخر یوں بولا جیسے اس انٹرویو کا خلاصہ چند لفظوں میں بیان کر رہا ہو۔

"اس کا مطلب ہے کہ بوک کولبی منگل کی رات کو تین بجے کے بعد یہاں تھا اور یہیں رہا۔"

"ہاں تین بجے کے بعد سے۔ میں اس بات پر اپنی زندگی بھی داؤں پر لگا سکتی ہوں۔"

اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو کہ واقعی تم ایسا کرسکتی ہو۔

"میں ذرا تمہارے میلے کپڑوں کا بیگ دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ بڑی عجیب درخواست ہے۔" میں نے باتھ روم اور پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ میلے کپڑوں اور ....."

مگر اس نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اٹھا۔ باتھ روم میں گیا اور تھیلے میں جھانک کر دیکھا۔

"یہ تو خالی ہے۔" اس نے کہا۔

"میں عام طور پر ہفتے کے دن میلے کپڑے دھلنے کے لئے لانڈری میں دیدیتی ہوں۔ لیکن ہفتہ کی وجہ سے ....." میں نے اس کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔ میں انہیں کل تک نہیں لے جاسکی۔ بوک کولبی نے اسے دیکھکر مجھے یاد دلایا کہ میں نے ابھی لانڈری میں کپڑے نہیں دیئے ہیں۔" میں نے اپنا شانہ اس طرح سہلایا جیسے وہ ابھی تک درد کر رہا ہو۔ "میں کہہ نہیں سکتی کہ آخر میں کیوں کپڑے ڈالنا بھول گئی۔ اگر وہ میری توجہ اس طرف مبذول نہ کراتا تو میلے کپڑے شاید ابھی تک گھر میں ہی پڑے ہوتے۔"

ہماری آنکھیں ایک بار پھر ملیں۔ وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ اور میں نے بڑے اخلاق کے ساتھ کہا۔

"معاف کرنا میں ایک سگریٹ لے آؤں۔"

اس نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر میری طرف بڑھایا مگر میں نے اسے نظر انداز کردیا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے سگریٹ کیس کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا جو پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی یہ حرکت بھی اس طرح نظر انداز کردی جیسے دیکھی ہی نہ ہو۔ پھر اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر لائی اس میں سے ایک مارلبرو سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ پیکٹ کے ساتھ ہی ایک ہرے رنگ کے کاغذ کا ٹکڑا بھی اتفاقاً باہر نکل آیا اور فرش پر گر گیا۔ اس پر اس لانڈری کا نام و پتہ لکھا ہوا تھا جہاں ہمارے

کپڑے دھلتے تھے۔ اس نے وہ کاغذ اٹھایا، دیکھا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔ میں نے کاغذ بیگ میں رکھ دیا اور بیگ میں ڈال آئی جہاں سے لائی تھی۔ سگریٹ اتنا کچلا ہوا تھا کہ کوشش کے باوجود نہ جل سکا۔ لیکن اب مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے سگریٹ پینے کی مزید کوئی خواہش باقی نہیں رہی تھی۔

اس نے اپنی کرسی میرے قریب کر لی۔ پھر اتنے آہستہ سے کہ میں بمشکل اس کی بات سن سکی تھی بولا۔

"میرا نام ٹیمپل ہے۔ اگر تمہیں یہاں بات کرنے میں خطرہ ہے تو پھر میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلو۔ ہم تمہیں پورا تحفظ دیں گے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں۔" میں نے بلند اور واضح آواز میں کہا "کیا تم ابھی کچھ کہہ رہے تھے، میں کچھ نہیں سن سکی۔"

"چلتے پھرتے نظر آؤ سسٹر۔" بوک کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔

لوئی اس کے کندھے کے اوپر سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر اس طرح کا تاثر طاری کیا جیسے بوک کو دیکھ کر جان میں جان آگئی ہو۔ بوک اندر آگیا۔

"تم نے کچھ دیر پہلے کلب میں مجھ سے سوالات کئے اور میں نے بڑی خوش دلی سے ان کے جوابات دیئے۔" وہ بولا۔ "لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ آدھ گھنٹے بعد تم میرے مکان میں نظر آؤ گے۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟"

"یہ آدمی کیا چاہتا ہے ڈارلنگ۔" میں نے بڑی معصومیت سے کہا لیکن میری اداکاری بیکار ہی گئی۔ بوک نے مجھ پر سرسری نگاہ بھی نہیں ڈالی۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ میرے خلاف تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے تو اسے ظاہر کرو۔" وہ ٹیمپل سے مخاطب تھا۔ "پھر تم جہاں کہو گے میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور جو کچھ بھی حالات ہوں گے میں ان کا مردانہ وار سامنا کروں گا۔ لیکن اگر تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ راستہ، آئندہ تم مجھے یہاں نظر نہ آؤ۔"

ٹیمپل نے اس پھٹکار کو بڑے سکون سے برداشت کیا۔ وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف گیا۔

"بلاوجہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے رک کر کہا۔ "میں صرف اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اور یہ بات تو میں نے کبھی نہیں کہی کہ میرے پاس تمہارے خلاف کوئی ثبوت ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" بوک نے تیزی سے کہا اور اس کے باہر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا۔

ہم میں سے کوئی بھی چند لمحوں تک نہیں بولا۔ پھر لوئی نے باہر جھانک کر یہ اطمینان کیا کہ ٹیمپل سچ مچ چلا گیا ہے اور اس کے بعد بوک مجھ سے مخاطب ہوا۔

"تم نے میری توقع سے زیادہ اچھے جوابات دیئے اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہوا۔ میں تقریباً دس منٹ سے دروازے کے باہر کھڑا ہوا سن رہا تھا لیکن ایک بات مجھے پسند نہیں آئی۔ آخر وہ میلے کپڑوں کا تھیلا کیوں دیکھنا چاہتا تھا؟"

اس نے الماری سے شراب نکال کر پی اور آستین سے منہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں اسے سمجھ نہیں سکا۔ میں نے تو اسے جلا..... لیکن اسے معلوم کیسے ہوا؟"

وہ میرے قریب آیا اور اس کی نظر بالکل کسی چاقو کی طرح میری طرف اٹھی۔

"کیا کل تم نے دوسرے کپڑوں کے ساتھ کچھ کالر بھی دھلنے کے لئے دیئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال تو نہیں ہے کہ ——"

"ہاں یا نہیں میں جواب دو۔" اس نے تیزی سے کہا۔

میرا دوسرا جواب کمرے کی دوسری سمت سے آیا جہاں اس نے مجھے لات مار کر پھینکا دیا تھا۔

"نہیں" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ وہ اتنے پھٹ گئے تھے کہ میں نے ..."

"پھر بھی کل صبح جیسے ہی لانڈری کھلے تم وہاں جانا اور سارے کپڑے واپس لے آنا۔ سن رہی ہو۔ اگر پولیس کو ان کی ضرورت ہے تو ان سے کہیں زیادہ مجھے ضرورت ہے۔"

"لیکن تم کالروں کے بارے میں اتنے پریشان کیوں ہو؟" لوئی نے حیرت سے پوچھا۔

بوک نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"وہ کبھی کبھی میری گردن پر پیار کرتی تھی اور میں نے دو تین مرتبہ گھر واپس آنے پر کالر پر اس کی سرخی کا نشان دیکھا۔ میلے کپڑوں میں اس کی دلچسپی کی صرف یہ ہی ایک وجہ میری سمجھ میں آتی ہے۔ میں نے ایک کالر جلا دیا تھا لیکن ممکن ہے اس کے علاوہ ایک دو کالر اور ایسے ہوں جن پر نشانات باقی رہ گئے ہوں۔"

"چلو مان لیا لیکن سوال یہ ہے کہ پولیس کو اس بارے میں پتہ کیسے چلا؟" لوئی نے کہا۔ "تم ان نشانات کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھے کہ غلطی سے لاش کے پاس پڑے رہ گئے ہوں۔"

اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بس حقیقت کے قریب پہونچنے ہی والا ہے اور میں جانتی تھی کہ یہ حقیقت کیا ہے۔ ایک سفید سیاہ چیک کا اوور کوٹ پہنے ہوئے کوئی لڑکی جو اس کے چند منٹ

بعد مقتولہ الیں کے فلیٹ سے نکلتے دیکھی گئی۔ اگر آدمی کے لئے خود اپنی کھال میں سکڑنا ممکن ہے تو یقین کریں کہ میں تعلی سکڑ گئی تھی۔ وہ احمق ٹیمپل میں نے دل میں سوچا اس نے میلے کپڑوں کے بارے میں سوال کر کے میری موت کا سامان فراہم کر دیا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ لوئی کے خیالات کچھ اور آگے بڑھتے لوک نے ایک اور بات کہہ کر اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔

”کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہے جو صحیح کام نہیں کر رہی ہے۔“ وہ بولا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ پولیس ابھی تک اسے۔ تم جانتے ہو کہ میرا اشارہ کس کی طرف ہے۔ گرفتار کر کے یہاں کیوں نہیں لائی۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے وہاں جا کر اس سے سوالات کئے لیکن اس کے بعد اخبارات میں اس بارے میں کوئی خبر نہیں آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے ضرور کوئی ایسا ثبوت پیش کر دیا جو پولیس کو تسلیم کرنا پڑا۔ ذرا تم سن گن لو کہ آخر کیا بات ہے۔“

اگلی صبح ساڑھے سات بجے لوک نے مجھے بُری طرح جھنجھوڑ کر نیند سے بیدار کر دیا۔

”جلدی سے لانڈری والے کی دکان پہ جاؤ اور کپڑے واپس لے کر آؤ۔“ اس نے کہا۔ ”خواہ ان پر استری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یا وہ بغیر دُھلے ہی رکھے ہوں۔ تمہیں ہر صورت میں انہیں واپس لانا ہے۔ کپڑے لئے بغیر واپس مت آنا۔“

لانڈری والے کا نام لی تھا۔ اس کی دکان تقریباً ایک بلاک کے فاصلے پر واقع تھی۔ میں وہاں پہنچی تو دکان کھل چکی تھی۔ تین آدمی کپڑوں پر استری کر رہے تھے۔ میں نے وہ ہرے رنگ کا کاغذ جو کہ دراصل کپڑوں کی رسید تھی، نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھے کچھ عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کپڑے دُھل چکے تھے اور ایک کاغذ میں لپٹے ہوئے الماری میں رکھے تھے۔ اس نے رسید لیکر کپڑے اٹھائے اور میرے سامنے رکھ دیئے۔

”دو ڈالر پانچ سینٹ۔“ وہ بولا۔ وہ مستقل اسی عجیب انداز میں میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ استری کرنے والے بھی اپنا کام چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ ان کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بات پیش آنے کے منتظر ہوں اور اسی کے ساتھ مجھے کچھ بتانا بھی چاہتے ہوں لیکن ہمت نہ پڑ رہی ہو۔

میں نے کاؤنٹر سے کپڑوں کا پیکٹ اٹھانا چاہا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہیں کی۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس پہ کسی کا ہاتھ رکھا ہے جو اسے اٹھانے نہیں دیتا۔ اور اس کے بعد میرے پیچھے کھڑے ہوئے کسی آدمی نے پیکٹ کی تھیلی کھولی۔ کاغذ الگ کیا۔ میں نے پیچھے گھوم کر دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔ میں اس وقت تین بندروں کے مشہور مجسمے کی پیروی کر رہی تھی۔ یعنی برا مت دیکھو۔ برا مت سنو۔ برا مت بولو۔ میری نظریں دکان کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں اور میں بار بار دل زبان میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

”اس خاتون کا پیکٹ دوبارہ باندھ دو۔“ میرے پیچھے سے کسی نے لانڈری کے مالک سے کہا۔

”زیادہ دیر مت لگانا۔“ میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ لیکن میرا مخاطب دکاندار نہیں تھا۔ اور میں دل ہی دل میں دُعا کر رہی تھی کہ یہ بات میں نے جس سے کہی تھی اس نے سمجھ لی ہو۔ اور ٹیمپل جیسے سب کچھ جانتا تھا۔

”اگر تم واپس نہ جانا چاہو“۔ اس نے نرمی سے کہا۔ ”تو میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔“

”میں اِس معاملے سے الگ رہنا چاہتی ہوں لیکن تمہاری حفاظت مجھے کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔“

”میں نے ایک آدمی نگرانی کے لئے مقرر کر دیا ہے“۔

”کیا وہ کسی گولی سے پہلے مجھ تک پہونچ سکتا ہے؟“

”اگر تمہیں اس سے پہلے مدد کی ضرورت ہو کہ ہمیں اس کار پر لیبارٹری کی رپورٹ مل جائے تو اپنی کھڑکی کا پردہ گرا دینا۔“

کسی نے کپڑوں کا پیکٹ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور میں دکان سے باہر آ گئی۔ میں نے شروع سے آخر تک ٹیمپل کو نہیں دیکھا تھا۔ اب اگر لوک چاہتا تو مجھے مارتے مارتے ختم کر دیتا اور میں سچائی کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ میں نے کسی پولیس والے کو نہیں دیکھا۔ میں اپنے فلیٹ واپس پہونچی تو تاثرات کا عجیب عالم تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ دروازے پر ایک تختی لٹکی ہوتی جس پر لکھا ہوتا کہ ”اے اندر قدم رکھنے والے اپنی تمام امیدوں کو باہر ہی چھوڑتا جا۔“

میں لانڈری سے کپڑے لینے گئی تھی اور شاید یہ میرا راہِ فرار اختیار کرنے کا آخری موقع تھا لیکن میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس کا صاف مطلب ہوتا کہ میں نے لوک کے خلاف سازش کی تھی اور پھر انجام میری موت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ اور لوک ایسا آدمی تھا جس کے انتقام سے پولیس کی تمام حفاظت بھی میرے لئے بیکار ثابت ہوتی۔ میرے لئے آخری چارہ کار یہ ہی تھا کہ لوک اور اس کے گروہ کی گرفتاری تک اپنے آپ کو اس کے ساتھ رکھوں تاکہ اسے شک کرنے کا کوئی موقع نہ ملے اور میں ہمت استوار کرتی ہوئی اندر چلی گئی۔

لوک بیقراری کے ساتھ کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیکٹ لیا اور دوسرا ہاتھ زور سے میری کمر پہ مارا۔

”تمہیں اتنی دیر کیوں لگی؟“ وہ غرایا۔

"دکان بند تھی۔ مجھے اس کے کھلنے تک انتظار کرنا پڑا۔"

اس نے پیکٹ کی ستلی توڑ دی۔ کاغذ پھاڑ دیا۔ تمام کپڑے پلنگ پر بکھیر دیئے۔ مگر ان میں اسے کوئی کالر نہیں ملا۔ مگر وہ اس سے پہلے مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔ پیکنگ پیپر میں سب سے نیچے ہرے رنگ کی ایک اور رسید رکھی ہوئی تھی جس میں کپڑوں کی تفصیل کے علاوہ یہ بھی درج تھا کہ لانڈری نے ہر کپڑے کی کتنی دھلائی وصول کی ہے۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ رسید میں لکھا ہو گا۔ ایک کالر۔ پانچ سینٹ مگر کپڑوں میں کوئی کالر اس اندراج کی تصدیق کرنے کے لئے موجود نہیں تھا۔ یہ ایک ایسی فروگذاشت تھی جو میرے ساتھ ٹمپل کی نظروں سے بھی چوک گئی۔

"آٹھ قمیضیں۔" بوک شمار کر رہا تھا۔ "چھ انڈر ویئر"

میں قیامت ٹوٹ پڑنے کی منتظر تھی۔ پیروں میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی۔ میں نزدیک ترین کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنے آپ کو تیار کرنے لگی کہ مار یا موت جو بھی نصیب میں ہو اس کا ہمت سے استقبال کروں۔ اگلے ایک سیکنڈ میں اسے معلوم ہو جائے گا کہ۔

اور اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے لانڈری کی رسید وہیں پلنگ پر چھوڑی اور دوسرے کمرے میں فون سننے چلا گیا۔ میں تیزی سے حرکت نہیں کر سکی۔ میرے قدم کانپ رہے تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے جس شخص سے وہ بات کر رہا تھا اس کی گفتگو کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ جہاں اس کا کوٹ لٹک رہا تھا وہاں پہونچی۔ کوٹ کی جیب میں ایک ایسی پنسل بھی رکھی ہوئی تھی جس کے ساتھ ربر لگی ہوتی ہے۔ میں نے چھپے ہوئے لفظ کالر کے سامنے سے ایک کا عدد اور پانچ سینٹ کی دھلائی ربر سے مٹا دی۔ پنسل کو جلدی سے واپس اس کے کوٹ کی جیب میں رکھا اور اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔

وہ کمرے میں آیا۔ رسید دوبارہ اٹھا کر چیک کرنے لگا۔ کپڑوں کے نیچے دب کر رسید میں شکنیں پڑ گئی تھیں جس کی وجہ سے میرا ربر سے مٹانا نمایاں نہیں ہو سکا تھا۔

"سارے کپڑے رسید کے مطابق ہیں" وہ بولا "مگر اس نے پانچ سینٹ زیادہ وصول کئے ہیں۔ لعنت ہو اس پر۔"

بوک روپیہ پیسے کے معاملے میں کنجوس نہیں تھا۔

"بہرحال وہ پولیس والا جس چیز کی فکر میں تھا وہ اسے نہیں مل سکی" اس نے کہا اور پھر چمڑے کا ایک بڑا سا سوٹ کیس نکال کر کمرے کے درمیان میں ڈال دیا۔

"سامان سمیٹنا شروع کرو" اس نے مجھ سے کہا "ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ ابھی فون پر اس حرامزادے نے جو کچھ کہا ہے اس سے مجھے بڑی تشویش پیدا ہو گئی ہے۔"

گویا ابھی جس کا فون آیا تھا وہ لوئی تھا۔ مجھے بھی یہ بات پسند نہیں آئی لیکن میری وجوہات دوسری تھیں۔ پولیس لیبارٹری سے اس کالر کے بارے میں رپورٹ اتنی جلدی تو بہرحال نہیں مل سکتی تھی کہ پولیس بوک کو مجھے یہاں سے لیجانے سے باز رکھ سکے۔ اور ایک مرتبہ بوک مجھے کسی دوسری جگہ لے گیا تو پھر ٹمپل کبھی مجھ تک پہونچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ وقت گذاری کی کوشش کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا

"جلدی کرو کیا تم پر فالج گر گیا ہے؟" بوک سخت لہجے میں بولا۔

"لعنت ہو مجھ پر۔ اس وقت میری عقل بالکل ہی ماری گئی تھی اگر میں پہلے کپڑوں کی الماری سے فارغ ہو جاتی اور میز کی درازیں اور دوسری چیزیں بعد میں رکھتی جبکہ فلیٹ میں میرے اور بوک کے علاوہ کوئی نہیں تھا تو کتنا اچھا تھا مگر وہ مسلسل میرے سر پر سوار تھا۔ اور جلدی جلدی کا شور مچا کر میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔ میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھی میں نے پہلے میز کی درازیں خالی کیں اور پھر الماری کی طرف چلی۔ لیکن اتنی دیر میں لوئی پہنچ چکا تھا۔ اس وقت بھی میں ان دونوں کی باتیں سننے میں اتنی محو تھی کہ میرے ذہن سے یہ بات بالکل ہی نکل گئی کہ کپڑوں کی الماری میں کیا چیز رکھی ہے"

"ابھی فون پر یہ بات کہنے سے تمہارا کیا مطلب تھا کہ منصوبہ ناکام ہو گیا" بوک اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ریوالور پر کوئی نشان نہیں مل سکا وہ بالکل صاف تھا"

"بکواس ہے"

"بکواس ہو یا کچھ اور۔ میں نے بہرحال اپنا کام پورا کر دیا تھا" لوئی نے کہا "رجرس نے اپنے ہاتھ سے ریوالور اٹھا کر مجھے دیا تھا اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ جب میں نے وہاں ریوالور رکھ دیا تو میرے بعد کسی اور نے اسے کپڑے سے صاف کر دیا۔

میں نے الماری میں لٹکے ہوئے کپڑے نکالے اور دفعتاً میری نظر اس سفید و سیاہ چیک کوٹ پر پڑی اور میں سر سے پیر تک کانپ گئی۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اس کوٹ کو لوئی کی نظروں میں لائے بغیر سوٹ کیس میں نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ میں نے اسے وہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے بچنے کی صرف ایک یہی صورت تھی۔ میں نے کپڑے نکالے اور الماری کا دروازہ بند کر کے سوٹ کیس کی طرف بڑھ گئی۔ بوک اور لوئی ابھی تک اپنی بحث میں مصروف تھے۔

"احمق آدمی ساری گڑبڑ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے" بوک کہہ رہا تھا "اب اس مصیبت سے صرف میڈس ہی نجات دلا سکتا ہے"

"میں نے نہیں اس نے تمہارے پلان کو ناکام بنایا ہے" لوئی نے احتجاج کیا۔

ایک لمحے کے لئے میں یہ سمجھی کہ اس کا اشارہ میری جانب ہے

اور میرا خون رگوں میں جمنے لگا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ پولیس کے لئے کوئی سراغ چھوڑ کر مری ہے۔" لوئی کہہ رہا تھا۔ "لیکن کوشش کے باوجود میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ سراغ کیا ہے۔ پولیس اس معاملے میں حد سے زیادہ رازداری برت رہی ہے بس اتنا ہی پتہ چل سکا کہ پولیس کو اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی ملی ہے اس کے علاوہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ پولیس کسی شخص کو تلاش کر رہی ہے جو ماڈل کا کام کرتا ہے اور مختلف کمپنیاں اپنی مصنوعات کے اشتہارات میں اس کی تصویریں دیتی ہیں اور یہ اشتہار رسالوں وغیرہ میں شائع ہوتے ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ بات خود پولیس نے پھیلائی ہے تاکہ کوئی اس اصل سراغ کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ کرے۔ بہرحال ایک بات یقینی ہے کہ جیسا کہ تم کہتے ہو، وہ تمہارے سامنے نہیں مری تھی بلکہ تمہارے وہاں سے جانے کے کچھ دیر بعد تک زندہ رہی۔"

"جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو وہ مر چکی تھی۔" بوک چیخا۔ "یہ بات مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ میں نے اسے ہوش میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل چلنا چاہیئے۔ اے تم سب چیزیں پیک کر چکیں۔"

لوئی کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ذہن میں خیالات کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

"میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا تھا۔" وہ بولا۔ "منگل کی رات کو جب تمہارے کہنے کے مطابق . . ."

"میں سب چیزیں پیک کر چکی ہوں۔" میں نے تیزی سے بولتے ہوئے کہا۔ "آخر اب کس بات کا انتظار ہے چلتے کیوں نہیں۔" میں لوئی کو دوبارہ بولنے کا موقع دینا نہیں چاہتی تھی۔

"ذرا دیکھ لو کہ کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔" بوک نے کہا اور پھر خود الماری کھول کر ایک نگاہ ڈالی۔ "اے تم نے یہ کوٹ کیوں چھوڑ دیا ہے؟"

دونوں سوٹ کیس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑے۔ اور میں ان دونوں کے درمیان بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں عملاً مر چکی ہوں اور اب صرف میری لاش گرنا باقی ہے۔ میرے اندر پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ میں بس گولی چلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

بوک الماری سے کوٹ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پلٹا اور جیسے ہی لوئی کی نظر کوٹ پر پڑی وہ کرسی سے یوں اچھلا جیسے اچانک اس کی کرسی میں سینکڑوں کانٹے اُبھر آئے ہوں۔ دوسرے لمحے وہ بوک کے ساتھ کھڑا تھا۔

"یہ وہی کوٹ ہے۔" وہ چیخا۔ "میں اسے کہیں بھی پہچان سکتا ہوں۔ اور یہی کوٹ پہنے میں نے اس لڑکی کو ایلما کے فلیٹ سے نکلتے دیکھا تھا۔ تم جاننا چاہتے ہو کہ کس نے تم سے غداری کی ہے تو اس سے پوچھو کہ وہ اس رات ایلما کے فلیٹ کیوں گئی تھی۔ اس سے پوچھو کہ پولیس کو اس ریوالور پر اجرس کی انگلیوں کے نشانات کیوں نہیں مل سکے۔ اس سے پوچھو کہ جب ایلما تمہارے سامنے مر گئی تھی تو پھر وہ کیا سراغ ہے جو پولیس کو اس کے ہاتھ میں دبا ملا۔

"تم نے اس واقعہ کے فوراً بعد جب یہاں فون کیا تھا تو کیا میں نے تمہارے فون کا جواب نہیں دیا تھا؟" میں نے بھی چیختے ہوئے کہا۔

"بیشک تم نے ہی دیا تھا۔ لیکن تمہاری سانس اتنی پھولی ہوئی کیوں تھی کہ تم بہ مشکل بات کر سکتی تھیں۔"

"اس شخص کی باتوں پر ذرا سا بھی یقین مت کرنا۔" میں لوک کی طرف مخاطب ہوئی۔ "یہ اپنی غلطی چھپانے کے لئے مجھے موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

لیکن بوک کی نظریں صاف بتا رہی تھیں کہ میں اپنی لڑائی ہار چکی ہوں۔

"لوئی اس طرح کی کوئی داستان گھڑنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔" بوک نے کہا۔ "اس کے پاس اتنی عقل ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس شہر میں اس کپڑے اور اس ڈیزائن کا کوئی دوسرا کوٹ نہیں ہے۔ جب تم نے یہ کوٹ خریدا ہے تو دکاندار نے خود یہ بات بتائی تھی۔"

بوک نے یہ کہتے ہوئے ریوالور نکال لیا۔ اور اس کا رخ میری جانب کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اس کی انگلی ٹریگر پر سخت ہو گئی۔

"اس طرف آؤ۔ میرے قریب۔" وہ بولا۔ "تم جس قدر پاس ہو گی اسی قدر تمہیں کم تکلیف محسوس ہو گی۔"

میں نے بڑی ہمت سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور آگے بڑھنے لگی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اب میں خود کو پہلے کی طرح خوفزدہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب میں عنقریب اپنے کارندوں کے پاس پہونچ جاؤں گی۔

"نہیں بوک یہاں نہیں۔" لوئی نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں اسے یہاں قتل کرنا ہے جہاں پولیس تمہارے علاوہ کسی پر شک کر ہی نہیں سکتی تو پھر پہلے قتل کو چھپانے کے لئے اتنی دردِ سری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

بوک کے لئے یہ بہت مشکل تھا کہ وہ اپنا اٹھا ہوا ہاتھ روک لے لیکن لوئی نے بڑی عقلمندی کی بات کی تھی اور بوک بھی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے اپنا ریوالور واپس جیب میں رکھ لیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ بولا۔ اور یہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی اس کی خاطر قتل کا الزام اپنے سر لینے کو تیار ہو جائے۔ میں اپنے مخصوص ٹھکانے پر چلتا ہوں۔ وہاں پہونچتے ہی میں اپنے وکیل کو فون کر دوں

گا۔ وہ ایلما کے معاملے کو درست کرلے گا۔ اس نے قبل اس سے کہیں زیادہ دشوار اور پریشان کن حالات سنبھال لئے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ چلے گی مگر وہاں تک پہونچے گی نہیں۔ ہم اسے راستے میں ٹھکانے لگادیں گے ہماری کار کو ایک حادثہ پیش آئے گا۔ تمہیں راستے کا وہ خطرناک موڑ یاد ہوگا جہاں سڑک بہت تنگ ہے اور ایک دم دوسری طرف مڑجاتی ہے۔ میں جب بھی اس موڑ سے گزرتا ہوں نروس ہوجاتا ہوں۔ خاص طور سے جب تم کار چلارہے ہو۔"

بوک اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ اور لوئی نے بھی ویسی ہی مسکراہٹ سے اس کا جواب دیا۔

"اور پھر مجھے اس موڑ سے گذرنے کی زیادہ مشق بھی نہیں ہے کبھی کبھی تو جانا ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"میں حادثوں کو پسند کرتا ہوں۔" بوک نے کہا۔ "تم دونوں سوٹ کیس اٹھالو۔ میں اسے لے کر چلتا ہوں۔"

اس نے اس طرح میرے بازو میں اپنا بازو ڈال دیا جیسے اکثر میاں بیوی راستہ چلتے ہیں۔ مگر اس طرح کہ اس کا ہاتھ جیب میں تھا۔ اسی جیب میں جس میں ریوالور رکھا تھا۔ اور اس کی نال کوٹ کے اندر سے میرے جسم میں گڑی جارہی تھی۔

"اگر تمہیں مرنے کی جلدی ہو۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "اور کچھ دیر کے بعد مرنے کے بجائے ابھی مرنا چاہتی ہو تو یہاں سے لے کر کار تک کہیں بھی جو جی چاہے کرسکتی ہو۔ میرے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم زندہ حالت میں ہمارے ساتھ چلتی ہو یا لاش بن کر۔ مرنا تمہیں بہرحال ہے۔ بس یوں سمجھو کہ اگر چپ چاپ ہو تو تمہیں زندہ رہنے کے لئے مزید چالیس پچاس منٹ کی مہلت مل جائے گی۔"

میں کھڑکی کے پردے کے بارے میں سوچ رہی تھی جسے گرا کر میں نے اشارہ کرنے کو کہا تھا۔ لیکن وہ پردہ بھی اس وقت میری دسترس سے اتنا دور تھا جیسے کھڑکی اس کمرے میں نہیں بلکہ سڑک پار کسی دوسرے مکان میں تھی۔

"اگر مجھے چلنا ہی ہے تو ضرور چلوں گی۔" میں نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن کیا تم مجھے اتنی اجازت نہیں دوگے کہ میں ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس کھڑکی سے ایک مرتبہ شہر کا نظارہ کرلوں۔ وہ شہر جہاں کبھی میں نے زندگی کے اچھے دن بھی گذارے ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گی۔"

"اسے ضرور شہر کے نظارے سے لطف اندوز ہونے دو۔" لوئی نے سفارش کی۔ "یہ اسے اپنی تسکین کے لئے دیکھنا چاہتی ہے مگر وہ اس کے لئے اذیت و تکلیف وہ ثابت ہوگا۔ میں پیچھے سے اس کے ہاتھ پکڑلوں گا تاکہ یہ کسی طرح کا کوئی اشارہ نہ کرسکے۔"

انہوں نے مجھے دھکیل کر کھڑکی کے سامنے کھڑا کردیا اور خود میرے ہاتھ پکڑ کر اِدھر اُدھر آڑ میں ہوگئے۔

"اوکے مے۔" بوک نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ "خوب دل بھر کے شہر کا نظارہ کرلو اور خدا حافظ کہہ لو۔"

پردے کی ڈوری میرے سامنے ایک پھندے کی شکل میں لٹک رہی تھی لیکن لوئی نے میرے ہاتھ اتنی زور سے پکڑ رکھے تھے جیسے کسی شکنجے میں جکڑے ہوئے ہوں۔ میرے پاس بہت سے کپڑے تھے اور اس روز میں ان بے شمار جوڑوں میں سے کوئی سا جوڑا بھی پہنے ہوئے ہوسکتی تھی جو میرے کسی کام نہیں آسکتے تھے لیکن بوک نے اس طرح مجھے سوتے سے اٹھا کر لانڈری سے کپڑے لانے بھیجا تھا کہ مجھے لباس تبدیل کرنے کی مہلت بھی نہیں دی تھی۔ میں ایک اسکرٹ اور ایک بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ ایک ایسا بلاؤز جس میں دونوں طرف دو بڑے بڑے بٹن لگے ہوئے تھے۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں نے وہ کس طرح کیا۔ اور میں شرط لگاتی ہوں کہ اب اگر میں دانستہ کوشش بھی کروں تو اسے دوبارہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا۔ پردے کی ڈوری ایک پھندے کی شکل میں لٹک رہی تھی اور یہ پھندا ٹھیک میرے سینے تک آرہا تھا۔

"کتنا خوبصورت نظارہ ہے۔" میں نے کہا اور ذرا سا گھومی کہ دوسری طرف دیکھ سکوں۔ "اسے چھوڑنا بڑی تکلیف دہ بات ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے میں ایک مرتبہ اور گھومی اور پھر پہلی سمت میں دیکھنے لگی۔ پورا پھندہ تو بٹن میں نہیں آیا لیکن وہ پھنس ضرور گیا۔ بٹن ایک ڈالر کے سائز کے برابر تھا۔ باقی کام خود بوک نے انجام دیا۔

"بس کرو بہت دیکھ چکیں۔" اس نے مجھے پیچھے کھینچا، اور دروازے کی طرف گھمایا۔ بٹن ڈوری کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلا۔ ڈوری میرے کندھے پر تن گئی۔ اور پھر پردہ اتنی تیزی سے نیچے آیا کہ اپنے رولر میں پھنس گیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسے دوبارہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی تو وہ ایسا پھنسا ہوا تھا کہ ٹوٹ کر ہی اوپر جاتا۔

اور یہ سب کچھ اتنا فطری انداز میں ہوا تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی اسے ایک اتفاقی حادثہ سے زیادہ وقعت نہیں دی بلکہ شاید اس بارے میں سوچا تک نہیں۔ بوک نے میرے سر پر ایک چپت ماری اور غصے سے جھلا کر ڈوری کو اس طرح جھٹکا دیا کہ بٹن ہی ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ہم فلیٹ سے نکل کر سڑک پر آگئے۔ میں اور بوک آگے چل رہے تھے اور لوئی دونوں سوٹ کیس اٹھائے پیچھے آرہا تھا۔ اگر مجھے یہ توقع تھی کہ پردہ نیچے گرانے سے کوئی معجزہ رونما ہوگا اور میں بوک کے پنجے سے رہا ہوجاؤں گی تو مجھے شدید مایوسی ہوئی۔ تقدیر ہی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ اِدھر یا اُدھر دور تک کوئی ایک

آدمی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ لوک کی کار بلڈنگ کے صدر دروازے سے چند گز کے فاصلے پر دو اونچے اور گنجان درختوں کے نیچے کھڑی تھی۔ لوک کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ اپنی کار ان ہی درختوں کے سائے میں کھڑی کرتا تھا تاکہ کار دھوپ کی حدت سے گرم نہ ہو جائے۔

ہم کار تک گئے اور لوک نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکا دیدیا۔ پھر خود میرے برابر بیٹھ گیا اور مجھے اتنا یاد ہے کہ میں آخری گوشے میں سمٹتی چلی گئی۔ لوئی نے دونوں سوٹ کیس کار کی ڈگی میں رکھے۔ اگلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیونگ وہیل سنبھالا اور کار چل دی۔ اور میں طنزیہ انداز میں سوچ رہی تھی تو اس پولیس ڈٹیکٹو ٹیمپل نے اپنا ایک آدمی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ کیا واقعی؟ اگر وہ سچ کہہ رہا تھا تو ضرور دوسری کارندٹی میں متعین کیا ہوگا۔ کم سے کم مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

کار آگے چلی تو ایک ہلکے دھماکے کی آواز ہوئی جو کار کے انجن سے نہیں آئی تھی۔

"یہ کیا تھا؟" لوک نے پوچھا۔ لوئی نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔

"شاید درختوں کی کوئی نیچی شاخ کار کی چھت سے ٹکرا گئی ہے" وہ بولا۔ "میں ایک شاخ کو اوپر نیچے ہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

ہم سڑک کے موڑ سے گھوم کر ایکسپریس ہائی وے پر آگئے جو آگے جا کر اس سڑک سے مل گئی جس پر لوک جانا چاہتا تھا۔ اس تمام دوران اس کی جیب میں رکھے ہوئے ریوالور کی نال میری طرف اٹھی رہی۔ اور میں کار کے کونے میں حسرت و یاس کا مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔ اب کوئی میری مدد کو نہیں آسکتا تھا ٹیمپل کے آدمی نے سب کچھ چوپٹ کر دیا تھا۔ غالباً وہ کھڑکی کا پردہ گرتے دیکھ کر ٹیمپل کو خبردار کرنے چلا گیا ہوگا کہ ہم اتنی دیر میں فلیٹ سے نکل کر کار میں بیٹھ گئے۔

اب ہم جس سڑک پر چل رہے تھے اس پر ہمارے فلیٹ کے سامنے والی گلی کے مقابلے میں زیادہ ٹریفک تھا۔ اچانک لوئی بول اٹھا۔

"کیا بات ہے۔ فٹ پاتھ پر چلنے والا ہر راہگیر پلٹ پلٹ کر ہمیں دیکھ رہا ہے۔ آخر یہ عورت کیا کر رہی ہے"۔

"کچھ نہیں"۔ بک نے جواب دیا۔ "میں نے اسے مسلسل زد میں لے رکھا ہے۔ تم گھبرائے ہوئے ہو بس۔ اور کوئی بات نہیں ہے"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے بھی پچھلے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔

"کہہ تو ٹھیک رہے ہو"۔ اس نے تائید کی۔ "سب کی نظریں ہماری کار پر لگی ہوئی ہیں"۔

دفعتاً اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور اس کی نال میرے پہلو سے لگا دی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کر رہی ہو"۔ اس نے کہا۔ "مگر جو کھیل بھی کھیل رہی ہو، اب اس کا انجام قریب آگیا ہے۔ ذرا کار کی رفتار بڑھاؤ لوئی، انجن سے شور پیدا کرو۔ میں اسے ایکسیڈنٹ سے پہلے یہیں کار میں شوٹ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی لاش بہرحال دریا کی تہہ سے اوپر نہیں آئے گی۔ چنانچہ ایک دو گولیاں اس کے جسم میں پہونچ بھی جائیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔

یہ کہتے ہوئے وہ مجھ پر جھک گیا، تاکہ ریوالور کی آواز کو جہاں تک ممکن ہو اپنے جسم کی مدد سے دبائے۔ میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ موت بالکل سامنے نظر آرہی تھی مگر معلوم نہیں یہ خوف تھا یا کچھ اور کہ میرے منہ سے ایک آواز بھی نہیں نکلی۔

میری نظر اس کے کندھوں کے اوپر سے ہوتی ہوئی کھڑکی پر گئی اور میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جسے پہلی نگاہ میں نظری دھوکہ خیال کیا کیونکہ وہاں اس چیز کے نظر آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ کار کی چھت سے پہلے دو ٹانگیں لٹک کر نیچے آئیں۔ پھر کمر، کندھے اور چہرہ۔ وہ بازوؤں کی مدد سے چھت سے لٹکا ہوا پیروں سے کار کا فٹ بورڈ ٹٹول رہا تھا۔ پھر اس نے چھت ہاتھوں سے چھوڑ دی اور ایک لمحے کے لئے نظروں سے غائب ہو گیا۔ دوبارہ ابھرا تو اس نے ایک ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ریوالور نکال رہا تھا۔

لوک کی پشت اس جانب تھی اس لئے وہ یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکا لیکن اس شخص کے دروازے کے سامنے آجانے سے کار میں تھوڑا سا اندھیرا ہو گیا تھا اور اس بات سے چونک کر لوک نے میرے پہلو سے ریوالور کی نال ہٹالی اور پلٹ کر دیکھنا چاہا مگر اس آدمی کو دیکھنے کے باوجود اسے فائر کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس آدمی نے لوک کے چہرے کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ اتنے قریب سے نشانہ خطا جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لوئی نے فائر کی آواز سنی۔ اس آدمی کو دیکھا اور اسٹیئرنگ وہیل گھما کر کار کو اس طرح جھٹکے کے ساتھ ایک لہر دی کہ فٹ بورڈ پر کھڑا ہوا وہ آدمی خود کو گرنے سے نہ بچا سکا۔ وہ نیچے سڑک پر گر گیا۔ لوک کا سر میری گود میں آگرا تھا۔ اور اس نے اب تک ذرا سی بھی حرکت نہیں کی تھی۔ میں نے لوئی کی طرف دیکھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے وہیل سنبھال رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ جیب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے اس کا مقصد سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ اب میرے سرگرم عمل ہونے کی باری تھی۔ ریوالور ابھی تک لوک کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے پھرتی سے اس کے ہاتھ سے ریوالور لیا اور اس کی نال لوئی کی گردن سے لگا دی۔

"بس یہیں کار روک لو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

لوئی نے فوراً بریک لگا دیئے۔ کار کو ایک جھٹکا لگا اور اس جھٹکے سے بوک کا جسم میرے اوپر سے پھسل کر نیچے فرش پر گر گیا۔ وہی جگہ اس کے شایانِ شان بھی تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" میں نے لوئی کو حکم دیا۔

اور اس کے ہاتھ یوں اوپر اٹھ گئے جیسے ان میں کوئی کمانی لگی ہوئی تھی۔ "بس اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہو۔" میں بولا۔ "کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو بلا تامل گولی چلا دوں گی۔"

میں لوئی کو اسی پوزیشن میں ریوالور کی زد میں لئے بیٹھی تھی کہ تقریباً دس بارہ منٹ کے بعد وہ آدمی جسے ٹیمپل نے میری نگرانی اور حفاظت کے لئے فلیٹ کے باہر متعین کیا تھا کسی قدر لنگڑاتا ہوا کار تک پہونچ گیا۔ کار سے گرنے میں اسے اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں مگر اتنی زیادہ بھی نہیں تھیں کہ وہ اپنا فرض انجام دینے سے قاصر رہتا۔ کار میں بیٹھتے ہی اس نے میری ذمہ داری سنبھال لی۔

"باقی لوگ بھی بس چند منٹ میں پہونچنے والے ہی ہونگے۔" اس نے بتایا۔ میں نے کھڑکی کا پردہ گرتے دیکھ کر فوراً ہی ٹیمپل کو اطلاع کر دی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ وقت پر وہاں نہیں پہونچ سکے گا۔ چنانچہ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان حالات میں جو کچھ مجھ سے ہو سکتا ہے اس سے دریغ نہ کروں۔ بوک کی کار درختوں کے نیچے پارک تھی۔ میں بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اور جب تم سب کاریں بیٹھ گئے تو میں شاخ سے کار کی چھت پر آ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ٹیمپل بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ موقع پر پہونچ گیا۔ لوئی کی تلاشی لے کر اس کا ریوالور نکال لیا گیا اور اسے ہتھکڑیاں پہنا کر اسی کار میں جس میں وہ اور بوک مجھے قتل کرنے لئے جا رہے تھے، بٹھا کر پولیس ہیڈ کوارٹر روانہ کر دیا گیا۔ میں پولیس کار میں ٹیمپل کے ساتھ آ بیٹھی، جب کار چلی تو میں نے ٹیمپل سے پوچھا۔

"تمہیں اس کار کے بارے میں پولیس لیبارٹری سے کیا رپورٹ ملی۔"

"میرے آنے سے کچھ ہی دیر پہلے لیبارٹری سے رپورٹ آئی تھی" ٹیمپل نے جواب دیا۔ "وہ جیک تو ہو گئی، مگر یہ اچھا ہی ہوا کہ ہمیں اس طرح بوک اور اس کے گروہ کو ختم کرنے کا موقع مل گیا کیونکہ ہم اس کار کو بہرحال استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ فرینک راجرس نے جو بیان دیا ہے کہ لوئی نے کس طرح اسے دھوکا دے کر اس ریوالور پر اس کی انگلیوں کے نشانات حاصل کئے تھے اس بیان سے لوئی بھی معاونت جرم کے الزام میں ماخوذ کیا جا سکتا ہے۔ باقی باتیں ہم خود اپنے طور پر لوئی کے منہ سے اگلوا لیں گے۔ گویا دوسرے الفاظ میں تم اب بھی اس معاملے سے خود کو الگ رکھ سکتی ہو جس کا تم نے شروع سے منصوبہ بنایا تھا۔"

اس نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔

"ویسے تمہارا منصوبہ بہت اچھا تھا۔ میرے آدمی منگل کی صبح سے ....."

"ذرا ٹھہرو۔" میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ .... کہ اس معاملے میں میرا کوئی ہاتھ تھا یا اس کار پر المیرا کے ہونٹوں کے نشانات میں نے بنائے تھے۔"

"ایک ذرا سی غلطی نے یہ راز فاش کر دیا کہ وہ بوک کو مجرم بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔" ٹیمپل نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے بات کاٹی۔ "مگر وہ غلطی کیا تھی۔"

"تم نے وہ کار الٹی طرف سے المیرا کے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر کی جانب کر کے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے اوپری ہونٹ کا نشان نیچے اور نچلے ہونٹ کا نشان اوپر آیا۔ چنانچہ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس وقت المیرا سے پیار کر رہی تھی تو کیا وہ سر کے بل کھڑا ہوا تھا۔"

ٹیمپل نے پھر ایک قہقہہ بلند کیا اور میں حیرت سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

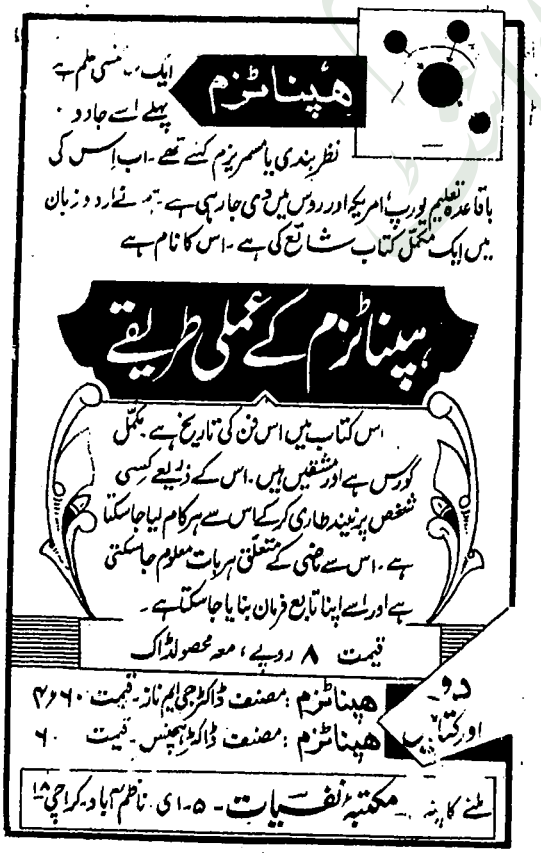

اقلیم علیم

ایک کیمیا گر کی کہانی جو لوہے کو سونے میں تبدیل کر سکتا تھا

شہروں، دیہاتوں اور وادیوں میں بھٹکنے والے ایک سرد مزاج شخص کی داستان

میں کہ آج ایک بدنام اسمگلر، پیشہ ور جواری، سفاک قاتل اور ماہر کیمیا دان کے ماضی کا پرتو ہوں۔ میں اپنے اس ہولناک اور لرزہ خیز ماضی سے یکسر فرار چاہتا ہوں، مگر زندگی کے ہر موڑ پر کسی نہ کسی لمحہ، ماضی کا کوئی شناسا سامنے آجاتا ہے اور مجھے یاد دلاتا ہے کہ میں وہ رسوائے زمانہ معقد علی ہوں جس کی سوانح مسلمہ سماجی، معاشی اور معاشرتی اقدار سے کھلی بغاوت کی کہانی ہے۔ میں ایک تجارت پیشہ گھرانے کا فرزند تھا۔ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا۔ لہٰذا بے جا لاڈ پیار اور پیسے کے معاملے میں والدین کی فراخدلی نے میری ذات پر ایسے ستم ڈھائے کہ جب میں لڑکپن کی حدود میں داخل ہوا تو گھر بار کو خیرباد کہہ دیا۔ آوارگی کا ہر روپ میرا بہروپ تھا اور گھر چھوڑنے کی وجہ ایک فاحشہ کی چاہت تھی۔ لاہور کے گلی کوچوں کو خیرباد کہہ کر میں کراچی آیا۔ گزراوقات کے جائز ذرائع مجھے دو وقت کی روٹی بھی نہ دے سکے اور یوں اس شہرِ غدار میں، میں نے اسمگلنگ کا دھندا شروع کر دیا۔ اس کام نے بڑی مدت مجھ سے وفا کی مگر جب بدنصیبی کا سایہ پڑا، میں تن کے کپڑوں میں کسی خارش زدہ چوہے کی طرح پولیس سے چھپتا پھرا۔ میں نے ان دنوں کراچی کی زندگی کے وہ وہ پہلو دیکھے جن کا تصور تک محال ہے۔ مفلسی اور درماندگی کے اس دور میں میرا واسطہ لیاقت آباد کے ایک کیمیا گر سے پڑا۔ وہ سونا بنانے میں ماہر تھا مگر اس کی نرمی لانے کے لئے اسے ایک نایاب بوٹی بھاندرناس درکار تھی۔ اس کا تجربہ اور میرا حوصلہ یکجا ہوا تو ہم مشرقی پاکستان کے راستے عازمِ نیپال ہوئے۔ ان دنوں مشرقی صوبہ بری طرح ہندو سازشوں کے چنگل میں تھا۔ وہ کیمیا گر وہاں مارا گیا اور میں ملک دشمن عناصر کے ہتھے چڑھ گیا۔ طویل اور خونریز جدوجہد کے بعد میں ہندوستانی قید خانوں اور شہروں سے بھاگتا بھاگتا نیپال جا پہنچا۔ اور بے پناہ مصائب کے بعد انندرام نامی ایک رشی میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ کھٹمنڈو کے زبردست گروہ بند بدمعاشوں سے خون آشام قتال و جدال کے بعد میں کسی نہ کسی طرح سالانہ سفر کے موقع پر انندرام کا پیچھا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور شہروں سے گزر کر ویرانوں میں جا پہنچا۔ اس جدوجہد میں میرا بدنامی ایک محسن بھی میرے ہاتھوں مارا گیا جس کا مجھے آج تک قلق ہے۔

انندرام کی بیٹی سُندری تیس برس سے ہمالیہ کے آدم خوروں کے علاقہ میں رہ رہی تھی۔ اور وہ ہر سال میلوں کا جان لیوا سفر طے کر کے اپنی بیٹی سے ملنے وہاں جاتا تھا۔ مگر اس مہارشی کو یہ علم نہ تھا کہ اس کی کنواری بیٹی کچھ غیر ملکی سیاحوں کے ہاتھوں اپنی پاکیزگی لٹا دینے کے بعد بن بیاہی ماں بن چکی ہے۔ سندری کی بیٹی سیتا بہت جری اور خوبرو تھی۔ برفپوش وادیوں میں سفر اور برفانی انسان سے بھیانک معرکہ میں، میں اس سے دل ہار گیا مگر اسی کے ساتھ آدم خوروں کا قیدی بھی بننا پڑا۔ سندری نے بڑی چالاکی سے مجھے ان کی قید سے نکالا اور اپنی بیٹی مجھے سونپ دی۔ جب میں اس سے رخصت ہوا تو اس نے بھونڈے پتھریلے نگ والی ایک انگوٹھی مجھے انعام میں دی جو کسی وقت انندرام نے اسے پہنائی تھی۔ آدم خوروں کی مقدس بوٹی بھاندرناس لے کر میں واپس روانہ ہوا تو انندرام سے ٹکراؤ ہو گیا۔ اس نے بھاندرناس ضائع کر دی اور خود میرے ہاتھوں مارا گیا۔ میرے لئے اب واپس اس علاقے کا رُخ کرنا ناممکن تھا پھر میری بیوی سیتا نے دھول گری کے خطرناک ہمالیائی علاقہ میں پارس پتھر کی تلاش پر اکسایا اور ہم دونوں پُرخطر راہوں پر چل نکلے۔

مگر ابھی بدنصیبی ہم پر سایہ فگن تھی۔ ہم کچھ دشواریوں کا شکار ہو کر کالی گاپ نامی ایک بستی میں جا پھنسے۔ وہاں کے سردار تلنگا نے میری خدمات کے عوض لاچی نامی ایک خوبرو حسینہ مجھے انعام میں بخش دی۔ سیتا سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے میری لاعلمی میں حسد کے باعث لاچی کو ہلاک کر دیا۔ سزائے موت سے اپنی جان بچانے کے لئے ہم فوراً ہی کالی گاپ سے بھٹ گرہ کی طرف فرار ہو گئے۔ نامعلوم طریقے سے سونے میں تبدیل ہو جانے والا انندرام کا آہنی چمٹا ہماری کل متاع تھا۔ بھٹ گرہ کے راستے میں سردار تلنگا کا پالتو شکرہ ہم پر حملہ آور ہوا۔ اسے ٹھکانے لگا کر ہم بھٹ گرہ کی سون ہاٹ نامی ایک سرائے میں پہنچے۔ مفلسی سے چھٹکارا پانے کے لئے میں طلائی چمٹے کا ٹکڑا لے کر سرائے سے نکلا ہی تھا کہ ایک پولیس والا سرائے پر آپہنچا۔

بھٹ گرہ کی کل پولیس جمعیت دو نفری تھی۔ اور وہ لوگ وادی میں ڈان اور رینی کی لاش ملنے پر پریشان تھے۔ معمولی بازپرس کے بعد ان سے جان چھوٹ گئی مگر لاچی کا باپ جوشِ انتقام میں ہمارے پیچھے بھٹ گرہ آپہنچا تھا۔ اس سے بچتے ہوئے بمشکل ہم لاری کے ذریعے موہٹہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ انندرام کی بیٹی سندری نے مجھے تحفہ میں جو انگوٹھی دی تھی، اس کا نگ پارس پتھر کا ہے۔ اس دریافت کے بعد میری مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ راستے میں ڈیزل کے خاتمے کے باعث ہمیں پہاڑی قزاقوں میں پناہ لینی پڑی۔ انہوں نے بڑے اچھوتے انداز میں ہمیں مال و متاع سے محروم کر دیا اور ہم بمشکل موہٹہ پہنچ سکے۔ اس سے اگلے ہی دن ہم دونوں لاری کے ذریعے کھٹمنڈو کے اس شہرِ غدار کی طرف ہو لئے جہاں سے مجھے بے سروسامانی کے عالم میں فرار ہونا پڑا تھا۔

کھٹمنڈو میں ہم دونوں کو سخت ناسازگار حالات کا سامنا کرنا پڑا اور ہم کسی نہ کسی طرح جان بچا کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں پارس پتھر کی کرامت ہماری ساری مشکلات کا حل بنتی رہی اور ہم سرحد عبور کر کے ہندوستان کے سرحدی شہر موتی ہاری جا پہنچے۔ یہاں میں نے اپنا نام گنگارام ہی رکھا۔ موتی ہاری میں قیام کے چوتھے روز انڈین سیکرٹ سروس کے دو اراکین آوارد ہوئے۔ انہیں میرے سونا بنانے کی قوت کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ انہوں نے تہذیب کے ساتھ سونے کے بارے میں کڑی بازپرس کی اور اس بازپرس کی رازداری کی تادیب کر کے لوٹ گئے مگر میں سخت وسوسوں کا شکار ہو گیا اور افراتفری کے عالم میں اسی رات ریلوے اسٹیشن جا پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ ایک بار میں انڈین سیکرٹ سروس کو جل دے کر پچاس کروڑ انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاؤں تو وہ قیامت تک میرا سراغ نہ پا سکے گی۔

موتی ہاری سے ہم لوگ بنارس پہنچے۔ وہاں ہم نے یاتریوں کے ایک مسافر خانے گنیش آشرم میں پناہ لی۔ وہاں سات پجاری پہلے سے موجود تھے۔ رات میں کسی وقت ان لوگوں نے میرے سر پر کوئی چیز مار کر مجھے بیہوش کر دیا اور سیتا کو اغوا کر لیا۔ مسافر خانے کے ایک پجاری رمیش نے تشدد کیا تو اس نے بتایا کہ سیتا کو اناتھ آشرم میں تلاش کر سکتا ہوں۔ یہ معلوم کر کے میں نے اسے قتل کر دیا اور پھر رمیش سے ملا۔ پارس پتھر کا لالچ دے کر میں اسے شہر سے باہر لے گیا۔ رمیش نے بڑی مشکل سے بتایا کہ وہ ساتوں سیتا کو لیکر آئے تھے اور وہ اناتھ آشرم کی ایک زمین دوز کوٹھری میں قید ہے۔ ساری تفصیلات معلوم کر کے میں نے رمیش کو ٹھکانے لگا دیا۔ میں اناتھ آشرم واپس آیا تو اس کے دروازے کے سامنے کافی لوگ جمع تھے ان سے معلوم ہوا کہ اناتھ آشرم میں رہنے والی کوئی بیوہ سات پجاریوں کو زخمی کر کے فرار ہو گئی ہے۔

اناتھ آشرم

کے سامنے رات کی سیاہی میں دور تک پھیلے ہوئے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا میں باہر نکل رہا تھا۔ لوگوں کی گفتگو سے رمیش کی چالاکی کا ایک ثبوت اور سامنے آگیا تھا۔ وہ اپنے ہر غیر قانونی کام کے لئے قانونی خانہ پری ضرور کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ سفید فام سیتا کو بیوہ کہہ رہے تھے۔ غالباً رمیش نے اناتھ آشرم کے رجسٹر میں سیتا کے بارے میں ایسے فرضی اندراجات کئے ہوئے تھے جن سے پتہ چلتا ہو کہ وہ اناتھ آشرم میں داخل کی جانے والی کوئی لاوارث بیوہ ہے۔!

گنیش مندر میں خیراتی ٹکڑوں پر پلنے والے وہ سات مسٹنڈے پجاری میری بلکہ رمیش تک کی توقعات سے بڑھ کر ہوس کار اور بے خوف نکلے تھے۔ راج مندر کے ویران تہ خانے میں اپنی بقا کی جدوجہد کے دوران میں رمیش نے مجھے بتایا تھا کہ گنیش مندر میں میرے ہاتھوں ہونے والے پجاری کے قتل کے سلسلے میں پولیس ان ساتوں پر شبہ کر رہی ہے اور ان کی نگرانی کی جا رہی تھی۔۔۔ دوسری طرف وہ لوگ یہ اندازہ بھی لگا چکے تھے کہ قتل کی اس واردات میں میرا ہاتھ ہے مگر سیتا کے بارے میں یہ تمام خطرات بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے۔ وہ رات کی سیاہی میں اس نیت سے اناتھ آشرم پہنچے ہوں گے کہ رمیش کے ساتھ مل کر ہوس، بربریت اور درندگی کا کھیل رچائیں اور رمیش کو موجود نہ پاکر انھیں اپنی دلی مراد برآتی نظر آئی ہوگی۔ رمیش وہاں ہوتا تو شاید کسی قیمت پر انھیں سیتا کے ساتھ جبر و تشدد کی اجازت نہ دیتا۔ اس کے بارے میں میرا قیاس یہی تھا کہ اپنے اصولوں کے تحفظ کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتا۔

پھر ان ساتوں نے یقینی طور پر سیتا کو شیشے میں اتار کر رمیش کے آراستہ گھر میں محفل جمائی ہوگی۔ ان کی ہدایت پر سیتا وہاں لائی گئی مگر حیرت انگیز طور پر وہ پہاڑوں کی غیور بیٹی ان سات دیو ہیکل بھیڑیوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ چار اس کے ہاتھوں مارے گئے، تین زخمی ہوئے اور وہ ایکبار پھر آزاد فضاؤں میں نکل آئی۔!

یہ سوچتے ہوئے بار بار میرے وجود میں غرور کا جذبہ سرائیت کئے جا رہا تھا مجھے اپنے مقدر پر رشک آرہا تھا کہ میری بیوی کوئی بے بس، مظلوم اور ناتواں لڑکی نہیں تھی۔ مشرقی لڑکیوں کے برعکس اس کے وجود میں قوت عزم اور حوصلے کے وہ جذبے پوشیدہ تھے جن کے سامنے پہاڑوں کے سینے پھٹ پڑتے ہیں۔ اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے وہ کسی کی محتاج نہ تھی۔ ساری عمر ہمالیہ کے سنگلاخ برف زاروں میں برہنہ تن گزارنے کے باوجود وہ پاکیزگی کے مفہوم سے خوب آشنا تھی، جس وقت میں نے لنگوروں میں پروان چڑھنے والی سیتا کو کسی بھی خفت یا شرمندگی سے عاری اور مادر زاد برہنہ حالت میں دیکھا تھا تو میرے دل میں یقینی طور پر اس بات کا شائبہ تک نہیں تھا کہ سندری کی وہ حسین اور نوخیز بیٹی اپنی طرف اٹھنے والی بھوکی نگاہیں نوچ ڈالنے کی قوت رکھتی ہوگی مگر اب وقت اس کا سب سے بڑا گواہ تھا۔ وہ گندے انسانی خون کی ہولی کھیل کر اپنا دامن صاف بچالے گئی تھی۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ ساتوں اسے چھو بھی نہ پائے ہوں گے کیونکہ پامالی کے بعد عورت اپنے آنسو تو بہا سکتی ہے، اپنے لٹیروں کا خون بہا نا ان کے لئے عملاً ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے!

میں اپنے ذہن میں گونجتے ان والہانہ خیالات میں کھویا نہ جانے کب اس ہجوم سے باہر نکل آیا، جب خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو میں رات کے ہولناک سناٹے میں ایک ویران سڑک پر کھڑا ہوا تھا اور قرب و جوار سے آوارہ کتوں کا تیز شور رہ رہ کر سنائی دے رہا تھا۔

بنارس ایک بہت بڑا شہر ہے۔ نہ جانے یہ میرے مقدر کی خرابی تھی یا حالات کی ستم ظریفی کہ تقدس اور ماورائی اسرار کی اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی میرا واسطہ گناہ کی بدترین اقسام سے پڑا تھا۔ میں خود کو بالکل اسی دھارے میں بہتا محسوس کر رہا تھا جس میں انند رام اپنا ذہنی توازن کھو کر معمولی محنت کش سے ایک خونی درندہ بن گیا تھا۔ مجھ میں اور اس خود ساختہ مہارشی میں فرق بس یہی تھا کہ اس کی روح سندری کے خونچکاں تجربے کے نتیجے میں زخموں سے چور ہوگئی تھی۔ مگر میرا پندار ابھی قائم تھا، میرا سر ابھی بلند تھا اور یہی عزم مجھے سیتا کی تلاش کی مہم میں سہارا دینے والا تھا۔

رات دھیمے دھیمے بہی جا رہی تھی۔ لمحے خاموشی سے سرک رہے تھے، درندوں کے غول سے بھڑکی ہوئی میری خوفزدہ ہرنی انسانوں کے اس جنگل میں نہ جانے کہاں بھٹک رہی تھی، اس کا رنگ، روپ، سراپا اور انداز لاکھوں میں منفرد تھا، اسے بھرے مجمع میں الگ سے پہچانا جا سکتا ہے، لے دے کر رات کی سیاہی ہی اس کی مددگار تھی اور جب رات بیت جاتی تو شہری زندگی سے ناآشنا وہ معصوم لڑکی اس اجنبی شہر میں کسی قیمت پر روپوش نہ رہ سکتی تھی۔ صبح کا اُجالا پھیلتے پھیلتے اناتھ آشرم کا خونیں فسانہ پورے شہر میں گونجنے لگتا، گنیش مندر میں قتل کی ایک واردات ہی نے پورے شہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر یہ تو سات فتنوں کا معاملہ تھا۔!

حالات کی یہ تصویر بڑی بھیانک تھی، میرے بدن کے مساموں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا اور پیٹ میں خوف سے ہلکی ہلکی اینٹھن ہونے لگی جیسے ساری آنتیں ایک سخت گولے کی شکل اختیار کر چکی ہوں۔ میری کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ میں سیتا کو کہاں تلاش کروں، اپنے دشمنوں سے معرکہ نمٹا کر وہ نہ جانے کدھر فرار ہوگئی تھی!

مجھے سفر در قرار دینے والی اب خود فرار ہو چکی تھی!

میں پاگلوں کی طرح بنارس کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا، لیکن مجھے سیتا تو کیا اس کی بو تک نہ محسوس ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد آسمان سے تاریکی چھٹنے لگی، پھر آہستہ آہستہ آسمان پر سورج کی روشنی بکھرنے لگی اور ہر طرف چہل پہل شروع ہوتی گئی!

صبح کے اخبارات میں میری توقع کے مطابق اس واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ آیا تھا۔ رات کے تین بجے ہونے والے واقعات عموماً اگلے ہی دن اخبارات میں آتے ہیں کیونکہ بڑے سے بڑے اخبار کے بھی آخری صفحات ایک ڈیڑھ بجے تک چھاپہ خانے کی مشینوں پر لگا دیئے جاتے ہیں۔ مگر دس بجے تک بنارس کے گلی کوچے سیتا کے نام سے گونجنے لگے۔ اس شہر کی تاریخ میں وہ واقعہ اتنا ہولناک تھا کہ تقریباً سارے ہی اخبارات نے سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ اس حادثہ پر تفصیلی ضمیمے نکال دیئے۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک ضمیمہ خریدا۔ اس کے پورے صفحہ کی سرخی چونکا دینے والی تھی۔ "مندروں کا شہر نیلی آنکھوں والی سفاک قاتلہ کے چنگل میں"۔

نیچے چند ضمنی سُرخیاں پھر مرنے اور زخمی ہونے والے مسکین درندوں کی تصاویر تھیں۔ ایک گوشے میں اناتھ آشرم کی نگہبان سرتیا کی بھی تصویر تھی۔ خبر میں سرتیا کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ سینا کو ایک ہی روز پہلے ایک بارِیش یوگی لاوارث بیوہ کے طور پر آشرم میں چھوڑ گیا تھا۔ پچھلی رات سینا کسی طرح سے رمیش کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب ہوگئی اور سوتے ہوئے پنڈتوں کا خون خرابہ کر کے بھاگ نکلی۔ اناتھ آشرم والے میری توقعات سے بڑھ کر چالاک تھے ان ساتوں نے سرتیا کو پوری طرح ساتھ ملایا ہوا تھا۔ زندہ بچ جانے والے پنڈتوں نے اس کے بیان کی تصدیق کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ سرتیا کو ان کے سامنے آشرم لایا گیا تھا اور انھوں نے سینا کو لانے والے یوگی کا جو حلیہ بیان کیا وہ میرا ہی تھا۔ اخبار کے مطابق پولیس نے شہر سے نکاسی کا ہر راستہ بند کر دیا تھا اور سینا کے ساتھ ہی اسے لانے والے یوگی، گنگا رام کی بھی تلاش میں تھی۔ اس طرح اپنی دانست میں انھوں نے مجھے بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ میں اناتھ آشرم میں قدم رکھنے سے قبل اپنی داڑھی اور بھنویں مونڈ کر اپنا حلیہ بالکل ہی تبدیل کر چکا تھا ورنہ بغیر مہلت دھر لیا جاتا۔!

مجھے کھانے پینے تک کا ہوش نہ تھا۔ سر پر بس یہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح اس شہرِ خرابات میں سینا کو ڈھونڈھ نکالوں جس کا نام بنارس کے ہر گھر اور ہر مجمع میں سُنائی دے رہا تھا۔ پھر شام کے اخبارات آئے۔ بنارس سے ان دنوں دو انگریزی اور تین ہندی اخبار ہر شام چھپتے تھے۔ ان میں سینا کے بارے میں ایک نئی خبر تھی جسے پڑھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

چند شہریوں نے گنیش مندر کے عقب میں بہنے والے نالے کے قریبی ٹیلوں پر ایک دراز قامت سفید فام لڑکی کو دیکھا جو مشکوک انداز میں وہاں ٹہل رہی تھی۔ چند آدمی وہاں پہنچے تو وہ نیلی آنکھوں والی ثابت ہوئی۔ پھر جوں ہی ایک شخص "یہی ہے سیتا" کا نعرہ مار کر اس کی طرف لپکا، لڑکی نے ناقابلِ یقین پھرتی کے ساتھ اسے واپس فضا میں اچھال دیا۔ باقی لوگوں نے اسے گھیرنے کی کوششیں شروع کر دیں مگر کوئی بھی اسے زیر نہ کر سکا۔ جتنی دیر میں قرب و جوار سے دوسرے لوگ مدد کو پہنچتے، لڑکی تین شہریوں کو زخمی کر کے بندر کی طرح قلانچیں مارتی پل بھر میں پہاڑیوں میں غائب ہوگئی۔ پولیس نے اطلاع ملتے ہی سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا اور سینا کی تلاش کی کارروائی پورے زور و شور سے جاری تھی۔ اخبار نے اپنے طور پر اس امکان کا بھی اظہار کیا تھا کہ اگر اس خونخوار اور وحشی لڑکی کی تلاش میں ضرورت پیش آئی تو فوج سے بھی مدد لی جائے گی جس کے چند دستے ان دنوں فیض آباد کی چھاؤنی سے مشقوں کے سلسلے میں بنارس کے نواح میں آئے ہوئے تھے۔!

یہ خبر پڑھتے ہی میرا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔ سینا بنارس میں لاکھ اجنبی سہی مگر اسے راستوں کی شناخت میں حیرت ناک ملکہ حاصل تھا۔ یہ تو میرا ذاتی تجربہ تھا کہ وہ تا حدِ نظر پھیلے ہوئے یکساں پہاڑوں میں محض پتھروں اور جھاڑیوں کی شناخت کے ذریعے اپنی راہ ڈھونڈھ نکالتی تھی۔ لہٰذا پچھلی شب اناتھ آشرم سے فرار ہونے پر اس نے گنیش مندر کا رُخ کرنا چاہا ہوگا۔ اناتھ آشرم چونکہ اسٹیشن اور گنیش مندر کے درمیانی راستے پر واقع تھا جس سے میں سینا کے ہمراہ گزر چکا تھا لہٰذا اس نے راستے کی کوئی نہ کوئی نشانی پہچان لی ہوگی اور مجھ سے ملنے کی توقع میں ادھر ہی کا رُخ کیا ہوگا مگر خوف، ہیجان اور بے اعتمادی کے سبب میری عقل پر پتھر پڑ گئے اور میں گنیش مندر کو بھول کر شہر ہی میں بھٹکتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پچھلی رات سیدھا گنیش مندر چلا جاتا تو سینا خود ہی کسی نہ کسی طرح مجھ سے آملتی اور شاید ہم دونوں اُجالا پھیلنے سے قبل ہی کسی گاڑی میں چھپ کر شہر سے صاف نکل جاتے مگر اب یہ موقع ضائع ہو چکا تھا۔ مجھے گنیش مندر میں موجود نہ پا کر سینا مایوس ہوگئی ہوگی۔ پھر شہریوں سے تصادم کے بعد تو وہ ہرگز وہاں نہ رک سکتی تھی۔ گو اس کا سراغ گم ہو چکا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اب وہ بنارس سے شاید ہی باہر نکل سکے!

میری بھوک پیاس اُڑ چکی تھی، نہ رات کو نیند آتی تھی نہ دن میں سکون ملتا تھا۔ شدید ذہنی انتشار کے عالم میں سارا دن شہر اور اس کے مضافاتی علاقوں میں بھٹکتا رہتا تھا۔ صرف اس امید پر کہ شاید سینا مجھے دیکھ لے اور کسی طرح مجھ سے آملے، لیکن یہ میری احمقانہ خام خیالی تھی۔

ان روح فرسا حالات میں محض اخباری خبریں میرے لئے امید کا پیغام تھیں۔ پولیس گنگا رام کے شبہے میں باسٹھ بارِیش سادھوؤں اور یوگیوں کو حوالات کی سیر کرا چکی تھی۔ ادھر سینا چھلاوہ بنی ہوئی تھی۔ پانچ دن میں وہ تین بار مختلف مقامات پر دیکھی گئی مگر اسے گھیرنا ممکن نہ ہو سکا۔ وہ اپنے قریب سائے کو دیکھ کر بھی بھڑک اٹھتی تھی اور اتنی تیزی کے ساتھ غائب ہوتی کہ چپہ چپہ چھان مارنے پر بھی اس کا سراغ نہ ملتا۔ ایسی ہر خبر میرے لئے آسودگی کا باعث تھی جس سے پتہ چل سکے کہ سینا ابھی آزاد اور زندہ ہے۔

شاید اس کے ستارے عروج پر تھے جو ابھی تک وہ پولیس سے بچی ہوئی تھی۔ اسے ہر بار نہتے شہریوں نے ہی دیکھا۔ مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں وہ مسلح پولیس کے نرغے میں نہ پھنس جائے اور پھر مقابلہ کرتے ہوئے یا فرار کی کوشش میں کسی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔!

سینا کے بارے میں رائے عامہ غیظ و غضب کا شکار ہو چکی تھی، انتظامیہ پر ہر طرف سے لعن طعن ہو رہی تھی اور اخبارات ہر اشاعت میں سینا کو ہیرو کے روپ میں پیش کر رہے تھے۔ اس کے بارے میں قیاس آرائیاں زور و شور سے جاری تھیں۔ پھر یہ پڑھ کر تو میری ساری امیدیں بلبلوں کی طرح بیٹھ گئیں کہ سینا قتل اور اقدامِ قتل کی وارداتوں کے بعد تین بار دیکھی گئی اور ہر بار وہ شہر سے باہر مضافاتی ویرانوں میں نظر آئی، لہٰذا پولیس شہر چھوڑ کر تیزی کے ساتھ نواحی علاقوں میں پھیل رہی تھی!

ساتویں روز ہاکر کی تیز آواز پر میں اچھل پڑا۔

"اتارزن کی بیٹی گرفتار کر لی گئی، پنڈتوں کی قاتل ہتھے چڑھ گئی۔" وہ اخبار فضا میں لہراتا چیختا چلا جا رہا تھا۔

چند ثانیوں تک مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آسکا۔ میرے لئے سینا کی گرفتاری کی خبر ایک اندوہناک صدمے سے کم نہ تھی۔

مگر زندگی نام ہی ان حقیقتوں کا ہے جو ہمیں ناپسند ہوتی ہیں۔ اگر دنیا میں ہر کام انسان کی مرضی اور پسند کے مطابق ہوتا چلا جائے تو دنیا بے کیف ہو کر رہ جائے۔ جدوجہد، مسابقت، ولولہ اور ساری ہمت دم توڑ جائے۔ میں نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوری خبر پڑھ ڈالی۔

میری محبوب اور رفیقِ تمنّا بیوی سینا بخیریت بیٹھی ہاری گئی — وہ نہ جانے کتنی

راتوں کی بھاگ دوڑ اور جانفشانی کے بعد ایک جگہ جھاڑیوں میں پڑی بے خبر سوہنی تھی کہ ایک گشتی دستہ کے سپاہیوں کو جھاڑیوں میں اس کے لباس کی جھلک نظر آگئی اور آناً فاناً میں وہ علاقہ گھیر لیا گیا۔

پولیس پر ستیتا کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ اس خوابیدہ لڑکی کو ہتھکڑیاں پہنانے کے لئے خاصی دیر تک کوئی بھی پیش قدمی نہ کر سکا اور جب اپنی کلائیوں پر سرد آہنی لمس محسوس کر کے وہ جاگی تو چاروں طرف سے رائفلوں کے دہانے اس کی طرف اٹھے ہوئے تھے، میرے ساتھ رہ کر وہ آتشیں اسلحہ کی کارگزاریوں سے باخبر ہو چکی تھی لہٰذا اس نے بلا مزاحمت بدلے ہوئے حالات قبول کر لیئے۔ پولیس اسکے بارے میں سخت رازداری سے کام لے رہی تھی۔ سب سے حیرتناک بات یہ تھی کہ بنارس کا ہر شہری ستیتا کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کے کارناموں اور جرأت مندانہ اقدامات کے باعث لوگوں میں اس کی طرف سے نفرت کا جذبہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا حیرت کا!

بنارس میرے لئے حیرتوں کا مرکز ثابت ہوا تھا، پے در پے ایسے واقعات پیش آتے چلے جا رہے تھے جن کی رفتار پر مجھے کوئی اختیار نہ تھا اور میں اپنا دامن بچانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود حالات کے اس دھارے میں تیزی سے بہا جا رہا تھا۔ موتی ہاری سے میں محض اس وجہ سے فرار ہوا تھا کہ وہاں انڈین سیکرٹ سروس کے دو افراد پُراسرار طریقے پر مجھ سے ٹکرائے تھے اور محض ان سے روپوش ہونے کے لئے میں موتی ہاری سے نکل پڑا تھا، پھر بنارس آنے میں میرے کسی خاص مقصد کا دخل نہیں تھا مگر یہاں مقدر کی گردش میں انڈین سیکرٹ سروس اور دوسرے تمام اندیشے دب گئے تھے کیونکہ پہلے میرے سامنے ستیتا کی تلاش کا مسئلہ تھا اور اب کسی طرح اس کی پولیس سے گلو خلاصی مطلوب تھی۔

پولیس کسی بھی ملک اور شہر کی ہو، مجرموں کے ساتھ اس کا رویہ یکساں ہی ہوتا ہے۔ پھر ہندوستان کی پولیس سے میرا خاصا واسطہ رہ چکا تھا۔ میری سرگرمیاں ہی ایسی تھیں کہ مجھے ہر لمحہ پولیس سے ٹکراؤ کا خوف رہتا تھا۔ پھر ستیتا تو عورت ذات تھی۔ کم از کم یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کوئی معمولی اور گمنام مجرمہ نہیں تھی۔ اس کی شہرت دور دور پھیل چکی تھی لہٰذا اس امر کا امکان ختم ہو کر رہ گیا تھا کہ حوالات میں نچلے درجے کے افسران روایتی انداز میں اس پر تشدد کا وہ انداز اختیار کریں جس میں ان کے لئے تعیش کا پہلو نکل آتا ہو۔ مگر یہ بات تو طے تھی کہ اب ستیتا کے مقدر میں زندان کی سلاخیں لکھی جا چکی تھیں بلکہ یہ امکان قوی تھا کہ اسے کال کوٹھری کے ذریعے پھانسی کے پھندے پر پہنچا دیا جائے گا۔

میں اس کی پیتا کا چشم دید گواہ تو نہیں تھا مگر اس کی مظلومیت اور مجبوری سے اچھی طرح واقف تھا مگر ستیتا شاید کسی طرح عدالت سے اپنے بیان کی صداقت نہ منوا سکتی تھی، زندہ بچنے والے تینوں پجاری اس کے خلاف پوری قوت سے اپنے جھوٹے بیان کی مدافعت کرتے اور یوں چار معصوم پنڈتوں کے قتل کے الزام میں ستیتا ستونِ دار پر کھینچ دی جاتی!

کم از کم یہ بات تو یقینی تھی کہ ستیتا شہر ہی کی کسی حوالات میں نوشتۂ تقدیر بھگت رہی تھی مگر میرے لئے اس کا کھوج نکالنا بہت مشکل تھا۔ ستیتا کے حوالے سے میں کسی سے بھی گفتگو نہیں کر سکتا تھا ورنہ میری ذرا سی بے احتیاطی میری آزادی کے لمحات کو مختصر کر دیتی۔ بدمعاش پنڈتوں کی مفروضہ کہانی کی بنیاد پر پولیس پہلے ہی میری متلاشی تھی اور مجھے یقین تھا کہ میری ذات مشتبہ فہرست میں آتے ہی شناخت کر لی جائے گی داڑھی اور بھنویں صاف ہونے کے باوجود کوئی بھی ذہین آدمی مجھے پہچان سکتا تھا کیونکہ بعض خبروں سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ گزشتہ مدت میں پولیس نے پنڈتوں کی یادداشت کے سہارے کسی مصور سے میرا خاکہ... تیار کرا کے اخباروں میں شہر کر دیا تھا۔ وہ خاکہ میری نظر سے تو نہیں گزرا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کی بنا پر جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی مجھے پہچان ہی لے گا۔

گرفتاری کے تیسرے روز ستیتا سخت مسلح پہرے میں کسی بند عدالت میں... پیش کی گئی اور وہاں سے اس کے بیان کی جو تفصیلات جاری ہوئیں انھوں نے میرے چھکے چھڑا دیئے۔

ستیتا نے ان چاروں کے قتل اور بقیہ تین کے زخمی ہونے کے سلسلے میں تقریباً وہی سب کچھ بتایا تھا جس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جوش میں آ کر میری شخصیت بھی بے نقاب کر دی تھی۔!

اس نے بڑے فخر سے عدالت میں کہا کہ وہ دنیا کے کسی قانون سے نہیں ڈرتی۔ اُس نے جو کچھ کیا، وہ درست کیا ہے اگر عدالت نے اسے سزا دی تو اسے پورا یقین تھا کہ اس کا شوہر جان پر کھیل کر اسے آزاد کرائے گا اور پھر کوئی طاقت اس کی گرد بھی پا سکے گی۔

"میرا شوہر دنیا کا سب سے عظیم انسان ہے"۔ اخبار نے اس کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھا تھا "اس نے برف کے پہاڑوں میں ایک دیو ہیکل درندے کو نیست و نابود کر دیا۔ وہ اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے میں ناقابلِ یقین مہارت رکھتا ہے، تم مجھے قید کر دو مگر وہ مجھے رہا کرا لے گا۔ وہ بلا کا ذہین ہے، طاقت میں بھی اس کا ثانی ملنا محال ہے اور زر سے دنیا کی ہر چیز خرید سکتا ہے۔ وہ جب چاہے لوہے سے سونا بنا کر اتنی رقم حاصل کر سکتا ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی... تم اسے کبھی نہ پکڑ سکو گے۔ وہ جب چاہتا ہے صفدر علی بن جاتا ہے۔ جب چاہتا ہے گنگا رام بن جاتا ہے۔ وہ ایک انسان ہے مگر اس کے بے شمار بہروپ ہیں۔ میرا صفدر مجھ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو گا۔"

یہ پڑھ کر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ستیتا نے نادانی میں میرے لئے بڑی دشواریاں کھڑی کر دی تھیں اور وہ ان کے نتائج سے بے خبر تھی۔ اس طرح اب پولیس میرے بارے میں ہر امکانی پہلو پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتی اسی کے ساتھ کیمیا گری کا اہم راز بھی افشا ہو چکا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ عدالت اور پولیس کی کڑی باز پرس کے باوجود ستیتا نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ میں لوہے کو سونا کیسے بناتا ہوں۔

اس کے بعد تو مجھے ہر راہگیر کی نظریں... اپنے وجود میں اترتی محسوس ہونے لگیں مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہنے لگا کہ کہیں کوئی مجھے پہچان نہ لے۔

اگلے کئی روز اخبارات میرے بارے میں ستیتا کے انکشافات کو خوب اچھالتے رہے۔ ادھر معاملہ سنگین جرم بہت واضح اور اقبالِ جرم موجود تھا لہٰذا غیر روایتی انداز میں مقدمہ کی مسلسل سماعت ہوتی رہی اور چار دن بعد عدالت نے اسے عمر قید کی سزا سنا دی۔

اپنے ہوش میں اس روز میں پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بھری دنیا میں تنہا رہ گیا ہوں۔ ستیتا کے جیل پہنچائے جانے کے بعد اسے دیکھنے یا اس سے ملنے کی ہر امید دم توڑ گئی۔ اب تو بس یہی راستہ رہ گیا تھا کہ

میں بھی خود کو قانون کے حوالے کردوں اور اپنے کردہ و ناکردہ گناہوں کی پاداش میں زندان میں ڈال دیا جاؤں تاکہ سیتا کے قریب رہ سکوں۔ سیتا کی زندگی کے بہترین چودہ سال جیل کی عقوبت زدہ فضا کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ اپنے شوہر پر ناز کرنے والی وہ حسین و جمیل لڑکی جب طویل انتظار کے بعد بالوں ہو جاتی تو جیل ہی میں اس کی صحت کو گھن لگ جاتا۔ میرے تصور میں چودہ برس بعد کی وہ تصویر ابھر آئی جس میں سیتا ہڈیوں کے بیمار ڈھانچے کی صورت میں بنارس جیل کے ہولناک آہنی پھاٹک سے نکل رہی تھی!

میں یک بیک بے چین ہو گیا۔ دل میں ہوک سی اٹھی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ ہر خطرہ مول لیکر میں جیل میں سیتا کے ملاقاتی کی حیثیت میں جاؤں گا۔ اگر قدرت کا فیصلہ یہی تھا کہ میں سیتا کے ہمراہ ہندوستان کا قیدی رہوں تو میں کسی قیمت پر اس فیصلے کو نہیں ٹال سکتا تھا۔ ورنہ دوسری صورت میں شاید قانون کے محافظوں کی بصارت مجھے پہچاننے سے معذور ہو جاتی!

میں اپنے سینے میں سلگتی آگ کو دبائے اس خشک نالے سے نکلا جسے ان دنوں میں شب بسری کے لئے استعمال کرتا تھا اور اپنے خیالات میں کھویا شہر کی طرف چل دیا۔ میرا ارادہ اسی دن جیل میں جا کر سیتا سے ملنے کا تھا۔

میں اپنے خیالات میں گم شہر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ اچانک میری چھٹی حس نے قرب و جوار میں کسی خطرے کی موجودگی کی نشاندہی کی۔

میں نے ہڑبڑا کر اس پاس کا جائزہ لیا اور میرا دل یک بیک کنپٹیوں میں دھکنے لگا اس وقت میں شہر کے ایک نسبتاً کم آباد علاقے سے گزر رہا تھا جہاں سڑکوں پر آکا دکا ہی راہگیر نظر آ رہے تھے مگر میرے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر دو دراز قامت اور جسیم غنڈے پتلونوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، شانے ملائے میرے پیچھے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ان سے بس ایک لحظہ کے لئے میری نظریں چار ہوئیں اور میں نے محسوس کیا کہ ان کی عقابی نظریں میرے بشرے پر رحم کر رہ گئیں۔ ان کے ہونٹوں پر تحقیر اور فتح مندی کے ملے جلے جذبوں میں ڈوبی مسکراہٹ رقصاں تھی۔!

غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی مگر وہ آہٹیں بدستور اسی فاصلے سے سنائی دیتی رہیں۔ وہ دونوں موت کے فرشتوں کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

میں نے ایک ٹانگے کے لئے سوچا۔ گو پولیس والوں کے چہروں پر بھی معصومیت نہیں برستی لیکن میرا برسوں کا تجربہ بتا رہا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والے محض غنڈے ہیں اگر وہ سرکاری کارندے ہوتے تو مجھے یوں ڈرامائی انداز میں ہراساں کرنے کے بجائے للکار کر اپنے شبہات دور کرنے کے لئے کڑی اور دو ٹوک باز پرس کرتے اور اس کے نتیجے میں ایک رائے قائم کر لیتے۔

میں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی مگر وہ آسیبی آہٹیں دور نہ ہوئیں۔ میں نے چلتے چلتے اپنا سر پیچھے گھمایا۔ وہ اسی طرح شانے ملائے چلے آ رہے تھے۔ مجھے متوجہ پا کر ان میں سے ایک نے سر جھکا لیا اور اپنے ساتھی کے کان میں کوئی سرگوشی کی اور وہ دونوں ایک ساتھ زور سے ہنس پڑے، سرد اور بھیانک سی ہنسی جس میں زندگی جھلک رہی تھی!

یہ کیفیت ہیجان انگیز تھی۔ اگر وہ مجھ سے بات کر لیتے یا کچھ بھی لیتے تو میں اتنا پریشان نہ ہوتا لیکن ان کی اس خاموش مگر کھلے تعاقب نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیئے۔ میں نے بتدریج اپنی رفتار کم کر دی اور شاید ان کے قدم بھی سست پڑنے لگے۔

اور جب میں ایک قدرے بارونق علاقے میں پہنچا تو میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں چلتے چلتے ایک دم رک گیا ادھر وہ دونوں آگے بڑھتے چلے آئے تھے اور میرے قریب دونوں پہلوؤں پر آ رکے۔!

"تم لوگ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پُرسکون لہجے میں اُن سے پوچھا۔

"پیچھا۔!" اُن میں سے ایک ہنسا۔ "بھلا ہم تمہارا پیچھا کیوں کرنے لگے۔؟"

"تم کافی دور سے میرے پیچھے لگے آ رہے ہو!" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میں بالکل قلاش اور مفلس آدمی ہوں، بھگوان کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"اگر ہم خاموشی سے ایک ہی راستے پر چلے آ رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔" اُن میں سے ایک میری طرف جھک کر سخت لہجے میں بولا۔

"چھوڑ یار۔ کیوں وقت خراب کر رہا ہے!" اس کا دوسرا ساتھی بیزاری سے بولا۔ پھر غور سے میرے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔ "پنڈت جی تم نے داڑھی کب صاف کرائی ہے؟"

میرا دل یک بیک ڈوبنے لگا۔ مگر میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "فرض کرو کہ چند دن قبل ہی صاف کرائی ہے؟"

"شاباش!" یہ کہہ کر اس نے میرے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی۔ "مجھے سچے آدمی پسند ہیں۔ اگر تم انکار کرتے تو اپنے چہرے پر تازہ صاف کی ہوئی داڑھی کے سبب نمایاں ہونے والی صاف رنگت کا جواز پیش نہ کر پاتے! اب جلدی سے اپنا نام بھی بتا دو۔!"

"کیا ہم یہ ساری گفتگو کسی اور جگہ نہیں کر سکتے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

مگر وہ بلا کا چالاک تھا۔ شاید اس نے میری آنکھوں میں مکاری کی پرچھائیں دیکھ لی۔ فوراً سخت لہجے میں بولا۔ "پنڈت کو فریب دینے والے صرف اور صرف موت سے دوستی کرتے ہیں۔ وہ زندگی بھر بنارس کی جیل میں سڑتی رہے گی اور تمہاری ہڈیاں کسی ویرانے میں گدھوں کے بوجھ سے چٹختی رہیں گی۔!"

میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑتی محسوس کی۔ "پتہ نہیں تم کس کی بات کر رہے ہو۔؟"

"اڑنے کی ضرورت نہیں!" وہ غرایا۔ "ہم دونوں کی جیبوں میں بھرے ہوئے ریوالور موجود ہیں، تم کسی بھرے بازار میں بھی مارے جا سکتے ہو لہٰذا حماقت کی ضرورت نہیں خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے آؤ۔"

"عجیب دھوکا ہے، پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی کا شکار ہو!" میں سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ مگر ان کا اعتماد کم نہ ہوا۔ آخر کار ان میں سے ایک آگے ہو لیا۔ میں درمیان میں اس کی تقلید کرنے لگا۔ دوسرا چند قدم کے فاصلے سے میرے پیچھے چلنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم سیاہ رنگ کی ایک آسٹن کے قریب پہنچ گئے۔ پہلا غنڈہ مجھے ساتھ لیکر عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ دوسرے آدمی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور کار تیزی سے ایک طرف چل دی۔!

"تم لوگ کون ہو؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس شہر میں ہمارے نام کا سکہ چلتا ہے۔" پہلا غنڈہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "ہمیں تم سے کوئی پرخاش نہیں، ہم صرف سونا بنانے کی ترکیب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔!"

میں نے دل ہی دل میں سیتا کو ایک موٹی سی گالی دی میرے اندیشے درست نکلے تھے۔ عدالت میں اس کی ہرزہ سرائی کے نتیجے میں پولیس کے علاوہ مقامی جرائم پیشہ افراد بھی میرے پیچھے لگ چکے تھے۔

"سونا!" قدرے خاموشی کے بعد میں بے جان انداز میں ہنسا "سونا بنانا اگر ایسا ہی سہل ہوتا تو اس وقت میں تمہیں فٹ پاتھ پر گھومتا ہوا نظر نہ آتا۔"

"بکواس مت کرو!" ٹنڈن یک بیک تیور بدل کر غرایا "میں تمہاری اصلیت کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں اور اگر تم نے میرے ساتھ تعاون نہ کیا تو زبردست خسارے میں ہوگے۔"

"میں نفع نقصان سے بے نیاز ہوں۔" میں آخری لمحے تک مزاحمت کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"یہ وقت بتلائے گا۔" وہ الفاظ چبا کر بولا۔

پھر سفر خاموشی سے جاری رہا۔ آخر سیاہ آسٹن ایک سالخوردہ سی مضافاتی سڑک پر طویل سفر طے کرنے کے بعد پتھروں سے بنی ایک ذیلی سڑک پر اتر گئی جس کا اختتام ایک چوبی پھاٹک پر ہوا۔ پھاٹک کے اردگرد خاردار تاروں کے اندر تنآور درخت پھیلے ہوئے تھے اور فضا امرودوں کی مہکار سے رچی ہوئی تھی!

ہارن کی آواز پر ایک بوڑھے نے پھاٹک کھول دیا اور آسٹن دھول اڑاتی تیزی سے اندر گھستی چلی گئی۔ وہ امرود کا کوئی بہت بڑا باغ تھا جس کے کافی اندرونی حصے میں تختوں کی ایک وسیع سی عمارت بنی ہوئی تھی جس پر باہر سے سناٹے کا راج نظر آتا تھا۔

وہ دونوں مجھے لیکر اس غیر مقفل چوبی عمارت میں داخل ہو گئے جو اندر سے خاصی مزین اور آراستہ تھی اور بظاہر ہم تینوں کے سوا وہاں کوئی موجود نظر نہ آتا تھا۔

چوبی عمارت کے پرتکلف ڈرائنگ روم کے بجائے ہماری پیش قدمی کا اختتام ایک بے رونق کوٹھری میں ہوا۔ یہاں فرش پر ایک میلی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک گوشہ میں مضبوط آہنی الماری موجود تھی جبکہ کھپریل کو سہارنے والی کڑیوں میں تین آہنی کڑے جھول رہے تھے!

وہاں میرے ہاتھ سے تھیلا چھین لیا گیا۔ ٹنڈن نے اسے فرش پر الٹا اور میرے پستول پر نظر پڑتے ہی اسکے لبوں پر زہرخند پھیل گیا۔ "یہ تمہارے پاس کیسے ہے پنڈت جی؟"

"میں پنڈت نہیں صفدر علی ہوں!" میں سر جھکا کر بولا۔ "تمہارا اندازہ درست تھا!"

"شاباش!" ٹنڈن تحسین آمیز لہجے میں بولا "ہم سے معاملہ کر کے تم گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ ہمارے وسائل لامحدود ہیں اور اگر تم نے استاد کا اعتماد جیت لیا تو ہمارے آدمی جیل توڑ کر سیتا کو تمہارے پاس پہنچانے کی اہلیت رکھتے ہیں، ہمارے دھندے کالے مگر دل ہیرے کی طرح شفاف ہیں۔"

"سیتا کا بیان غلط تھا" میں سونا بنانے کی کوشش میں ضرور مصروف ہوں مگر ابھی تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے!" میں نے کہا "ویسے میں اس سلسلے میں تمہارے استاد کی تسلی کرانے کو تیار رہوں۔"

"استاد کی طرف سے اس معاملے میں ٹنڈن کو پورا اختیار حاصل ہے۔" اس بار دوسرا آدمی بول پڑا۔ "یہ دوطرفہ سودا ہے جس کی صرف ایک ہی قیمت ہے۔ ہمارے لئے سونا تیار کرو اور ہم سیتا کو آزاد کرا دیں گے۔ اس کے علاوہ ہر بات بیکار ہے۔"

"مگر میں بتا رہا ہوں کہ ابھی میں سونا بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا!"

"برابری سے بات کرتے ہوئے تم یہ سب بکواس کر سکتے ہو!" ٹنڈن غرایا۔ "مگر ہم تشدد کے سامنے تم سے سچ اگلوا لیں گے۔ اس عمارت میں اگر تم ذبح بھی کر دیئے جاؤ تو تمہاری چیخیں کسی کو متوجہ نہ کر سکیں گی اور اگر تم ہماری تھرڈ ڈگری سے زندہ بچ نکلے اور تمہارا یہ بیان سچ ثابت ہوا تو ہم تمہیں پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ گنیش مندر کے پجاری کے قتل کے سلسلے میں واقعاتی شہادتیں تمہارے خلاف ہیں اور تم پھانسی کے پھندے سے بچ بھی جاؤ تو لمبی قید سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ سیتا کے ہاتھوں زخمی ہونے والوں نے تمہارے بارے میں پولیس سے جھوٹ بولا ہے مگر ہمارے سامنے انھوں نے ہر سچ اگل دیا ہے۔" میری نظریں اپنے اس سامان پر جمی ہوئی تھیں جو ٹنڈن نے تھیلے سے فرش پر الٹ دیا تھا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا بدنما ہتھیار ٹنڈن کے ہاتھ میں تھا مگر میں اس کی آخری گولی تک استعمال کر چکا تھا اس کے علاوہ فرش پر دو ہتھیار اور بھی تھے۔ ایک تو تیز دھار والا وہی خنجر تھا جس کا پھل گنیش مندر کے ایک خدمت گار کی موت کا بہانہ بنا تھا، دوسرا استرا تھا۔ استرے کی دھار گو موثر تھی مگر کسی جان گسل معرکے میں اسے حسب مرضی استعمال کرنا مشکل تھا جبکہ خنجر مجھ سے نسبتاً دور ٹنڈن کے گھٹنے کے قریب پڑا ہوا تھا۔ اگر میری جنبش سے ایک ثانیہ قبل بھی اسے میری نیت پر شبہ ہو جاتا تو خنجر میرے ہاتھ لگنا ناممکن تھا — میں بظاہر یوں بیٹھا رہا جیسے ٹنڈن کی گفتگو نے میرے لئے لمحہ فکریہ پیدا کر دیا ہو مگر میرا ذہن تیزی سے ان سے نجات حاصل کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا!

"تمہارا فیصلہ بہت سخت ہے ٹنڈن!" آخر کار میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی "میں تمہیں ہر طرح یقین دلانے کو تیار ہوں کہ میں آج تک سونا بنانے میں پوری کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ میں ہر کامیابی حاصل کر چکا ہوں مگر میرا بنایا ہوا سونا اصل کے مقابلے میں ذرا سخت ہوتا ہے اور کسوٹی پر ہر صراف یہ بات پکڑ لے گا۔ ہاں آنکھ سے بڑے سے بڑا تجربہ کار صراف بھی دھوکہ کھا جائیگا اور نرمی لانے کے لئے مجھے بھاندرناس نامی ایک بوٹی درکار تھی جسے ہمالیہ پر بسنے والے آدم خور نیپالی قبائل پوجتے ہیں۔ میں اسی کی تلاش میں اناپورنا کی طرف گیا تھا مگر میرا مقدر یاور نہ تھا جو میں بھاندرناس نہ لا سکا اور بمشکل اپنی جان بچا کر وہاں سے واپس بھاگ سکا۔ تم چاہو تو میں تمہیں منوں کے حساب سے ایسا سونا تیار کر کے دے سکتا ہوں مگر سب سے پہلے تمہیں سیتا کو جیل سے نکالنا ہوگا تاکہ میں یکسوئی کے ساتھ اپنا کام کر سکوں۔"

"اس سونے پر لاگت کیا آتی ہے؟" ٹنڈن کو شاید میری گفتگو پر یقین آگیا تھا۔

"بڑے پیمانے پر میں نے یہ سونا صرف ایکبار بنایا ہے۔" میں نے بتایا "اس کی لاگت دس روپے تولہ سے زیادہ نہیں آئی تھی۔"

"اور اگر اسے اصلی سونے میں ملایا جائے تو کیا ہوگا؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

اس تجویز پر میں واقعی اچھل پڑا۔ "ہاں — یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا تم ٹھیک کہتے ہو، یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔ اگر ہم ایک خاص تناسب سے ان دونوں کی ملاوٹ کر کے سونے کی اینٹیں ڈھال لیں تو کوئی کسوٹی ہماری چال نہ پکڑ سکے گی۔ اس طرح ہم بآسانی دس کے پانچ سو اور چھ سو روپے بنا سکتے ہیں۔" یہ بات پوری کرتے ہی مجھے اپنی حماقت کا خیال آیا۔

ٹنڈن کی تجویز پر میں یوں چونکا تھا جیسے اصل سونا تیار کرنا واقعی میرے بس

کی بات نہ ہو۔ حالانکہ یہ مسئلہ پارس کے نہ ملنے تک باقی تھا اور اب پارس پتھر میرے ہوتے ہوئے میں ہر مقدار میں اعلیٰ ترین معیار کا سونا بنا سکتا تھا۔ بہر حال ٹنڈن کی تجویز پر مجھے یہ خلش ضرور ہوئی کہ اگر کراچی میں جمال سنیاسی کے ساتھ کیمیاگری کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال آجاتا تو اس وقت میں اپنے ملک اور اپنے شہر میں بہترین زندگی گزار رہا ہوتا۔ بھاندر ناس کی تلاش میں میں نے جو ناقابلِ بیان صعوبتیں جھیلی تھیں، شاید میں اُن سے بچ جاتا مگر اگلے ہی لمحے میں یہ خلش دُور ہو گئی کیونکہ میں نے ان صعوبتوں کے بہت بھاری دام پائے تھے۔ سیتا جو شاید اس صدی کی سب سے عجیب لڑکی تھی محض بھاندر ناس کی تلاش کے بہانے میری بیوی بنی تھی اور پارس پتھر جو تاریخ کی شاید سب سے تہلکہ خیز دریافت تھی، اسی مہم میں میرے ہاتھ لگا تھا!

"یہ معاملہ ذرا مختلف ہے، مجھے استاد سے اجازت لینی پڑے گی۔" ٹنڈن کہہ رہا تھا "مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ سیتا کو جیل سے نکالنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اگر استاد ہمارے منصوبے سے متفق ہو گیا تو تمہیں فوراً ہی کام شروع کرنا ہوگا۔ ہم سیتا کو جلد از جلد باہر لانے کی کوشش کریں گے مگر اس بارے میں وقت کی کوئی شرط قابلِ قبول نہیں ہو سکتی!"

گفتگو معقولیت کے رُخ پر تھی۔ اس وقت میرے سامنے بے شمار مسائل بکھرے ہوئے تھے اور سیتا کی رہائی کے معاملے میں، میں بالکل بے بس تھا۔ سیتا کے لئے تنہا جیل سے نکل بھاگنا تو محض احمقانہ خیال تھا۔ اب اگر پارس پتھر کو ان لوگوں کی نظروں میں لائے بغیر مجھے ان کا تعاون حاصل ہو رہا تھا تو یہ میری غیبی امداد تھی۔ بعض اوقات بدترین لوگوں سے بھی قدرت بعض بہت اچھے کام لے لیتی ہے اور ٹنڈن شاید اسی صف میں شمار کیا جانے والا تھا اور مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔!

ہر بڑے جرائم پیشہ کی طرح یقیناً ان لوگوں کا بھی مضبوط گروہ رہا ہوگا۔ میں کیمیاگری کے ذریعہ ان کی ہمدردیاں جیت سکتا تھا۔ بنارس میں ان کی جمعیت میرے لئے زبردست سہارا بنی رہتی اور میں ان کی پناہ میں روپوشی کا طویل عرصہ گزار سکتا تھا حتیٰ کہ میرے اور سیتا کے افسانے محض خواب بن جاتے پھر میں سیتا کو لیکر باسانی اپنے ملک کی طرف نکل سکتا تھا!

میں نے خنجر اور راسنے کو نظر انداز کر دیا۔ اُن سے اُلجھنے میں سراسر نقصان تھا یوں میں شہر میں اپنے دشمنوں میں اضافہ ہی کرتا اور میرے لئے تنہا اتنے محاذوں پر برسرِ پیکار رہنا مشکل تر ہو جاتا۔!

"مجھے اس بات کا احساس ہے!" میں نے ٹنڈن سے کہا۔ "اور جب ہم ایک سمجھوتے پر پہنچ چکے ہیں تو میں صرف یہ کہوں گا کہ ہمارے معاہدے کی بنیاد نیک نیتی ہے۔"

اس کے بعد وہ کوٹھری غیر ضروری ہو گئی۔ میں ان کے قیدی سے مہمان کے درجے پر آ گیا۔ ہم تینوں ڈرائنگ روم میں آئے تو ٹنڈن کہیں اور چلا گیا۔ اس کا ساتھی جس کا نام جسونت راؤ تھا، میرے ساتھ رکا رہا۔

"کیا یہ درست ہے کہ سیتا کو تم ہمالیہ کے علاقے سے ساتھ لائے ہو؟" جسونت راؤ نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ــــ وہ مجھے وہیں ملی تھی۔!"

"مگر وہ وہاں کیسے پہنچی؟" اس نے پوچھا۔

"یہ بہت لمبی کہانی ہے۔" میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا "مگر وہ اس قدر دلیر اور حوصلہ مند لڑکی ہے کہ ہمارے لئے اس کا تصوّر تک محال ہے۔!"

"تم اسے غیر قانونی طریقے پر جیل سے نکالنا چاہتے ہو؟" وہ بولا "مگر اس کے بعد وہ کبھی آزادی کا سانس نہ لے سکے گی۔ میں نے اس کی تصویریں دیکھی ہیں۔ اس کا رنگ روپ اور چہرہ مہرہ لاکھوں میں پہچانا جائے گا اور جب بھی وہ کھلے بندوں باہر نکلی، دھر لی جائے گی۔"

"اس کا مجھے بھی اندازہ ہے۔ میں اسے گوشہ نشینی اختیار کرنے پر آمادہ کر لوں گا۔ وہ جس قدر سرکش ہے اس سے زیادہ شوہر پرست ہے!"

"اس کا تو مجھے اندازہ ہے۔" وہ لطف لیتے ہوئے ہنسا "وہ تمہیں روئے زمین کا سب سے عقلمند اور طاقتور مرد سمجھتی ہے اور تمہارے بارے میں اس نے اپنے فخر کا اظہار کرتے ہوئے کھلی بے احتیاطی کی ہے۔"

"ہاں ــــ اس معاملے میں وہ میری نادان دوست ثابت ہوئی ہے!"

"محض اسی بیان کی وجہ سے تم ہمارے ہاتھ لگے ہو۔"

"خیر یہ تو شاید میری خوش قسمتی ہے!" میں نے کہا "مجھے سیتا کی رہائی اور روپوشی کے لئے بھرپور مدد کی ضرورت ہے جو تم لوگوں سے مل سکے گی ورنہ اس شہر میں تو میں بھٹکتا ہی رہتا اور شاید کبھی کسی مضبوط گروہ تک نہ پہنچ پاتا۔"

"تم تو مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہو گے کہ یہ سارے رشی، سادھو، مہنت اور گرو ساری عمر پُراسرار علوم کے چکر میں پڑے رہتے ہیں جن میں کیمیاگری سرِفہرست ہے۔ بن باس تو محض مجبوری کا دوسرا نام ہے ورنہ انھیں دولت مل جائے تو ان میں سے بیشتر سر سے پیر تک گناہوں کی دلدل میں غرق ہو جائیں۔ سیتا کا بیان چھپنے کے بعد ایک طرف تو یہ سارے لوگ شہر میں تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہیں، دوسری طرف دولت حاصل کرنے کے رسیا جرائم پیشہ بلکہ ہمارے ہم پیشہ لوگ تمہاری گھات میں ہیں ــــ قانون کے محافظ ان کے علاوہ ہیں۔ اس بھیڑ میں یہ اتفاق ہی تھا کہ سب سے پہلے ہم نے تمہارا سراغ نکالا۔"

"ہاں ــــ اسی لئے میں اسے خوش قسمتی شمار کرتا ہوں۔" میں نے اپنی بات کی مزید وضاحت کی "پولیس تو مجھے سیدھی جیل ہی پہنچاتی، اٹھائی گیروں یا مکار رشیوں کے ہاتھوں میں پھنستا تو دوطرفہ فائدے کے بجائے صرف ان کے لئے سونا بنانے کا معاملہ ہی زیرِ غور آتا اور وہ میرے ساتھ سونا اگلنے والی مشین کا سا رویہ رکھتے، مجھے سیتا کو ہر قیمت پر بھولنا پڑتا!" میں اسے بھرپور تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں اس سمجھوتے سے مطمئن ہوں۔

"تم میری توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار ہو، تمہاری سوچ بالکل درست ہے!"

تھوڑی ہی دیر بعد ٹنڈن بھی آ پہنچا۔ اس کے چہرے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "استاد راضی ہوتا نظر آ رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں خود ہی یہاں پہنچ کر تم سے بات کرے گا۔"

"تمہارا استاد کون ہے؟" میں نے اس کی آمد سے قبل اس کے بارے میں جاننا مناسب سمجھا۔

"سردار بھوپت سنگھ اس علاقے میں پھلوں کے باغات کا سب سے بڑا ٹھیکیدار ہے۔" ٹنڈن کے آجانے کے بعد جسونت راؤ خاموش ہی رہا تھا۔ "جس عمارت میں تم اس وقت موجود ہو، یہ سردار جی کے ذاتی باغ میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ سرکاری اور نجی باغات کی فصلیں نیلام میں خریدتا ہے۔"

"یہ تو بڑا منافع بخش کاروبار ہے!" میں نے کہا "اور اس میں ایسی غیر قانونی

کیا بات ہے جو وہ تم لوگوں کو ساتھ رکھنے پر مجبور ہے!"

"منافع ضرور ہے لیکن اتنا نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ بعض اوقات تو ٹھیکیدار آپس کی ضد میں بولی اتنی اونچی لے جاتا ہے کہ ایک ہی ٹھیکہ ہزاروں کی رقم لے ڈوبتا ہے" ٹنڈن مجھے بتا رہا تھا۔ "پھر سردار جی کے شوق ایسے ہیں کہ اس کے لئے قارون کا خزانہ بھی کم ہے۔ اس لئے وہ ہم جیسوں کو بھاری معاوضوں پر پال رہا ہے۔ اس نے آج تک ہمیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

"کاروبار کیا ہے؟" مجھ میں سویا ہوا صفدر علی ایکبار پھر جاگ اٹھا۔

"فی الحال صرف کیمیا گری!" وہ ہنسا۔ "ایسے دھندوں میں زیادہ چھان بین نہیں کی جاتی جس کام سے تمہارا تعلق نہ ہو اس کی جستجو میں نہ پڑو۔"

تھوڑی دیر بعد ان کا استاد وہاں آ پہنچا اور اپنے نام کی کسوٹی پر پورا اترتا نظر آیا۔ ٹنڈن کے منہ سے اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں بھوپت ڈاکو کے تصور نے سر ابھارا تھا اور سردار بھوپت سنگھ جثہ، حلیئے اور قد و قامت کے لحاظ سے ڈاکو ہی نظر آتا تھا۔

چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، موٹی گردن، خوفناک شیو کیا ہوا چہرہ اور کرخت آواز۔ یہ میرا نیا آقا بھوپت سنگھ تھا۔

اس نے فراخدلی کے ساتھ مجھ سے کیمیا گری کے موضوع پر گفتگو کی اور آخر یہ طے ہو گیا کہ میں اپنی بہترین کوششیں اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ بھوپت نے ستیا کی رہائی میں میری پوری مدد کا یقین دلایا اور عارضی طور پر میری تنخواہ دو ہزار روپے ماہانہ مقرر کر دی۔!

"ستیا کی رہائی کے لئے ہمیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔" بھوپت کہہ رہا تھا۔ "ابھی وہ نئی قیدی ہے۔ اس کی حرکتوں کی وجہ سے جیل کا سارا عملہ اس کی طرف سے چوکنا ہوگا۔ تھوڑے دن بعد جب جیل کا عملہ اسے عام قیدیوں میں شمار کرنے لگے گا تو میرے آدمی اپنا کام شروع کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے!" میں نے کہا۔

میں بھوپت کے ہمراہ ایک قیمتی اور آرام دہ صوفے پر براجمان تھا جبکہ ٹنڈن اور جسونت فرشی قالین پر بیٹھے ہوئے تھے!

"اس معاہدے کی خوشی میں، میں تجھے ناچ کی ایک بہترین محفل میں لے جاتا مگر بھنویں مونڈ کر تو نے اپنی صورت مضحکہ خیز بنا لی ہے، تیری یہ دعوت میری طرف باقی رہے گی۔" اس نے کہا۔

"یہ میری عزت افزائی ہے؟" میں نے انکسار سے کہا۔ "ستیا کے سوا مجھے دنیا میں اب کسی عورت سے رغبت نہیں رہ گئی ہے۔"

"شراب پیتا ہے؟"

میں نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "یہ ہمیشہ سے میرا شوق رہا ہے اور اب تو اس کی ضرورت بھی ہے۔"

اسی عمارت کے کسی حصے میں ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔ ٹنڈن بہترین روسی وہسکی کی ایک سربمہر بوتل، چار گلاس اور برف کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی پلاسٹک کی بالٹی لے آیا اور بھوپت کے ساتھ ہم شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔

کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد بھوپت اپنی کار میں واپس لوٹ گیا جسے وہ خود ہی چلا رہا تھا۔ اور ہم تینوں اسی عمارت میں لوٹ آئے۔!

اس عمارت کا نام تارا کاٹیج تھا۔ باغ بھی تارا باغ کہلاتا تھا۔ یہ بھوپت کا رکھا ہوا نام نہیں تھا بلکہ پشتوں سے اس کا یہی نام چلا آ رہا تھا اور اب بھوپت سنگھ اس کا واحد وارث تھا۔ اس نے خاصی عمر گزر جانے کے باوجود شادی نہیں کی تھی، اس کا خیال تھا کہ شادی غریب آدمی کی ضرورت ہوتی ہے اور جو شخص ہر رات اپنی من پسند لڑکی کی ادائیں خریدنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لئے شادی عقد سے کم نہیں۔ اسی گفتگو میں ٹنڈن نے اناتھ آشرم کا بھی نام لیا۔ بھوپت سنگھ اس ادارے کا بھی سرپرست تھا اور ہر ماہ ایک خطیر رقم معاوضوں کے علاوہ آشرم کو عطیہ میں دیتا تھا۔

"یار۔۔۔ وہ سالا رمیش پتہ نہیں کہاں غائب ہے!" اناتھ آشرم کے نام پر جسونت راؤ چونک کر ٹنڈن سے بولا۔ "جس رات اناتھ آشرم میں ستیا نے خون خرابہ کیا ہے، اسکے بعد سے اس کا سراغ ہی نہیں مل رہا ہے۔"

رمیش کے تذکرے پر میں زیر لب مسکرا دیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت آشرم ہی کے کسی حصے میں داد عیش دے رہا ہوگا اور چار قتل ہونے پر گھبرا گیا ہوگا۔ اگر اناتھ آشرم کی آڑ میں رمیش کے دھندوں کی بھنک بھی پھیل جاتی تو بنارس والے اس کے ٹکڑے اڑا ڈالتے۔ وہ پولیس کی باز پرس کے خوف سے روپوش ہو گیا ہے۔ یہ قصہ دب جانے پر ایک روز کسی نئی کہانی کے ساتھ سامنے آ جائے گا۔"

میرا جی چاہا کہ انھیں دریائے گنگا کے کنارے پرویران راج مندر کے تہہ خانے میں اترنے کا مشورہ دوں تاکہ وہ رمیش کا حشر دیکھ سکیں لیکن میری چھٹی حس نے مجھے روک دیا۔ فی الحال وہ لوگ گومیرے حلیف تھے لیکن اپنی کمزوریوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ایک روز خود کو جال میں پھنسا پاتے ہیں۔ انھیں یہ بتا کر میں انھیں اپنے خلاف ایک قتل کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیتا جسے وہ کسی بھی مرحلے پر میرے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ جبکہ اس وقت میرا دامن بالکل صاف تھا۔ گنیش مندر کے خدمتگار کے قتل کا کوئی گواہ نہیں تھا اور میں کسی بھی اچھے وکیل کے ذریعے اس الزام سے صاف بچ سکتا تھا۔

حالانکہ یہ بالکل آخری اور بدترین حالات کے اندیشے تھے مگر میرا اصول یہی تھا کہ کسی بھی کام کی ابتدا سے پہلے میں اس کے بدترین پہلوؤں کو ضرور سامنے رکھ لیتا تھا اور یہی اصول آج تک میری آزادی کا سبب بنا ہوا تھا، ورنہ میں کبھی کا زندہ درگور ہو چکا ہوتا!

اگلے دن ان دونوں نے تارا کاٹیج کے ایک حصے میں میری ہدایت کے مطابق بھٹی تیار کرانی شروع کر دی اور میں نے ایک گوشے میں جا کر اپنے داہنے بازو سے تعویز کی صورت میں بندھا ہوا وہ کاغذ کھولا جس پر میں نے جمال سنیاسی سے معلوم ہونے والا کیمیا گری کا پورا نسخہ قلمبند کیا ہوا تھا۔ اس میں ہر جزو کی مقدار، طریقۂ کار اور آنچ کے درجۂ حرارت کے بارے میں اہم باتیں مندرج تھیں۔

بھانڈ ناس کی تلاش کے مرحلے تک میں نے اس کاغذ کی جان سے زیادہ حفاظت کی تھی کیونکہ ایک بار اسے کھو دینے کے بعد بھانڈ ناس بالکل بے کار ہوتی،

پھر مجھے پارس پتھر مل گیا اور یہ کاغذ میرے نزدیک ردی پرزے کی حیثیت اختیار کر گیا مگر میں نے کبھی اسے ضائع کرنے کے بارے میں نہ سوچا اور آج یہ کاغذ میرے لیے ایک بار پھر اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

کیمیاگری کے لوازمات کی فراہمی میں پانچ روز گزر گئے۔ بھوپت کے حکم کے مطابق مجھے پانچ سیر کا گھان تیار کرنا تھا۔ اس تجرباتی مقدار کے بعد آئندہ کا لائحۂ عمل طے کیا جاتا جس کا انحصار بازار میں اس کی کامیاب کھپت پر تھا۔

پھر ایک روز تارا کاٹیج کا ایک حصہ مختلف تیزابی مادوں کی آویزش سے ہونے والی مہلک بدبو سے بھر گیا۔ ٹنڈن اور جسونت جو شوق سے ساری کارروائیاں دیکھ رہے تھے، اس بو کی تاب نہ لا سکے اور بری طرح کھانستے ہوئے باہر چلے گئے۔

میں شب و روز پوری تندہی سے اپنے کام میں لگا رہا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ کیمیاگری سے مجھے جنون کی حد تک دلچسپی رہی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں کسی کی ہدایت یا نگرانی کے بغیر سارے کام خود سرانجام دے رہا تھا۔ میری سرگرمی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں بھوپت کو پوری طرح اپنے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔ اس کی پہلی شرط یہی تھی کہ میرا تجربہ کامیاب ہو!

میرا کام گیارہ روز جاری رہا۔ اس دوران میں بھوپت بذاتِ خود چار مرتبہ تارا کاٹیج آیا اور میں نے ہر بار اسے حوصلہ افزا خبریں سنائیں۔

گیارھویں روز میں نے کانپتے ہاتھوں سے انگاروں کی طرح دہکتی کٹھالی میں لہریں لیتا سنہرا سیال خالی سانچے میں پلٹا تو ٹنڈن اور جسونت میرے قریب موجود تھے۔ ان کی حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھیں اس سرخی مائل سنہرے سیال پر جمی ہوئی تھیں۔

سونے کا رنگ ضرور آ چکا تھا مگر ابھی اس نئی دھات کے خواص کی آزمائش ضروری تھی اور یہ کام سانچہ ٹھنڈا ہونے سے قبل ممکن نہیں تھا۔

اگلے روز ہم تینوں نے اس سانچے کا معائنہ کیا۔ جمے ہوئے سنہرے سیال کی سطح پر بلبلوں کا نشان تک نہ تھا۔ ذرات کے درمیان کہیں بھی بلبلے کا نشان نہ ہونا سیماب اور تانبے کی بہترین آویزش کا ثبوت تھا جس کی وجہ سے اس دھات کے سالموں کی طبعی ساخت سونے سے مشابہ ہو جاتی۔ پھر میں نے اسے کسوٹی پر لگایا۔ رنگ سونے کا ہی تھا۔ وہ دونوں تو چیخ کر ایک دوسرے سے لپٹ پڑے مگر میری گھاگ نظریں اس لکیر میں سرخی کا بہت ہی خفیف سا امتزاج بھانپ چکی تھیں اور یہ خامی اس دھات کی سختی کے ساتھ منسلک تھی جسے دور کیے بغیر کسوٹی کی جانچ پر پورا اترنا ناممکن تھا۔

میرے ایما پر یہ خبر بھوپت کو پہنچا دی گئی اور وہ تھوڑی ہی دیر میں کاٹیج آ پہنچا۔ میری بنائی ہوئی سنہری اینٹ دیکھ کر بھوپت مبہوت سا رہ گیا۔ ”کون کہتا ہے کہ یہ سونا نہیں ہے، یہ تو اصلی سے بھی زیادہ اصلی معلوم ہوتا ہے۔“ وہ جوشیلی مگر دھیمی آواز میں بولا۔

”میں کہہ چکا ہوں سرکار جی کہ ننگی آنکھ سے کوئی اسے شناخت نہیں کر سکتا مگر کسوٹی پر اس کا کس ہلکی سی سرخی دے جاتا ہے......!“

”ملا... اسے اصلی سونے میں ملا!“ وہ میرا بازو دباتے ہوئے اضطراری انداز میں بولا۔ ”تیرے ہاتھ چومے جانے کے قابل ہیں میرے دوست، ہم اسے اصلی سونے میں ملا کر فروخت کریں گے!“

بھوپت سونے کی چند گنیاں آویزش کے لیے ساتھ لایا تھا جو میں نے واپس کر دیں۔ صحیح نتائج کے لیے پانسے کا سونا درکار تھا جو اس نے چند ہی گھنٹے میں ٹنڈن کے ہاتھ بھجوا دیا۔

تجربے کی ابتدا میں نے چار تولے پانسے سے کی۔ میرا ارادہ اس میں بتدریج اسی قدر مصنوعی سونا ملانے کا تھا۔ مجھے امید تھی کہ یہ تجربہ کامیاب ہو گا۔

اس دوران میں اپنے بنائے ہوئے سونے کی ایک اور خامی میری نظر میں آئی۔ خالص سونا ۱۰۶۳ درجہ سنٹی گریڈ پر پگھل جاتا تھا اور میرا تیار کیا ہوا سونا اس سے دو درجہ اوپر پگھلتا تھا مگر یہ فرق اتنا باریک تھا کہ عام صراف اس کا پتہ ہی نہیں چلا سکتے تھے۔ صرف تجربہ گاہ میں یہ بات معلوم ہو سکتی تھی۔

میں مرحلہ وار خالص سونے میں اپنے بنائے ہوئے سونے کی مقدار بڑھاتا رہا اور چار تولے میں چار تولے گیارہ ماشے ملاوٹ کے بعد بھی کسوٹی اسے خالص دکھاتی رہی۔ اس مقدار میں اضافہ کیا تو سرخی بہت نمایاں ہو گئی، لہٰذا میں نے چار اور ساڑھے چار تولے کی نسبت کو محفوظ سمجھتے ہوئے معیار مقرر کر لیا۔

وہ سونا بھوپت نے اسی روز بازار بھجوا دیا اور اس وقت اس کی خوشی قابلِ دید تھی جب بازار جانے والے نے اسے ایک مشہور صراف کے ہاتھوں وہ سونا فروخت ہو جانے کی خبر سنائی۔

اب ہر چیز طے پا چکی تھی۔ ہمارے پاس کم و بیش پانچ سیر مصنوعی سونا موجود تھا جس کی تیاری پر تین ہزار دو سو اسّی روپے لاگت آئی تھی یعنی وہ ہمیں دس روپے تولہ سے بھی سستا پڑا تھا۔ بھوپت نے سب سے پہلے اسی کو اصل سونے میں ملا کر فروخت کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد مجھے ایک ماہ کی کھلی چھوٹ تھی کیونکہ اس تجربے کے دوران میں میری صحت پر گہرا اثر پڑا تھا۔ ایک ماہ کے آرام کے بعد ہمیں کیمیاگری کا کاروباری منصوبہ شروع کرنا تھا جس کے تصور ہی سے بھوپت کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔

اگلی صبح جسونت ایک سنسنی خیز خبر لایا۔ سیتا جیل سے بیالیس قیدی عورتوں سمیت فرار ہو گئی تھی اور اب جیل کے حکام کو یقین تھا کہ جیل سے باہر کوئی منظم گروہ سیتا کی پشت پناہی کر رہا ہے کیونکہ جیل کے زنانہ حصے میں فصیل کے قریب ایک سرنگ کا دہانہ دریافت ہوا تھا جو جیل سے باہر تقریباً بیس گز دور کھلے میدان میں تھا۔ پولیس بڑے پیمانے پر شہر میں چھاپے مار رہی تھی۔ تیئیس مفرور عورتیں دوبارہ گرفتار کی جا چکی تھیں جو صرف اتنا ہی بتا سکیں کہ سیتا نے انہیں فرار کی دعوت دی اور رات کے تین بجے جب جیل کا حفاظتی عملہ غافل تھا تو سیتا ان سب کو چوپایوں کی طرح فصیل کے قریب لے گئی۔ وہاں اس نے ایک گٹر کا ڈھکنا اٹھایا تو اندر نالے کی دیوار میں تازہ کھدی ہوئی ایک سرنگ کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ ساری عورتیں یکے بعد دیگرے اس سرنگ میں گھستی چلی گئیں اور جب وہ کھلی فضا میں آئیں تو سیتا پوری قوت سے ایک طرف بھاگی جا رہی تھی۔ بندروں کا ایک چیختا چنگھاڑتا غول اس کے پیچھے تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہوا جسونت؟“ میں نے اس سے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

”پہلے میرا خیال تھا کہ یہ استاد کا بندوبست تھا لیکن وہ تو یہ خبر سنتے ہی اچھل پڑا۔ پتہ نہیں وہ سرنگ کیسے تیار ہو گئی۔ جیل کا پورا عملہ معطل کیا جا چکا ہے اور

حفاظتی دستہ فرائض سے غفلت برتنے کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ شاید ان سب پر مجرمانہ غفلت کے الزام میں مقدمہ چلے گا۔“

میں فوراً ہی تارا کاٹیج سے نکل پڑا۔ سیتا ایک بار پھر آزاد تھی مگر مسئلہ پھر وہی تھا کہ میرا اس سے رابطہ کیونکر قائم ہو۔ میری درخواست سے پہلے ہی بھوپت نے اپنے آدمی پورے شہر میں پھیلا دیے تھے تاکہ سیتا جہاں بھی نظر آئے اسے حفاظت اور احترام کے ساتھ تارا کاٹیج پہنچا دیا جائے!

سیتا کے بارے میں ہر لحظہ شہر میں نئی افواہیں گونج رہی تھیں۔ ہر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد شہر کے مختلف حصوں سے اس کے دیکھے جانے کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ پھر یہ پتہ چلا کہ بنارس میں پائے جانے والے ہزاروں بندروں کی وجہ سے یہ سارا ڈرامہ ممکن ہوا۔

بنارس جیل میں بھی بے شمار بندر دن رات دندناتے رہتے تھے۔ پھاٹک پر تو انھیں روک لیا جاتا تھا مگر وہ جیل کی بلند و بالا فصیل عبور کر کے اندر گھس آتے تھے اور عرصۂ دراز سے جیل میں ان کی خاصی تعداد رہتی چلی آ رہی تھی۔ سننے میں آیا کہ یہ تمام بندر سیتا سے بے حد مانوس تھے۔ وہ دن رات ان ہی میں گھری رہتی تھی۔ سیتا کو کھانے میں ابلی ہوئی دال اور روٹی ہی ملتی تھی مگر اس کی کوٹھری میں ہمیشہ پھل وغیرہ موجود رہتے تھے جبکہ اس کے پاس پوری قید کے دوران میں ایک بھی ملاقاتی نہ آیا تھا۔

کڑی نگرانی کے دوران پتہ چلا کہ جیل میں دندنانے والے سرکش بندر مراعات یافتہ قیدیوں کے کمروں سے خورد و نوش کی بہترین چیزیں اڑاتے تھے اور سیتا کو پہنچا دیتے تھے۔ کئی بار سیتا کو بندروں کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف دیکھا گیا۔

عام خیال یہ تھا کہ سیتا نے بندروں کو جیل سے باہر پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا تھا اور یوں وہ سرنگ کے ذریعے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

ٹنڈن نے سیاہ آسٹن کار میرے حوالے کی ہوئی تھی لہٰذا میرے لیے رات گئے تارا باغ واپسی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں بے مقصد کار کو بنارس کی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ میرے بدن پر اب گیروے لبادے کے بجائے انگریزی وضع کا لباس تھا۔ گنجے سر کو ایک ٹوپی سے چھپا لیا تھا۔ منڈی ہوئی بھنوؤں کی جگہ اب ہلکے ہلکے بال اگنے لگے تھے جن کی وجہ سے میری صورت کچھ قرینے کی ہو چلی تھی۔

میں باری باری شہر کے مختلف گنجان علاقوں میں گاڑی روک کر لوگوں میں گھومتا اور سیتا کے بارے میں خبریں جمع کرتا رہا لیکن افواہوں کے سوا کوئی کارآمد بات علم میں نہ آ سکی۔ جیل سے فرار کے بعد سیتا یوں روپوش ہوئی تھی جیسے اسے زمین نگل گئی ہو

اس وقت شاید رات کے دس بجے کا عمل تھا۔ میں ایک تھیٹر کے قریب پنواڑی کی دوکان سے سگریٹ خرید رہا تھا کہ اچانک پشت سے کسی نے مجھے دھکا دیا میں کاؤنٹر پر گرتے گرتے بچا۔ میں بچاؤ کی ہیئت سے مڑا ہی تھا کہ ایک بندر کو اپنے شانوں پر موجود پایا۔ اس نے میری ٹوپی خود اوڑھ لی تھی اور اب نہایت آسودہ انداز میں ہولے ہولے میری کھوپڑی سہلا رہا تھا۔

ہندوستان میں بندر کو گائے کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی شکل ہندوؤں کے دیوتا، ہنومان جی سے ملتی جلتی ہے اور وہاں کے لوگ بندروں کی ہر شرارت کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے عادی ہیں بلکہ اکثر و بیشتر محض بندروں کی ضیافت کے لیے مخصوص مقامات پر بھاری مقدار میں حلوہ، پوریاں اور پراٹھے رکھے جاتے ہیں تاکہ ہنومان جی کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔

میرے آس پاس موجود لوگوں نے اس بندر کی اس گستاخانہ حرکت پر نہ کسی ردِعمل کا اظہار کیا، نہ میرا مضحکہ اڑایا مگر میری کھوپڑی بھنا کر رہ گئی۔ ہندوؤں کے نزدیک بنارس مقدس شہر اور بندر مقدس حیوان سہی مگر صفدر علی کو بھلا تقدس کے اس غیر عقلی فلسفے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے اس بندر کا ہاتھ پکڑا اور بے دردی سے اسے دور فٹ پاتھ پر اچھال دیا۔

وہ خوفزدہ چیخیں مارتا ایک جگہ گرا اور سنبھلنے کے بعد مجھے گھورتے ہوئے غرانے لگا۔ میری ٹوپی فٹ پاتھ پر گر گئی تھی۔

اس بندر کی بدمعاشی پر لوگ خاموش تھے مگر میرے رویے پر لوگوں کے تیور بگڑ گئے اور وہ حقارت سے مجھے گھورنے لگے۔

”تمھیں شرم نہیں آئی اس بے زبان پر ظلم کرتے ہوئے!“ ایک شخص نے زہریلے لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے فوراً ہی بگڑی ہوئی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور اس شخص کے لیے اپنے دل میں اٹھنے والے نفرت کے طوفان کو مصنوعی مسکراہٹ کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بولا ”غلطی ہو گئی جناب۔۔۔ دراصل میرے شانوں میں کئی دن سے اتنا شدید درد ہے کہ قمیص کا بوجھ بھی تکلیف کا باعث بنتا ہے!“

میری معذرت کا اثر خوشگوار رہا۔ لوگوں کے تیور نرم پڑ گئے مگر وہ خبیث بندر وہیں بیٹھا مجھے بھبکیاں دیتا رہا۔ وہ بار بار چند قدم آگے سرکتا اور دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ جاتا۔

جب میں سگریٹ خرید کر دوکان سے ہٹا تو وہ پھر میری طرف لپکا۔ اس بار میں نے اسے پچکارا اور وہ حلق سے مسکین آوازیں نکالتا میرے قدموں میں آ بیٹھا۔

میں نے جھک کر نرمی سے اس کا سر سہلایا اور اپنی کار کی طرف بڑھا مگر اس نے میری پتلون کا پائنچا پکڑ لیا اور مجھے ایک طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے پیر جھٹک کر پتلون کا پائنچا چھڑانا چاہا مگر وہ تو میرے حق میں جونک بن گیا تھا۔ اسی کوشش میں میری پتلون کا وہ پائنچا پھٹ گیا اور مجھے اپنی کوشش ترک کرنی پڑی ورنہ پتلون اوپر تک پھٹتی چلی جاتی۔

اس جگہ بندر کی مرمت کرنے میں خود میری مرمت کا خطرہ تھا لہٰذا میں نے غصے میں کھولنے کے باوجود ہتھیار ڈال دیے اور بندر کی خواہش کے مطابق ایک طرف چل پڑا۔

تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد سڑک ویران ہو گئی۔ بندر نے ابھی تک میرا داہنا پائنچا پکڑا ہوا تھا۔ میں نے ایک ثانیہ کے لیے رک کر ارد گرد نظریں دوڑائیں پھر میری بائیں لات چلی مگر میں اس کے زور میں داہنی ایڑی پر گھوم کر رہ گیا۔ وہ بندر بروقت خطرہ بھانپ کر میری لات کی زد سے دور جا کھڑا ہوا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ میں اپنا توازن سنبھالتا، وہ بندر جست لگا کر غراتا ہوا

میری طرف آیا اور میری پنڈلی اُدھیڑتا دوسری طرف نکل گیا۔

درد کی ایک شدید ٹیس کے ساتھ ہی معاً مجھے وہ بندر یاد آئے جنھوں نے ہمالیہ کے پہاڑوں میں مجھے اپنے نرغے میں لیا تھا اور پھر مجھے اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر ان ہی بندروں نے ایک کھلے احاطے میں میری ایسی کڑی نگرانی کی تھی میں سر توڑ کوششوں کے باوجود انھیں جُل دے کر وہاں سے باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

یک بیک میرے ذہن کے سارے بند دریچے کھلتے چلے گئے۔ ہمالیہ کے وہ بندر سیتا کے سدھائے ہوئے تھے۔ ان میں لمبی دموں والے لنگور بھی تھے اور شریر بندر بھی۔ سیتا جیل سے جیسے بھی فرار ہوئی ہو اس مہم میں بندروں کا اہم رول تھا اور اب ایک بندر مجھے کسی خاص سمت میں لے جانے پر مصر تھا!

بے اختیار میرے قدم اسی طرف اٹھ گئے جدھر بندر مجھے کھینچ رہا تھا۔

جب بندر نے مجھے راہ راست پر آتے دیکھا تو آہستہ آہستہ ایک بار پھر میرے قریب آگیا۔ میں نے نیچے بیٹھ کر اسے پچکارا۔ میری جانب سے خیر سگالی کے اس اظہار کے جواب میں وہ تقریباً میری گود میں سمٹ آیا۔

اس مرتبہ بندر حلق سے عجیب و غریب دبی دبی آوازیں نکالتا آگے آگے جا رہا تھا اور میں پوری رفتار سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔

تقریباً پون گھنٹہ بعد ہم گنجان آبادی سے باہر آگئے اور میرا دل موہوم سے اندیشوں کی بنا پر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آبادی کے اختتام پر نا ہموار اور پتھریلا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں مجھے بہت سنبھل کر چلنا پڑ رہا تھا کیونکہ وہاں قدم قدم پر گڑھے اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

پھر ہم اتنی دُور نکل آئے کہ آبادی کی روشنیاں بھی عقب میں پھیلے ہوئے ٹیلوں کی اوٹ میں چھُپ گئیں۔ ہر طرف گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔

اچانک اس بندر نے ایک تیز چیخ ماری اور بجلی کی سی سرعت سے دوڑتا ہوا اندھیرے میں کہیں روپوش ہو گیا۔ میں نے احمقانہ انداز میں پچکار کر اسے واپس بلانا چاہا مگر اس نے میری ایک نہ سُنی اور میں اس گونجتے سناٹے میں تنہا کھڑا رہ گیا۔

آہستہ آہستہ میرے مساموں کے دہانے کھل چکے تھے۔ گرمی نہ ہونے کے باوجود میرا بدن پسینے میں ڈوبتا جا رہا تھا، دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں گونج رہی تھیں اور تنفس کی ابھرتی، دم توڑتی آوازیں اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ سُنائی دے رہی تھیں۔

مندر کی چیخیں تو چند ثانیوں بعد ہی رُک گئی تھیں۔ میرے کان کسی بھی آہٹ کے منتظر تھے اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دُور تک گھُور رہا تھا۔

آخر مجھے بہت دُور تاریکی میں ایک ہیولا متحرک نظر آیا۔ میں غیر ارادی طور پر سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے باعث وہ سایہ میری نظروں سے روپوش ہو گیا مگر چند لمحوں بعد وہ ٹیلوں کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ پھر فضا میں ایک دبی دبی، سہمی ہوئی آواز ابھری۔

"صفدر!" کسی نے مجھ کو پکارا تھا۔

آواز ابھری اور ڈوب گئی لیکن مجھے اس کی بازگشت اس ویرانے کے

حساب داں

ایک خاتون کو گواہی کے کٹہرے میں لایا گیا۔
وکیلِ استغاثہ نے پُوچھا۔ "آپ کی عمر کیا ہے خاتون؟"
جواب ملا ——— "میری عمر، میرے شوہر سے آدھی ہے جناب!"
"آپ کے شوہر کی عمر کیا ہے؟"
"جب ہماری شادی ہوئی تھی تو وہ ۳۶ سال کے تھے اور میں ۱۸ سال کی تھی۔ اب میرے شوہر ۷۲ سال کے ہیں اس لیے میری عمر ۳۶ سال ہوئی۔"

ذرّے ذرّے سے گونجتی معلوم ہو رہی تھی۔ میں بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور آگے دوڑ پڑا۔ پھر شاید وہ سایہ بھی میری طرف لپکا اور میں نے پاگلوں کی طرح اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

جذبات کا تلاطم اتنا شدید تھا کہ مجھے اپنا دل پھٹ جانے کا خوف لاحق ہو گیا۔ مسرت اتنی بے پایاں تھی کہ اس میں ڈوب کر میری زبان گویائی سے محروم ہو گئی۔

"صفدر! تو کہاں تھا؟" میرے کان کے نیچے اس کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔

میرے الفاظ حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔

پھر اچانک مجھے اپنی پشت پر لوہے کی کھنک سُنائی دی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں سے الگ کر دیا۔

اس کے بائیں ہاتھ میں وزنی ہتھکڑی جھول رہی تھی۔

"سیتا، میری جان! میں تجھ سے شرمندہ ہوں۔" میری آواز کانپ رہی تھی، الفاظ ادھورے تھے اور نظریں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اسی وقت قریب سے ایک ہلکی سی قلقاری بلند ہوئی۔ میں نے دیکھا تو مجھے وہاں لانے والا عظیم بندر سیتا کے قریب زمین پر بیٹھا ایک پتھر اکھاڑ رہا تھا۔

"تو کہتا تھا کہ بنارس بڑا مقدس شہر ہے، یہاں ہر طرف امن اور شانتی ملے گی۔"

"نہیں سیتا! اب میں کسی سے یہ نہ کہوں گا۔" میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے پتہ نہیں تھا کہ تقدس کا روپ سجا کر اس شہر میں ایسے وجود بھی رینگتے رہتے ہیں جن میں ہر آن اور ہر جگہ نفس کا ہولناک جہنم دہکتا رہتا ہے۔ جو نہ مندر کا احترام جانتے ہیں، نہ خالقاں کو تعظیم دیتے ہیں۔"

"اس شہر سے بھاگ نکل صفدر۔ یہاں تو میں زندہ درگور ہو گئی ہوں۔ میری ماں سچ کہتی تھی کہ شہروں کے قانون اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔" اس کی آواز میں رقت نمایاں تھی۔ "یہ آبرو بچانے والے کو قاتل کہتا ہے اور عصمت کے

حقیقت

ایک رُوسی باشندہ سرِ بازار حکومت کو گالیاں دے رہا تھا کہ کیا واہیات حکومت ہے۔

ایک پولیس افسر نے اسے پکڑ لیا۔ رُوسی باشندے کا نشہ ہرن ہو گیا اس نے کہا۔ "مگر میں تو امریکی حکومت کے خلاف کہہ رہا تھا۔" افسر نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو، کیا ہمیں نہیں معلوم کہ کونسی حکومت واہیات ہے۔"

لیڈروں کو مظلوم کہتا ہے۔"

میں نے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ تنہائی میں حبشیوں کو زیر کرنے اور ہر رکاوٹ کو عبور کرنے والی سیتا اپنے شوہر کو سامنے پا کر محض ایک لڑکی رہ گئی تھی جو اپنے تحفظ کا ذمہ دار صرف اپنے شوہر کو تصور کرتی ہے۔ اسے اس حال میں دیکھنے والے یقین نہ کرتے کہ اناتھ آشرم میں خون کا دریا عبور کر کے باعصمت نکلنے اور بنارس جیل سے فرار ہونے والی سیتا وہی ہے۔

پھر ہم دونوں سیتا کی قیام گاہ پر پہنچے۔ یہ ایک بلند اور تناور درخت تھا جس پر سیتا پچھلی رات سے مقیم تھی۔

"انسانوں سے تو بندر اچھے ہیں صفدر!" وہ آہستہ آہستہ معمول پر آتی جا رہی تھی۔ "جیل میں محض بندروں کی وجہ سے میرا وقت بڑا اچھا گزرا۔ اگر انہیں شبہ بھی ہو جاتا کہ میں بندروں کو اپنی بات سمجھا سکتی ہوں تو شاید مجھے سلاخوں دار کوٹھڑی کی بجائے پختہ دیواروں کے درمیان ڈال دیا جاتا۔ میں جس سُرنگ سے فرار ہوئی وہ میرے لئے بنارس جیل میں پلنے والے بندروں نے تیار کی تھی۔ میں نے چند ہی دن میں انہیں ایسا سدھا لیا تھا کہ میرے فرار تک کسی کو سُرنگ کی موجودی یا تیاری کا شُبہ نہ ہو سکا۔ پھر تیری تلاش کے لئے بھی میں نے بندروں ہی کا سہارا لیا۔ میرے پاس تیرا ایک رُومال اور چند چیزیں موجود تھیں۔ ان کی بُو کے سہارے اس وقت پورے شہر میں چالیس پچاس بندر تجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

"ارے باپ رے" میں پہلی بار ہنسا۔ "میرے لئے تو یہی ایک بندر مصیبت بن گیا تھا۔ یہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہ تھا بلکہ اس نے تو میری پنڈلی بھی زخمی کر دی۔"

"تیری بُو پر لگا ہوا ہر بندر تیری بُو پاتے ہی تجھے اِدھر آنے پر مجبور کرتا یا تیرے ہاتھوں مارا جاتا۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "تُو چاہے تو اب شہر لوٹ کر یہ بات آزما سکتا ہے۔"

"مجھے شہر جانے کی ضرورت نہیں ـــــ اب ہم یہیں سے کسی طرف نکل بھاگیں گے۔ اس شہر کا بچہ بچہ تیری صورت پہچان لے گا۔"

"وہ کیسے؟" اس کی معصومیت قابلِ پرستش تھی۔

"تیری تصویریں اخباروں میں چھپی ہیں۔"

اخبار کے بارے میں وہ کافی دیر بعد میری بات سمجھ سکی۔ پھر ہم نے علیحدہ گزارے ہوئے دنوں کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔

سیتا کے ساتھ گنیش آشرم سے اغوا کے بعد وہی واقعات پیش آئے تھے جن کا میں پہلے ہی اندازہ قائم کر چکا تھا۔ جس رات میں رمیش کو بازپُرس کے لئے گنگا کنارے واقع راج مندر میں لے گیا تھا، اس رات وہ ساتوں اناتھ آشرم پہنچے۔ پھر سریتا، سیتا کو بہلا پھسلا کر مندر کے تہہ خانے سے باہر لائی اور سیتا کو ان ساتوں کے ہمراہ رمیش کے کمرے میں بند کر دیا۔

وہ سب بڑی بے دردی سے قیمتی شراب پی رہے تھے۔ سیتا کو دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہو گئے اور اسے گھیرنا چاہا۔ مگر سیتا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ان کو پہلے شراب نوشی ختم کرنے کا مشورہ دیا اور انہیں اپنے ہاتھ سے شراب پلانے لگی۔ جب وہ نشے میں بالکل دُھت ہو گئے تو دوسرے کے دماغ پر سیتا سوار ہو گئی اور وہ سیتا کے ساتھ ہاتھا پائی پر اُتر آئے۔

ان کی دست درازی سے پہلے سیتا کا ارادہ تھا کہ انہیں مدہوش کر کے کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگے گی۔ شراب کی تاثیر کے بارے میں کھٹمنڈو میں زیرو پوائنٹ کا تجربہ اسے خوب یاد تھا۔ ان دونوں کی بے حیائی پر سیتا ایکدم مشتعل ہو گئی اور اس نے طیش میں آ کر رمیش کے کمرے سے ایک چھری اٹھائی اور بلا امتیاز ان ساتوں پر ٹوٹ پڑی۔

سیتا کے شکاروں کی ہولناک چیخوں سے گھبرا کر سریتا نے رمیش کے کمرے کا دروازہ کھولا تو سیتا خون آلود چھری فضا میں لہراتی باہر نکل بھاگی۔ وہ چھری ابھی تک سیتا کے قبضے میں موجود تھی کیونکہ اناتھ آشرم سے زندہ سلامت نکل آنے کے بعد اُس نے یہ چھری ایک جگہ چھپا دی تھی لہٰذا گرفتاری کے وقت وہ غیر مسلّح تھی۔ جیل سے فرار کے بعد سب سے پہلے اُس نے وہ چھری حاصل کی تھی تاکہ اپنے کسی بھی حریف کو ٹھکانے لگانے میں اسے دشواری کا سامنا نہ ہو۔

ادھر جیل میں بندروں نے سیتا کے لئے حیرتناک کارنامے انجام دیئے تھے۔ کھانے پینے کے سامان کی فراہمی تو معمولی سی بات تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک بندر سوتے ہوئے مسلّح محافظ کو شُبہ کا موقع دیئے بغیر اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال لایا تھا۔ ان ہی میں ایک چابی کے ذریعے سیتا نے آہنی کٹہرے میں لگا ہوا حصہ کھولا مگر اپنے ہاتھ کسی بھی چابی سے آزاد نہ کرا سکی۔ اپنی کوٹھڑی کا قفل بھی اس نے چابی ہی سے کھولا۔ گچھے میں مزید تین چابیاں تھیں جنہیں آزما کر سیتا نے تین بیرکوں کے آہنی دروازے کھول دیئے اور جو عورتیں ہتھکڑیوں کے بغیر قید تھیں وہ سب فرار کی اس مہم میں سیتا کے پیچھے ہو لیں۔ چابیاں سیتا نے وہیں زمین پر پھینک دی تھیں۔

پہلے تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب شہر واپس جانا بے سود ہے۔ ہم

دونوں کو وہیں سے راتوں رات کسی طرف نکل جانا چاہیئے لیکن یہ طریقہ آگے چل کر دشواریاں پیدا کر دیتا۔

فی الحال پہلا مسئلہ سیتا کے لئے لباس کی فراہمی کا تھا۔ قیدیوں کے لباس میں وہ ہر وقت خطرے میں رہتی۔ پھر ہتھکڑی سے نجات بھی ضروری تھی۔ تیسرا مسئلہ ہتھیار کا تھا۔ فرار کی اس راہ پر غیر مسلح چل نکلنا حماقت سے خالی نہ تھا۔ چوتھا اور آخری مسئلہ خاصی رقم کی فراہمی کا تھا کیونکہ ہندوستان میں حد سے بڑھی ہوئی معاشی ناہمواریوں کے باعث رشوت بہت مقبول تھی اور رقم کی مدد سے ہم بہت سے الجھاووں سے بچ سکتے تھے۔ اور ان تمام مسائل کے حل کے لئے میرا شہر جانا ضروری تھا۔

ایک مرتبہ میری شخصیت پر سے پردہ ہٹ جاتا تو میں بنارس سے کئی سو میل کی حدود میں آبادی کا رُخ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ صرف ایک دن توقف کیا جائے۔ سیتا اسی مقام پر روپوش رہے اور میں تارا باغ لوٹ جاؤں۔ اگلی رات میں پورے بندوبست کے ساتھ اسی جگہ پہنچتا اور ہم دونوں خاموشی سے کسی طرف نکل جاتے۔

کافی بحث کے بعد سیتا میری تجویز سے متفق ہو گئی اور میں صبح کا اُجالا پھیلنے سے قبل وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔ سیتا نے میری تلاش میں سرگرداں بندروں سے حفاظت کے پیشِ نظر وہ بندر میرے ساتھ کر دیا جو مجھے اس تک لایا تھا۔ اُس نے اپنے مخلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکالیں جنہیں وہ بندر غور سے سنتا رہا اور سیتا کے خاموش ہوتے ہی مست خرامی سے میرے ساتھ چل دیا۔

بندروں کے بارے میں سیتا کا قیاس درست تھا۔ اس ویرانہ سے اپنی کار تک پہنچنے کے دوران میں مختلف مقامات پر دو بندر میری بُو پا کر میری طرف لپکے تھے مگر سیتا کا بھیجا ہوا بندر انہیں روکنے میں کامیاب ہو گیا اور میں کار تک پہنچنے کے قابل ہو سکا۔

میں رانا باغ پہنچا تو صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ ٹنڈن اور جسونت شاید میرے انتظار میں جاگ رہے تھے کیونکہ انجن کا شور سنتے ہی وہ برآمدے میں نکل آئے۔

ان کے ہاتھوں میں سگرٹیں دبی ہوئی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے آنکھیں نیند اور شراب کے خمار سے گہری سُرخ ہو رہی تھیں کیونکہ ان کے سانس تک سے وہسکی کی بُو آ رہی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" میرے اُترتے ہی ٹنڈن ہاتھ لہرا کر بولا۔ پھر اس کی نظر میری پھٹی ہوئی پتلون پر پڑی۔ شاید پنڈلی کا زخم بھی نظر آ گیا کیونکہ وہ چونک کر بولا تھا۔ "ارے، تم تو زخمی ہو!"

"ہاں، میں بمشکل جان بچا کر آ سکا ہوں۔" میں نے فوراً ہی ذہن میں ایک کہانی تراش لی۔ "ہتھیار کے بغیر چلنے والا سپاہی ہمیشہ زک اُٹھاتا ہے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟" وہ مجھے سہارا دیتے ہوئے بولا۔

"وہ کوئی خونخوار کُتا تھا۔ آوارہ کُتوں میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ آدمی سے باقاعدہ مقابلہ کریں۔ شاید پولیس اب میرے کھوج کے لئے کُتے بھی استعمال کر رہی ہے۔" میں نے ڈرائنگ روم میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن پولیس کے کُتے تنہا تو تلاش پر نہیں نکلتے۔ ہر کُتے کے ساتھ رکھوالا ضرور ہوتا ہے۔" ٹنڈن نے میری زخمی ٹانگ کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔

جسونت راؤ کسی کمرے سے فرسٹ ایڈ کا سامان لینے چلا گیا تھا۔

"مجھے یہ سب نہیں معلوم۔" میں جھلا کر بولا۔ "میں سیتا سے اتفاقی ٹکراؤ کی اُمید میں شہر کے ایک غیر آباد حصے میں ٹہل رہا تھا کہ ایک قد آور کُتا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میرا ایک بھرپور ٹھوکر ہی اسے بے ہوش کر گیا ورنہ وہ کسی قیمت پر مجھے زندہ نہ چھوڑتا..... تم میرا پستول واپس کر دو۔ اس کے بغیر موجودہ حالات میں باہر نکلنا خودکش ہے۔"

"پستول تمہاری امانت ہے، وہ میں ابھی دے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تم پر حملہ آور ہونے والا کُتا پاگل رہا ہو۔ تمہیں انجکشن ضرور لینے پڑیں گے۔"

میں زور سے ہنسا۔ "پیٹ میں انجکشن لگوانے کے تصور ہی سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"مگر یہ بہت ضروری ہے۔"

"میں انجکشن نہیں لگواؤں گا۔ کُتے کی طرح بھونکتے ہوئے پاگل ہو جانا مجھے پسند ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"انجکشن تو لگوانے ہی پڑیں گے۔ استاد اپنے ایک اہم آدمی کا یوں ضائع ہو جانا پسند نہیں کرے گا۔" وہ فیصلہ کُن لہجے میں بولا اور جسونت کے لائے ہوئے سامان سے زخم صاف کرنے لگا۔

کئی گھنٹے گزر جانے کے باعث زخم پر خشک خون کی پپڑیاں جم چکی تھیں مگر اسپرٹ سے تو زخموں میں آگ سی لگ گئی۔ ٹنڈن کسی پیشہ ور ڈسپنسر کی طرح اپنے کام میں لگا رہا اور مرہم وغیرہ لگا کر میری پنڈلی پٹیوں میں لپیٹ دی۔ ڈریسنگ سے فارغ ہوتے ہی ٹنڈن نے الماری سے میرا پستول لا دیا اور میں شدید تکان کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

بیدار ہوا تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ ٹنڈن میرے قریب ہی مسہری پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتہ چلا کہ میرے سوتے ہوئے ڈاکٹر آیا تھا اور میرے پیٹ میں پہلا انجکشن لگایا جا چکا ہے۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے کار سنبھالی اور شہر روانہ ہو گیا۔ چلتے ہوئے کاریج سے میں نے لوہے کا ایک ٹکڑا ساتھ لے لیا تھا۔

راستہ ہی میں اس لوہے کو پارس پتھر کے لمس سے میں نے سونے میں تبدیل کیا۔ ایک دُکان پر نہایت رازدارانہ انداز میں اسے فروخت کیا کیونکہ ہندوستان میں گولڈ بانڈ اسکیم کے بعد سونے کا غیر سرکاری لین دین قانوناً جُرم قرار پا چکا تھا۔

پھر میں نے بازار سے خریداری کی۔ خشک خوراک کے چند سربند ڈبے، سیتا کے سائز کے چند مقامی زنانہ لباس، جُوتے، ایک عدد برقعہ، ایک چرمی تھیلا، سرچ لائٹ، شکاری چاقو، اعشاریہ تین آٹھ کے کارتوسوں کا ایک ڈبہ اور چند

دوسری ضروری اشیاء خریدنے کے بعد میں بنارس کے ایک ہوٹل میں جا پہنچا تاکہ اس شہر میں آخری بار شکم پُری کر سکوں۔

میں ہوٹل سے باہر آیا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں گاڑی اسٹارٹ کر کے سیتا کی طرف روانہ ہو گیا۔

گاڑی کو آبادی کے آخری سرے پر چھوڑ کر میں سرچ لائیٹ اور چند ضروری چیزیں چرمی تھیلے میں لے کر میدان میں داخل ہو گیا۔ سیتا شاید درخت پر میری ہی منتظر تھی۔ میرا سایہ دیکھ کر تیزی سے نیچے اتر آئی۔ آج اس پر وہی بھرپور شوخی طاری تھی جو میں نے پہلے دن محسوس کی تھی۔

اس پُرہول ویرانہ میں لڑکی تو کیا کسی جرّی مرد کا بھی یوں دو دن اور دو راتوں تک رُوپوش رہنا اسے نیم مُردہ کر دینے کے لئے کافی تھا مگر سیتا کے خمیر میں خوف اور بُزدلی جیسے عناصر شامل ہی نہیں تھے۔ اپنی آزادی کا یہ عرصہ اس نے یوں گزارا تھا جیسے اپنے مکان میں ہی رہتی آئی ہو۔

سیتا کی کمین گاہ آبادی سے بہت دُور تھی اور میں فیصلہ کر کے آیا تھا کہ پستول سے فائر کر کے اسے ہتھکڑی سے نجات دلاؤں گا مگر ساری کارروائی میں یہ میرا آخری اقدام تھا۔

سب سے پہلے میں نے سیتا کا لباس تبدیل کرایا۔ پھر ہوٹل سے خریدی ہوئی تازہ اور گرم گرم غذا سے اس کی خاطر کی اور آخر میں پستول کی نال ہتھکڑی کے حلقہ کے ایک سرے پر رکھ کر فائر کر دیا۔ وہ ویرانہ ہولناک دھماکہ سے لرز اُٹھا۔ ساتھ ہی سیتا کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ میں نے بوکھلا کر ٹارچ روشن کی تو وہ مُسکرا رہی تھی۔

فائر کے نتیجے میں سیتا کی کلائی پر چند خراشیں ضرور آئی تھیں مگر اس کی چیخ کا زخم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ دھماکے کا غیر ارادی ردِّ عمل تھا۔

پھر ہم تیزی سے آسٹن کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

کار کے اطراف میں دُور تک کسی ذی رُوح کا پتہ نہیں تھا۔ میں نے دانستہ کار سڑک پر اس طرح پارک کی تھی کہ درختوں کے سائے میں وہ تاریکی ہی کا ایک جزو نظر آتی تھی۔

"میں اپنے ساتھ تمہارا حُلیہ بدلنے کا سارا سامان لایا ہوں: مگر بنارس سے نکلنے تک تمہیں کار کی ڈکی میں چھُپا رہنا ہو گا۔" میں نے سیتا سے کہا اور وہ خلافِ توقع اعتراض کی بجائے خوش ہو گئی۔ اس کے لئے تو یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔

ڈکی کھول کر ریوالور، ٹارچ اور شکاری چاقو کے علاوہ سارا سامان میں نے اس میں رکھا۔ ڈکی کے ڈھکنے کے نیچے لگے ہوئے واٹر ٹائٹ ربر کے کئی ٹکڑے کاٹ کر اس طرح نکال پھینکے کہ ڈکی بند ہونے کے بعد سیتا کو تازہ ہوا بھی ملتی رہے اور گاڑی چلنے کے دوران میں ڈھکنا غیر معمولی شور پیدا نہ کرے۔

"اچھا سیتا! اب خاموش رہنا۔" میں نے اس کے رُخسار پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "جب تک میں ڈھکنا نہ کھولوں آواز نہ نکالنا۔ اور جب گاڑی رُکی ہوئی ہو تو ذرا بھی حرکت نہ کرنا ورنہ ہم دونوں چوہوں کی طرح پکڑ لئے جائیں گے۔"

"اچھا جی!" وہ ٹھنک کر بولی۔ "میں تو اتنی تھکی ہوئی ہوں کہ شاید اس میں لیٹتے ہی نیند آ جائے۔ درخت پر بیٹھے بیٹھے میرا بدن پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا ہے۔"

سیتا ڈکی میں داخل ہوئی۔ میں نے آہستگی سے ڈکی کا ڈھکنا مقفّل کر دیا۔ اور اطمینان کا گہرا سانس لیتا اپنی نشست پر بیٹھنے لگا۔

"ٹھہرو صفدر!" دروازے کے ہینڈل پر میرا ہاتھ پڑتے ہی عقب سے کوئی للکارا اور میرا وجود لرز کر رہ گیا۔ میں بوکھلا کر آواز کی سمت میں گھُوما تو تاروں کی مدّھم روشنی میں ٹنڈن ایک ٹیلے پر ریوالور بدست کھڑا نظر آیا۔

"تت — تم یہاں؟" میں غیر ارادی طور پر ہکلایا۔

"ہاں، تم سمجھ رہے تھے کہ مجھے جُل دے کر بھاگ جاؤ گے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مگر مجھے صبح ہی تمہاری کہانی پر شبہ ہو گیا تھا۔ اگر تمہارا بیان کیا ہوا کُتّے کا حُلیہ درُست تھا تو اس کے حملے کے نتیجے میں اتنے سطحی زخم آنا ناقابلِ یقین تھا اور ڈاکٹر نے تمہاری بے ہوشی کے دَوران میں میرے شبُہ کی تصدیق کر دی۔ ان میں کوئی خراش دانتوں سے نہیں آئی تھی۔ وہ سب پنجوں کے زخم تھے، کسی ہلکے جانور کے پنجوں کے۔ خونخوار کُتّے کے پنجے بھی بدن سے گوشت کے لوتھڑے نوچ لیتے ہیں...... تمہارے اسی جھوٹ نے مجھے اُکسایا اور آج دوپہر سے میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں۔ تمہاری خریداری سے مجھے شبُہ ہو گیا تھا کہ تم نے سیتا کا سُراغ پا لیا ہے اور اب فرار کی تیاری کر رہے ہو — مگر تم یہ بھُول گئے کہ تم استاد سے ایک معاہدہ کر چکے ہو، اسے توڑ کر تم بنارس سے زندہ نہ نکل سکو گے۔"

"میرا راستہ نہ روکو ٹنڈن! اس وقت میں تنہا پہاڑوں تک سے ٹکرا جاؤں گا۔"

"پہاڑ نہیں، صرف ٹنڈن سے ٹکرا کر دیکھو۔" اس نے ریوالور نچایا۔ اب اس کے اور میرے درمیان بمشکل دس بارہ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا اور ہم دونوں درخت کے سائے میں کھڑے تھے۔ "میں ایک کے مقابلے میں ایک کا قائل ہوں۔ اس خُونی لڑکی کو ڈکی میں مقفّل کر کے تم نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔" وہ پورے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ "سلامتی اسی میں ہے کہ واپس تارا باغ چلو ورنہ تم پر گولی چلاتے ہوئے مجھے کوئی دُکھ نہ ہو گا اور میں لڑکی سمیت یہ آسٹن اُستاد کے حوالے کر دوں گا۔"

"میں کیمیا گری کا نسخہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے چیخ کر مجھے وارننگ دی اور میں نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

"اس نسُخہ میں ساری تدبیر موجود ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھی۔ "تجربہ کے دوران تم خود اس بات کے شاہد رہے ہو۔ اُستاد کو صرف مصنوعی سونا چاہیئے، صفدر علی اس کے لئے بیکار ہے۔ مجھے خاموشی سے نکل جانے دو۔"

"اسے کیا چاہیئے اور کون اس کے لئے بیکار ہے، یہ فیصلہ کرنا صرف

استاد کا کام ہے۔ اگر وہ تمہاری بات مان گیا تو تارا باغ سے تم جدھر چاہو جا سکو گے۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"تم بھی میرے ساتھ نکل چلو، میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ کیمیا گری کے علاوہ میں پارس پتھر کا بھی مالک ہوں جو ابھی تک صرف افسانہ بنا ہوا تھا۔"

"تم تختِ سلیمان بھی دے دو تو ٹنڈن استاد سے نمک حرامی نہیں کرے گا۔"

"ٹنڈن!" میں نے نرم لہجے میں اُسے سمجھانا چاہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں سیتا کے ہمراہ اس وقت اپنی بقا کی شاید آخری اور بھرپور جنگ لڑ رہا ہوں۔ میرے لئے بنارس سے نکلنے کا یہ بہترین موقع ہے، میں بھی استاد سے نمک حرامی نہیں کر رہا۔ کیمیا گری کا راز تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ میری آزادی کے لمحات تو مختصر نہ کرو۔ میرے دوست! مجھے جانے دو۔"

"نہیں — یہ ناممکن ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ "استاد کی شاگردی میں آج تک ٹنڈن نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ استاد دماغ ہے اور ٹنڈن اس کی تابع طاقت۔"

"پھر تم نے میرے تعاقب کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"یہ استاد کے حکم کے مطابق تھا۔ اس نے مجھے اور جسونت کو تمہاری حفاظت پر مامور کیا ہوا ہے۔" وہ اپنے موقف سے ذرا بھی ہلنے کو تیار نہ تھا۔

میں اسے باتوں میں لگا کر سوچنے کی مہلت بھی لے رہا تھا، میرا ذہن تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا اور میں اس بدترین صورتِ حال کو اپنے حق میں بدلنے کی کوئی تدبیر نہیں سوچ پا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ سیتا جیل سے کیسے فرار ہوئی؟" میں نے اچانک لہجہ بدل کر بڑے سکون کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ میرا دردِ سر نہیں، پولیس کو اس کی فکر ہونی چاہیئے۔"

"نہیں، تم بھی سنو۔" میں نے اب بڑے اعتماد سے کہا۔ "سیتا کو بندروں کی زبان پر ملکہ حاصل ہے۔ بنارس جیل میں پھرنے والے بندروں نے اس کے لئے خفیہ سُرنگ تیار کی تھی۔"

"یہ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ پریشانی بھی تھی۔ شاید میرے لہجے کے سکون اور اعتماد نے اسے چکرا دیا تھا۔

"اس لئے کہ بندروں کا ایک غول سیتا نے کل رات سے میری حفاظت پر مامور کیا ہوا ہے اور اگر اب تم نے صرف لہجہ بھی تیز کیا تو تمہارے پیچھے موجود بندروں کی فوج تمہارے ٹکڑے اُڑا دے گی۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

ٹنڈن کو میری بات پر یقین نہ آیا مگر اس کی گردن غیر ارادی طور پر پیچھے گھوم گئی اور یہی وہ مہلت تھی جو مجھے درکار تھی۔

میرا ہاتھ تیزی سے جیب میں گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا بھرا ہوا مہلک ہتھیار برآمد ہوا جس کا سیفٹی کیچ پہلے ہی ہٹا ہوا تھا اور ایک زبردست دھماکے کے ساتھ کئی تولہ پگھلا ہوا سیسہ ٹنڈن کے سینے میں اُتر گیا۔ وہ کریہہ سی چیخ مار کر دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے زمین پر گر گیا۔ اس کا ننھا سا ریوالور نہ جانے کہاں جا گرا تھا۔

میں نے ریوالور جیب میں رکھا۔ ٹنڈن کا بدن ابھی تک تڑپ رہا تھا۔ اس کا زندہ بچنا میرے لئے بہت خطرناک تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں سیاہ اسٹیشن کے ذریعے سیتا سمیت فرار ہو رہا ہوں۔ میں زمین سے ایک پتھر اُٹھانے کے لئے جھکا تاکہ دوسرا فائر کئے بغیر اس کا سر کھول کر اسے موت کی سرحدوں میں دھکیل سکوں کہ اچانک فضا میں گھوڑوں کے سموں کی تیز آوازیں اُبھریں۔ میں پتھر چھوڑ کر تیزی سے سیدھا ہو گیا۔

اتنی دیر میں دو گھڑسوار گشتی سپاہی میرے سر پر پہنچ چکے تھے۔

"غضب ہو گیا، غضب ہو گیا۔" میں نے اچانک ہذیانی اور اضطراری انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ "وہ خونی لڑکی میرے ساتھی کو مار گئی ..... اس کا پیچھا کرو حوالدار جی۔ وہ ابھی اس میدان میں بھاگی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی ہے۔"

"کدھر گئی وہ؟" خونی لڑکی کا نام آتے ہی ان کا دورانِ خون تیز ہو گیا۔ اس وقت لاش کی دریافت سے زیادہ اہم سیتا کی بازیابی تھی۔

"اُدھر — اُدھر بھاگی ہے کسی لنگور کی طرح۔" میں نے سامنے ہاتھ اُٹھا دیا۔

ان کی آنکھوں میں دُہری ترقی اور کئی پیشگی اضافوں کی حسرت چمکی۔ اور وہ بولے۔ "ہم اس کے پیچھے جا رہے ہیں، تم ہماری واپسی تک یہیں رُکو۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ویران میدان میں گھستے چلے گئے۔

میں نے پتھر اُٹھا کر ٹنڈن کے سر پر رسید کیا۔ خون کے فوارے اُبلے اور اُس کا بدن ایک بار اُچھل کر بے جان ہو گیا۔

میں نے پھرتی سے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ٹنڈن مر چکا تھا۔ تاریکی اور بدحواسی کے باعث وہ سپاہی نہ کار کا نمبر نوٹ کر سکے تھے، نہ انہیں اس کی ساخت یاد رہی ہوگی۔ قلیل ترین تنخواہ پانے والے ان مفلوک الحال کارندوں کے لئے ہر موٹر صرف موٹر ہوتی ہے۔ اس کا نہ ماڈل ہوتا ہے، نہ ساخت — اور ان کی یہ لاعلمی میرے لئے کامیابی کی کلید تھی۔

ابھی تک سنسنی خیز رکاوٹوں اور حادثات کے باوجود میرا منصوبہ کامیاب جا رہا تھا اور اگر کوئی مزید رکاوٹ سامنے نہ آئے تو میں بس چند ہی گھنٹوں میں دریائے گنگا کے اُس پار مرزا پور پہنچ سکتا تھا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تارکول کی ویران سڑک بل کھاتی ہوئی سیاہ ناگن کی طرح چمک رہی تھی۔ کار کی رفتار ظاہر کرنے والی سوئی ستر اور پچھتر کے درمیان لرز رہی تھی اور میرا بس نہ چلتا تھا کہ کار کے پائیدان کو توڑ کر ایکسیلیٹر پیڈل اس سے بھی زیادہ نیچے دبانا چلا جاؤں۔

اور اِس کے بعد آئندہ ماہ

کیا کہ وہ بالکل مشینی انداز میں جواب دے رہی ہے۔ شاید وہ ابھی تک اس صدمے کے اثر سے سنبھلی نہیں تھی۔

"تم نے لاش کب دیکھی؟"

"جس وقت یہ واقعہ ہوا میں یہیں موجود تھی۔"

"گویا تم نے اسے قتل ہوتے ہوئے دیکھا؟" ٹورس نے پوچھا۔

اسکاٹ نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے کہا اور معذرت خواہ ہوتے ہوئے بتایا کہ وہ کار ونر کو فون کرنے جا رہا ہے۔ فون وہیں کمرے میں رکھا تھا۔ وہ نمبر ڈائل کرنے لگا اور ٹورس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں میں نے اسے اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھا۔" مس وڈل نے ٹورس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا تم اس آدمی کو جانتی ہو؟"

"وہ کوئی آدمی نہیں تھا۔"

"تو عورت تھی۔ تم اسے جانتی ہو؟"

"میں پوری سچائی سے کہہ سکتی ہوں کہ میں اسے پہچاننے سے قاصر ہوں۔"

"وہ یہاں داخل کس طرح ہوئی؟"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ پہلے سے یہاں کہیں چھپی بیٹھی تھی۔"

اسکاٹ غور سے یہ سوال و جواب سن رہا تھا۔ اور اسے توقع تھی کہ اب ٹورس کو اس عورت کے حلیئے کے بارے میں سوال کرنا چاہیئے۔ ٹورس نے اسے مایوس نہیں کیا۔ مس وڈل نے ایک لمحے سوچا۔

"وہ بہت لمبی عورت تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا چھ فٹ۔ یا اس سے کچھ کم یا زیادہ؟"

"بہت زیادہ۔ مجھے تو وہ آٹھ فٹ سے کم لمبی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔"

"آٹھ فٹ؟" ٹورس نے تعجب سے کہا۔ "کیا تم اس سے بہتر اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ اگر وہ آٹھ فٹ لمبی ہوتی تو اس کا سر اس کمرے کی چھت سے جا لگتا؟"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مس وڈل نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کا سر تو چھت سے نہیں ٹکرا رہا تھا۔"

"بہرحال تمہارا اندازہ ہے کہ وہ چھ فٹ سے زیادہ لمبی تھی؟"

"یقیناً۔"

"ایک مرتبہ پھر غور کر کے واضح طور پر جواب دو۔ مجھے یہاں نوٹ کرنا ہوگا۔"

"اچھا۔ تو پھر سات فٹ لمبی لکھ لو۔"

"سات فٹ لمبی۔" ٹورس اب بھی مطمئن نہیں تھا، مگر اس نے لکھ لیا۔ "اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"وہ لمبی تھی۔"

"سارجنٹ،" اسکاٹ نے ریسیور رکھتے ہوئے ٹورس کو مشورہ دیا۔ "ذرا اسے سکون سے جواب دینے کا موقع دو۔" اس نے مس وڈل کی طرف دیکھا۔ "ہم لوگ تم سے پے در پے سوالات اس لئے کر رہے ہیں کہ شاید ابھی اتنی دیر نہ ہوئی ہو کہ قاتل اس شہر سے نکل کر کہیں اور بھاگ گیا ہو۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" مس وڈل نے کہا۔ "تم جس قدر چاہو سوالات کرو۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اس عورت کا حلیہ تفصیل سے نہیں بتا سکتی۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا اور اتنی تیزی سے ختم ہو گیا اور وہ عورت ایسی آناً فاناً غائب ہوئی کہ میں اسے ٹھیک سے دیکھ ہی نہیں سکی۔"

"کیا وہ دروازے سے باہر گئی تھی؟"

"باہر جانے کے لئے دروازے کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ تمام کھڑکیوں میں جالی لگی ہے۔"

"لیکن تم نے اسے باہر جاتے نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ اس نے اس کے سر پر پہلی ضرب ماری تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ جھکی اور ٹھیک اسی جگہ دوسری ضرب ماری۔ میں فوراً کچن میں گئی اور ایک تولیہ پانی میں بھگو کر لائی تاکہ اس کے سر کے زخم سے خون پونچھ سکوں۔ واپس آئی تو وہ عورت غائب ہو چکی تھی۔ میں نے تولیہ اس کے زخمی سر پر رکھا۔ اس کے چہرے پر پھیرا تاکہ اسے ہوش آ جائے مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ مر چکا ہے اور میں نے تم لوگوں کو فون کیا۔"

لیفٹیننٹ اسکاٹ نے کہا کہ جب تک ٹورس سوالات کر رہا ہے وہ فلیٹ کو چیک کر لے۔ اس نے کچن میں جھانک کر دیکھا۔ راہداشی کمرے میں گیا۔ پھر بیڈ روم اور باتھ روم دیکھا۔ وہ بیڈ روم میں تھا کہ ٹورس بھی آ گیا۔

"مجھے تو بات بالکل صاف معلوم ہوتی ہے۔" وہ سرگوشی میں بولا۔ "اس نے ہی اپنے شوہر کو قتل کیا ہے۔"

"لیکن اگر ہال میں متعین گارڈ نے سات فٹ لمبی کسی عورت کو باہر جاتے دیکھا ہو تب۔" اسکاٹ نے کہا۔

"اس کا امکان نہیں مگر بہرحال میں اس سے پوچھ لیتا ہوں۔"

اسکاٹ نے کہا کہ وہ خدمت گار کو بلانے کے لئے بٹن دبائے ٹورس کو یہ تمام پابندیاں بالکل پسند نہیں تھیں۔ اس نے کہا کہ یہ قتل کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ تحقیقات میں مداخلت نہیں کر سکتے اور اگر وہ چاہے تو کسی خدمتگار کے بغیر جہاں چاہے جا سکتا ہے اور جس سے چاہے سوالات کر سکتا ہے۔ اس پر اسکاٹ نے ایک مرتبہ پھر اسے سمجھایا کہ یہ بڑے لوگوں کی بستی ہے جو سب بے انتہا اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جائے۔ آخر ٹورس اس پر آمادہ ہو گیا کہ وہ منیجر کو بلائے گا اس سے بات کرے گا، اور اگر منیجر تعاون پر آمادہ ہوا تو وہ حتی الامکان خاموشی

کے ساتھ تحقیقات کرنے کی کوشش کریں گے۔

منیجر سیدھا فلیٹ نمبر ون اے میں آیا۔ اس نے لاش دیکھ کر افسوس کا اظہار کیا پھر مس وڈل سے تعزیت کی۔ منیجر کا نام فریمین تھا اس نے کارونر کے بارے میں پوچھا کہ اسے مطلع کیا گیا یا نہیں اور جب اثبات میں جواب ملا تو اس نے کہا کہ وہ ایسا انتظام کرے گا جس سے کارونر کو سروس والے دروازے سے اندر لایا جائے۔ اس کے بعد اس نے لیفٹیننٹ اسکاٹ اور سارجنٹ ٹورس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی تحقیقات کو صرف اسی فلیٹ تک محدود رکھیں اور دوسرے افراد کو پریشان نہ کریں۔ اس پر ٹورس اور چڑ گیا۔

”ممکن ہے ہمیں پوری بلڈنگ میں جانا پڑے“۔ وہ ناگواری سے بولا۔ ”اور اس کے لئے اگر ہمیں عدالت سے آرڈر لانے کی ضرورت ہوگی تو ہم وہ بھی کرلیں گے“۔

”مجھے اس میں شبہ ہے“۔ فریمین نے کسی غصے کے بغیر جواب دیا۔ ”پوری کاؤنٹی میں کوئی جج ایسا نہیں جو اس خطرے کو دعوت دینے پر تیار ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس میں وقت بھی لگے گا۔ میں اس واردات کی تحقیقات کو جلد از جلد مکمل کرنے کے لئے اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں لیکن اگر تم نے پولیس والوں کا رعب دکھانے کی کوشش کی تو مجھے صرف ایک فون کال کرنا پڑے گی اور تم پانچ منٹ کے اندر اس کیس کی تحقیقات سے سبکدوش کر دیئے جاؤ گے“۔

”مجھے کوئی شبہ نہیں کہ تم ایسا کر سکتے ہو“۔ ٹورس کو بادل نخواستہ تسلیم کرنا پڑا۔ ”ٹھیک ہے۔ ہمیں تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر ہمیں کسی دوسرے فلیٹ میں رہنے والے سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہوئی تو ہم پہلے تم سے رابطہ قائم کریں گے“۔

”شکریہ“، فریمین نے جواب دیا۔ ”میں نے باہر ایک خدمتگار کو کھڑا کر دیا ہے جہاں تمہیں جانا ہوگا وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا بہرحال یہاں کے ملازمین سے تم جو سوال کرنا چاہو کر سکتے ہو“۔

منیجر فریمین چلا گیا تو ٹورس نے ارنسٹ سے جو باہر ہی موجود تھا، کہا کہ وہ بیرونی گیٹ کے گارڈ سے ملنا چاہتا ہے۔ ارنسٹ اسے ساتھ لے کر گیٹ تک گیا۔ وہاں ٹورس نے گارڈ سے پوچھا کہ وہ کس وقت سے ڈیوٹی پر ہے۔

”پوری صبح سے ڈیوٹی پر ہوں“۔ گارڈ نے جواب دیا۔

”آج صبح کسی کو فلیٹ نمبر ون اے میں داخل ہوتے دیکھا؟“

”ہاں۔ ہرب ۔۔۔ میرا مطلب ہے، کہ مسٹر بٹلر اندر گئے تھے“

”کسی کو باہر نکلتے دیکھا؟“

”نہیں“۔

عقلمند را اشارہ....

کیلیفورنیا کی ایک خاتون نے نئی گھڑی خریدی مگر وہ خراب نکلی۔ خاتون نے گھڑی ساز کمپنی کے نام خط لکھا — مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ مجبوراً خاتون نے کمپنی کو ٹیلی گرام بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ ”میں نے آپ کی گھڑی خریدی ہے۔ بتایئے کیا وقت ہوا ہے“۔

یہ تدبیر مؤثر ثابت ہوئی۔ کمپنی والے خاتون کا اشارہ سمجھ گئے اور انہوں نے دوسری گھڑی بھیج دی۔

”خاص طور سے سات فٹ لمبی کسی عورت کو“۔

”بالکل نہیں“۔ گارڈ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

ٹورس ارنسٹ کے ساتھ واپس آیا۔ لیکن اندر جانے سے پہلے ارنسٹ سے پوچھا۔

”کیا تم اس کے شوہر کو جانتے تھے؟“

”ہرب بٹلر کو۔ کیوں نہیں۔ پہلے وہ بھی یہاں میری طرح خدمتگار تھا“۔ ارنسٹ نے بتایا۔ ”وہ مس وڈل کو ڈرائنگ روم میں لایا لے جایا کرتا تھا۔ خوبصورت آدمی تھا۔ مس وڈل اس پر ریجھ گئیں اور شادی کرلی۔ مگر ہوا کیا؟ کیا اس نے مس وڈل کی کوئی قیمتی چیز چرالی ہے؟“

”نہیں۔ کسی نے اسے قتل کر دیا ہے“۔

ارنسٹ حیرت میں رہ گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ شنگریلا میں کوئی اس طرح کی واردات ہو سکتی ہے۔

”ان کی شادی کو کتنے دن ہوئے تھے؟“ ٹورس نے سوال کیا۔

”ایسٹر کو شادی ہوئی تھی اس حساب سے چھ ہفتے ہوتے ہیں“۔

”وہ کس قسم کا آدمی تھا؟“

”عورتوں کو پھانسنے میں ماہر تھا۔ یہاں کی ایک ویٹرس سے جس کا نام کلوسی ہے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ وہ دونوں سن سٹ بیچ پر ایک ہٹ میں رہتے تھے“۔

”کیا مس وڈل سے شادی کے بعد یہ معاملہ ختم ہو گیا تھا؟“

”بالکل نہیں۔ وہ ایک ہفتہ بھی کلوسی سے الگ نہیں رہ سکا

اب بھی اپنا آدھا وقت وہیں ہٹ میں گذارتا تھا۔"

"کیا یہ ویٹرس کلو بھی سات فٹ لمبی ہے؟"

"مذاق کرتے ہو۔" ارنسٹ مسکرایا۔ "ارے اس کا قد تو پانچ فٹ سے زیادہ نہیں ہے مگر ہے بہت خوبصورت۔"

ڈورس فلیٹ میں داخل ہوا اور اس نے مس ڈول کو بتایا کہ گارڈ نے کسی عورت کو فلیٹ سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ یہ سن کر مس ڈول نے کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا۔ اور یہ ہی کہا کہ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ وہ عورت غائب ہو چکی ہے۔

"مس ڈول۔" ڈورس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اس لمبی عورت نے کس چیز سے ضرب ماری تھی؟"

"ایک ڈنڈے سے۔"

"کیسا ڈنڈا؟"

"گول ڈنڈا۔ تقریباً دو فٹ لمبا۔"

"مگر وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ لکڑی کا یا کسی دھات کا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ یوں تو وہ کپڑے کا بھی ہو سکتا ہے۔"

"کپڑے کے ڈنڈے سے اتنی شدید ضرب نہیں آ سکتی۔"

ڈورس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہرب ٹیلر کو قتل کرنے کا موقع تم سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں تھا۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ جلد ہی تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرے پاس اسے قتل کرنے کا مقصد بھی موجود تھا۔ میرا احمق شوہر مجھے فریب دیتے رہا تھا۔ ویسے اصل میں احمق میں ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ دولت سے ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ بہرحال میں نے ایک جاسوس کی خدمات حاصل کیں کہ وہ معلوم کرے ہرب اپنی راتیں کہاں بسر کرتا ہے۔ جاسوس نے آج صبح مجھے فون کیا اور بتایا کہ میرا شوہر ساحل پر کسی ہٹ میں ایک سرخ بالوں والی عورت کے ساتھ رہتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں جو روپیہ اسے دے چکی ہوں اس سے یہ قصہ ختم ہو گیا ہو گا۔"

"دوسرے الفاظ میں جب وہ آج صبح واپس آیا تو تم اس سے بیحد ناراض تھیں؟"

"مگر اسے میرے غصے کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ مجھ سے مزید رقم کا مطالبہ کرنے لگا۔"

"جس پر تم نے اسے ڈنڈا مار کر ختم کر دیا؟"

"کیسا ڈنڈا؟"

"وہ چیز جس سے ہرب کو قتل کیا گیا ہے۔"

اسی وقت کارونر آ گیا اور اس کی آمد نے وقتی طور پر اس سوال و جواب کا خاتمہ کر دیا۔ کارونر لاش کا معاینہ کرنے لگا اور اسکاٹ اور ڈورس کچن میں ڈنڈا تلاش کرنے لگے۔ کچن میں ایک چولہا اور ایک فریج رکھا ہوا تھا مگر وہاں ڈنڈے کی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

"وہ ڈنڈے کو کھڑکی سے باہر تو پھینک نہیں سکتی تھی، کیونکہ ہر کھڑکی پر جالی لگی ہے۔" اسکاٹ نے کہا۔

"ہم اسے تلاش کر لیں گے۔" ڈورس نے کہا اور اس بھیگے ہوئے تولیے کی طرف دیکھا جو واش بیسن میں پڑا ہوا تھا۔ وہ سفید رنگ کا غسل والا تولیہ تھا اس پر خون کے دھبے بھی پڑے ہوئے تھے۔

"اس کی داستان کا ایک حصہ تو درست معلوم ہوتا ہے اس نے واقعی ہرب کو ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی مگر کیوں۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ ایک پہیوں والی کرسی میں بیٹھے رہنے پر مجبور عورت اور وہ اپنے جرم کی صفائی میں جو عذر پیش کرتی ہے وہ ایک سات فٹ کی عورت ہے جو غائب ہو چکی ہے۔"

"اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بچپن سے اسی طرح اپاہج ہے" اسکاٹ نے کہا۔ "تم اس بیان کو بھی چیک کر لینا۔ ڈسٹرکٹ اٹارنی کی خواہش ہوگی کہ ہم اسے ہر قسم کی الجھن سے پاک صاف کیس پیش کریں۔"

"اگر وہ ڈنڈا مل جاتا ہے تو پھر ہمیں اور کیا چاہیئے۔" ڈورس نے کہا۔ "مقصد وہ خود بتا چکی ہے اور موقع بھی اسے حاصل تھا۔"

"لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اپاہج ہے۔" اسکاٹ بولا۔ "اگر اس نے ہرب کو مارا ہے تو وہ اس کے سر تک کیسے پہونچ سکی ہوگی۔"

"ممکن ہے اس نے کسی بہانے سے ہرب کو جھکنے پر مجبور کر دیا ہو، اور جب وہ جھکا ہو تو اس کے سر پر ضرب ماری ہو۔"

"کس چیز سے۔"

"سچ کہتے ہو۔" ڈورس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "ہمیں وہ ڈنڈا اس گھر سے برآمد کرنا ہی پڑے گا۔"

کارونر اور اس کا معاون اپنے معائنے سے فارغ ہو گئے اور کارونر نے ڈورس سے وعدہ کیا کہ وہ دو تین گھنٹے کے بعد اپنی رپورٹ بھجوا دے گا۔ اس کے بعد ہرب ٹیلر کی لاش پولیس کے مردہ خانے میں بھیج دی گئی۔ ڈورس نے مس ڈول سے کہا کہ وہ فلیٹ کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ اور مس ڈول نے بڑی خوشی سے اجازت دیدی۔ بڑی احتیاط اور دور بینی کے ساتھ سارے فلیٹ اور فلیٹ کے ہر کمرے کو تلاش کیا گیا لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جسے ڈنڈے کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہو

"ممکن ہے کہ وہ اس پر بیٹھی ہوئی ہو۔" ڈورس نے اچانک کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" اسکاٹ نے جواب دیا۔ "لیکن یہ معاملہ بہت نازک ہے ابھی ہمارے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ

سچ نہیں ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔ ہال کے سامنے ہی ایک گارڈ کھڑا ہوا ہے اس نے کوئی عورت کسی قد و قامت کی نہیں دیکھی۔"

"فرض کرو اسے رشوت دے کر خاموش کر دیا گیا ہو۔"

"ناممکن۔ اگر رشوت ہی کی بات ہے تو یہ صرف گارڈ کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس سازش میں گارڈ، گیٹ مین اور خدمتگار سب کا شامل ہونا ضروری ہے۔ لعنت ہو۔ ذرا بتاؤ تو تم نے اب تک کتنی عورتیں سات فٹ لمبی دیکھی ہیں؟"

"ایک بھی نہیں دیکھی۔" اسکاٹ نے کہا۔ "کیا تم کوئی ایسا طریقہ نہیں سوچ سکتے جس سے کام لیتے ہوئے کوئی سات فٹ کی عورت اس فلیٹ میں آ جائے اور اسے صرف گارڈ کو رشوت دینا پڑے۔"

"ایک طریقہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سمندر میں تیرتی ہوئی آئے اور کنارے پر چڑھ جائے اور اس وقت آئے جب ساحل پر کوئی نہیں ہوتا مگر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نے وہ ڈنڈا اپنے نیچے تو نہیں چھپا رکھا ہے۔"

ٹورس رہائشی کمرے میں واپس آیا اور مس وڈل سے کہا۔

"ہم نے ہر جگہ وہ ڈنڈا تلاش کیا سوائے تمہاری کرسی کے۔ اور جب تک ہم یہ نہ کرلیں نہیں کہہ سکتے کہ وہ ڈنڈا اس فلیٹ میں نہیں ہے میں ایک عورت آفیسر کو بلاتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں اگر تم لوگ اجازت دو تو میں اپنے بیڈ روم میں جا کر دوسرے کپڑے پہن لوں۔" مس وڈل نے جواب دیا "اس کے بعد تم میری کرسی اور یہ کپڑے اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔"

"ہم اس تعاون کے لئے بےحد ممنون ہوں گے۔"

وہ دس منٹ تک بیڈ روم میں رہی اور پھر آواز دے کر انہیں اندر بلا لیا۔ وہ اندر گئے۔ مس وڈل اپنے بستر پر ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے لیٹی تھی اور بہت زیادہ دبلی پتلی نظر آ رہی تھی۔ اس کے پیر ایک طویل مدت سے استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے تقریباً سوکھ گئے تھے لیکن اس کے بازو اور کندھے مسلسل کرسی چلاتے چلاتے خاصے مضبوط اور طاقت ور معلوم ہوتے تھے۔ ٹورس نے اس کے اتارے ہوئے کپڑے اور کرسی دیکھی مگر ڈنڈا وہاں بھی نہیں تھا۔ اس نے پلٹ کر اسکاٹ کی طرف دیکھا۔ اسکاٹ نے آہستہ سے اپنے کندھے اچکا دیئے۔ اور ٹورس نے ایک مرتبہ پھر مس وڈل کو مخاطب کیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ کیا تم ہمارے سامنے اپنی کرسی پر واپس نہیں آ سکتیں۔"

اور پہلی مرتبہ مس وڈل کے ہونٹوں پر ایک خفیف مسکراہٹ ابھری "ضرور سارجنٹ ضرور۔" اس نے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ تم یہ اطمینان کرنا چاہتے ہو کہ میں کہیں وہ ڈنڈا کرسی سے اٹھا کر بستر پر تو نہیں لے آئی ہوں اور اب اس پر لیٹی ہوئی ہوں۔"

"ہاں مادام یہی بات ہے۔" ٹورس نے کسی شرمندگی کے بغیر کہا۔

مس وڈل اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اپنے پیر لٹکائے اور پھر بڑی مہارت سے کرسی پر آ گئی جو پلنگ سے ملی رکھی تھی۔ "مجھے تیس سال سے کرسی پر اترتے چڑھتے کافی مشق ہو گئی ہے۔" اس نے کہا۔

ٹورس نے بڑی احتیاط سے پہلے بستر اور بعد میں سارے بیڈ روم اور باتھ روم میں تلاشی لی یہ سوچتے ہوئے کہ شاید جس وقت وہ دروازہ بند کئے کپڑے تبدیل کر رہی تھی تو اس نے ڈنڈا کہیں چھپا دیا ہو۔ مگر وہ کہیں ہوتا تو ملتا۔ ٹورس نے مس وڈل کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ ابھی کچھ دیر میں واپس آتے ہیں۔

فلیٹ کے باہر ارنسٹ موجود تھا۔ وہ انہیں منیجر فریمین کے آفس میں لے گیا۔ ٹورس نے ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع نہیں کیا، اور براہِ راست مطلب پر آ گیا۔

"تم مس وڈل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے۔"

"اگر یہ حقیقت ہے تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں ہوگا۔" فریمین نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے طور پر بھی کچھ تحقیقات کی ہے۔ ہال کے دروازے پر موجود گارڈ کا بیان ہے کہ مس وڈل کے فلیٹ میں آج صبح سوائے ہربٹلر کے کوئی اندر نہیں گیا۔ اور باہر تو کوئی آیا ہی نہیں۔ ہربٹ آج صبح تقریباً ساڑھے نو بجے آیا تھا۔ جہاں تک گارڈ جیروم کے بیان کا تعلق ہے تو تم لوگ بغیر کسی شبہ کے اس کے بیان پر یقین کر سکتے ہو۔ مس وڈل گوشہ نشین قسم کی خاتون ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں۔ مگر وہ

انتظار

ایک صاحب کا نیا جوتا بُری طرح کاٹ رہا تھا اور وہ سڑک پر لنگڑا کر چل رہے تھے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر ایک راہ گیر نے پوچھا۔ "آپ کو یہ جوتا کہاں سے ملا؟" انہوں نے جل کر جواب دیا۔ "ایک درخت سے توڑا ہے۔" راہ گیر نے برجستہ کہا۔ "آپ کو اس کے پک جانے کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔"

مرسلہ: سہیل خالد، راجن پور

بہت دولت مند ہیں اور اسی کے ساتھ بیحد تنہا بھی۔ اگر ان کے کچھ دوست ہیں بھی تو وہ یہاں کبھی ان سے ملنے نہیں آئے۔ نہ کوئی مرد دوست ہے نہ کبھی کوئی انہیں باہر لے جاتا ہے۔ ان کے وکیل ہیں تو ان سے بھی فون یا خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ قائم رہتا ہے۔"

"اس کی شادی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ ہم سب کے لئے ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ کوئی اور بھی نہیں ہمارا ایک خدمت گار اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہوتا تو شاید ہم ٹبلر کو ملازمت سے برخاست کر دیتے۔ ہم لوگوں کو ملازم رکھنے میں پوری احتیاط کرتے ہیں۔ مگر اس جیسی بات کا تو پہلے سے کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"کیا تمہارے خیال میں اس شادی کے کامیاب ہونے کی کوئی توقع تھی؟"

"بالکل نہیں۔ وہ اپنے آغاز سے ہی ٹوٹنے کے لئے تمام ہوئی تھی میرا خیال ہے کہ ارنسٹ نے تم لوگوں کو تباہ دیا ہوگا کہ ٹبلر کس قسم کا آدمی تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جب مس وڈل اس سے اکتا جائے گی یا اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس مزاج کا آدمی ہے تو وہ اسے ایک چیک دے کر دھکا دے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ٹبلر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس کا قتل کرنا ہی ضروری نہیں تھا۔" ٹورس نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ اگر ٹبلر طلاق دینے کے لئے دس لاکھ ڈالر بھی مانگتا تو مس وڈل بڑی آسانی سے دیدیتی۔ اسی سے تم اس کی دولت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔"

ٹورس نے فریمین کا شکریہ ادا کیا اور گارڈ سے سوال کرنے چلا گیا۔

"مس وڈل کے لئے اسے قتل کرنا ضروری نہیں تھا۔" اسکاٹ نے کہا۔ "یہ پوائنٹ اس کے حق میں جاتا ہے۔"

"ہم ابھی تک یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ وہ ڈنڈا اس کے فلیٹ میں نہیں ہے۔" ٹورس بولا۔

"کیا اب بھی نہیں کہہ سکتے۔" اسکاٹ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ہم اسے تلاش نہیں کر سکے۔"

گارڈ جیروم دوپہر کا کھانا کھانے ملازموں کے ڈائننگ روم میں گیا ہوا تھا۔ اسکاٹ اور ٹورس بھی خدمتگار ارنسٹ کے ساتھ وہیں پہونچ گئے جیروم ایک میز پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اس نے لاش لیجاتے ہوئے دیکھی تھی اور جب منیجر فریمین نے اس سے سوالات کئے تو وہ سمجھ گیا تھا کہ پولیس کے ڈیٹیکٹو بھی اس کے پاس ضرور آئیں گے۔ ٹورس نے سب سے پہلے اس سے اس کے سابقہ ریکارڈ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کبھی گرفتار تو نہیں ہوا۔

"کبھی نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ سوال کیوں؟ کیا مجھ پر کوئی الزام عائد کرنے کا ارادہ ہے۔"

"ابھی تک تم پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جا رہا ہے۔" ٹورس نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے مجھے بتایا تھا کہ فلیٹ نمبر دو سے میں ٹبلر کے علاوہ کوئی اور نہیں گیا۔"

"ہاں اور میں جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔"

"تمہیں رشوت دے کر تمہارا بیان تو تبدیل کرایا جا سکتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اس فلیٹ کے اندر گیا اور ٹبلر کو قتل کر دیا اور اسکے بعد تمہارے سامنے سے نکلا چلا گیا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تمہیں رشوت دے کر جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔"

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا چاہے مجھے دس لاکھ ڈالر کی رشوت ہی پیش کیوں نہ کی جاتی۔" جیروم نے غصے سے کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ وجہ بتاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔"

"تم ساحل پر گشت لگانے والے گارڈز سے پوچھ سکتے ہو۔" جیروم نے کہا۔ "وہ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ گارڈ بھی۔ جو عمارت کی چھت پر دوربینوں کے ساتھ چاروں طرف دیکھتے رہتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ارنسٹ نے جیروم کی تائید کی۔ "ساحل پر ہر وقت پہرہ دیا جاتا رہتا ہے، کوئی فرد سمندر سے تیر کر ساحل پر نہیں آ سکتا اور نہ بغیر دیکھے ساحل سے عمارت میں داخل ہو سکتا ہے۔"

"اتنا ہی نہیں سمندر میں گشت لگانے کے لئے ایک موٹر بوٹ بھی موجود ہے۔" جیروم بولا۔ "اب تو مطمئن ہو گئے ہو گے۔"

"ہاں۔" ٹورس کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں کھانے کے دوران زحمت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

اس کے بعد اس نے ارنسٹ سے کہا کہ وہ ویٹرس کلوسی کو ڈائننگ روم میں لے آئے۔

"اب تو تمہارے نظریئے میں کوئی جان باقی نہیں رہی۔" ٹورس نے اسکاٹ سے کہا۔

"ہماری تحقیقات کا دائرہ تمام پہلوؤں پر محیط ہونا چاہیئے۔" اسکاٹ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ڈسٹرکٹ اٹارنی صاحب اور سلجھا ہوا کیس پسند کرتا ہے۔"

"اگر مجھے وہ ڈنڈا مل گیا تو میں اسے ایسا ہی کیس پیش کروں گا۔" ٹورس نے کہا۔

وہ دونوں ایک خالی بوتھ میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت ڈائننگ روم میں چالیس کے قریب ملازم کھانا کھا رہے تھے اور وہ سب بار بار ان دونوں کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر ٹبلر کے قتل کا واقعہ سب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے۔" ٹورس نے کہا۔

"ہونا ہی چاہیئے تھا۔ آخر اس کی لاش سب ہی کے سامنے لیجائی گئی ہے۔" اسکاٹ نے جواب دیا۔

کچھ دیر میں ارنسٹ ایک چھوٹے قد کی سرخ بالوں والی عورت کو ساتھ لئے بوتھ میں داخل ہوا۔ ٹورس نے اسے ایک خالی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں تمہیں ایک بری خبر سنانے والا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"میں نے سن لی ہے۔ مگر مجھے اس پر یقین نہیں۔ ہرب اسے قتل نہیں کر سکتا"۔ کلوسی نے کہا۔ "یہ سمجھ رہی ہے کہ مس وڈل قتل کی گئی ہے۔ ٹورس نے سوچا۔

"واقعہ اس کے برعکس ہے"۔ اس نے کہا۔ "ہرب ٹیلر قتل کیا گیا ہے"۔

"اوہ میرے خدا"۔ کلوسی کا چہرہ فق ہو گیا۔ "مگر سب تو کہہ رہے تھے کہ مس وڈل قتل کی گئی ہیں۔ اسٹریچر پر کپڑا اڑا ہوا تھا۔ مگر ہم سب نے یہی سمجھا کہ ..."

"کیا ہرب کے کچھ دشمن تھے"۔ ٹورس نے بات کاٹی۔

"کوئی ایسا دشمن نہیں تھا جو اسے قتل کر دیتا"۔ کلوسی نے جواب دیا۔

"کیا تم ہرب ٹیلر سے محبت کرتی تھیں"۔

"نہیں۔ اسے محبت تو نہیں کہہ سکتے۔ مگر کہیں تم یہ تو نہیں سوچ رہے ہو کہ میں نے اسے مار ڈالا۔ ہرب کے اور میرے درمیان بس ایک انہام و تفہیم کا معاملہ تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے۔ تم چاہو تو اسے ایک بری عادت کہہ لو۔ بہرحال اس نے مس وڈل سے دولت کے لئے شادی کی تھی اور اس نے ہرب کو کافی روپیہ دیا بھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ جب تک وہ مس وڈل کے ساتھ ہے اسے مجھ سے نہیں ملنا چاہیئے مگر ہرب نے کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے بتایا کہ مس وڈل نے ایک جاسوس کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے اور یہ کہ جتنی جلدی مس وڈل کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اب بھی مجھ سے مل رہا ہے اتنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہوتے ہی وہ طلاق کا مطالبہ کرے گی اور ہرب ایک معقول رقم وصول کر کے اسے طلاق دیدے گا"۔

"کیا تمہارے خیال میں مس وڈل نے ہرب کو قتل کیا ہوگا"۔

"میں کہہ نہیں سکتی۔ اس کے فلیٹ میں ملازمہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا تھا"۔

"ملازمہ؟ کیا شنگریلا کے اسٹاف میں کوئی ایسی ملازمہ بھی شامل ہے جس کا قد سات فٹ ہو"۔

"نہیں تو"۔ کلوسی نے نفی میں سر ہلایا اور پھر پوچھا۔ "کیا واقعی ہرب کو مس وڈل نے قتل کیا ہے؟"

"ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ ٹورس نے کہا اور کلوسی کا شکریہ ادا کر کے اسے رخصت کر دیا۔

اس کے بعد وہ ارنسٹ کے ساتھ فلیٹ نمبر ون اے میں واپس آ گئے۔ مس وڈل نے اپنے پہلے والے کپڑے دوبارہ پہن لئے تھے اس نے دروازہ کھولا اور پھر اپنی کرسی چلاتی ہوئی کھڑکی کے پاس چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ میرے بارے میں سب کچھ معلوم کر چکے ہو گے"۔ اس نے کہا۔

"ہاں کافی معلوم کر چکے ہیں"۔ ٹورس نے جواب دیا۔ مس وڈل نے کرسی کا رخ ان کی طرف کر لیا۔

"پھر کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ میں نے کرسی سے کھڑے ہو کر اس کے سر پر ضرب ماری اور اسے ختم کر دیا"۔ اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ تم نے کسی بہانے سے اسے نیچے جھکنے پر مجبور کر دیا ہوگا"۔

"اوہ۔ بہرحال میں اس نکتے پر کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی کیونکہ اگر تم مزید تحقیقات کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرے پیروں میں خون کا دوران بہت کمزور ہے اس لئے اکثر و بیشتر پیروں پر مساج و مالش کی ضرورت پڑتی ہے"۔

"تو تم اپنے شوہر سے پیروں پر مالش کراتی تھیں"۔

"ہاں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ کام اسے ناگوار لگتا تھا مگر وہ ظاہر یہی کرتا تھا کہ اسے میرا کام کر کے خوشی ہوتی ہے۔ ویسے وہ مالش بہت اچھی کرتا تھا"۔ مس وڈل نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "شادی سے پہلے اس نے مجھے اپنی اس مہارت سے کافی متاثر کیا تھا"۔

"کیا اس نے آج تمہارے پیروں کی مالش کی تھی"۔

"ہاں۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اسے خرچ کرنے کے لئے اس کی ضرورت سے زیادہ روپیہ دیا۔ اسے ایک کافی مہنگی اسپورٹ کار خرید کر دی وہ احمق جو چاہتا مجھ سے حاصل کر سکتا تھا اگر ..."

اور وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"تو جب وہ تمہارے پیروں کی مالش کر رہا تھا تو تم نے ڈنڈے سے اس کا سر پھوڑ دیا"۔

"کس ڈنڈے سے سارجنٹ"۔

"اس ڈنڈے سے جسے اب تک تم چھپانے میں کامیاب ہو"۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ آٹھ فٹ کی ایک عورت ..."

"میرا خیال ہے کہ ہم یہ طے کر چکے تھے کہ اس کا قد سات فٹ تھا"

"ٹھیک ہے سارجنٹ۔ میں اس وقت بہت تھکی ہوئی ہوں تم پھر کسی وقت نہیں آ سکتے؟"

"مس وڈل تمہارے پاس قتل کرنے کی ایک مؤثر وجہ موجود تھی اور بظاہر صرف تم ہی ایک ایسی ہستی ہو جو اسے مار سکتی تھیں"۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے "بظاہر" کہنے کی ضرورت محسوس کی

میں نے تمہیں تمہارے مکمل اطمینان کی حد تک اپنے فلیٹ کی تلاشی لینے کی اجازت دی مگر تم وہ ڈنڈا برآمد نہیں کر سکے اس لئے یقیناً کوئی اسے یہاں سے باہر لے گیا۔ اور وہ سات فٹ کی عورت ہی تھی جس کے بارے میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔"

"ٹھیک ہے مس وڈل ہم بعد میں آجائیں گے۔" اسکاٹ نے کہا

سارجنٹ ٹورس اس وقت سخت ذہنی الجھن کے عالم میں تھا وہ اسکاٹ کے ساتھ بالکل چپ چاپ باہر نکلا چلا گیا جہاں خدمتگار ارنسٹ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ارنسٹ سے کہا کہ وہ اتنی دور کھڑا ہو جائے جہاں سے ان کی باتیں نہ سن سکے۔ جب وہ کچھ دور چلا گیا تو ٹورس نے اسکاٹ سے کہا کہ اسے ابھی ابھی یہ خیال آیا کہ مس وڈل وہ ڈنڈا کسی خدمتگار کو بھی دے سکتی تھی۔

"ممکن ہے۔ لیکن یہاں وقت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کارونر کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق جو اس نے روانگی سے پہلے مجھے بتائی تھی ہربرٹ بٹلر کی موت ہماری آمد سے دس پندرہ منٹ پہلے ہی واقع ہوئی تھی۔ اس مختصر وقت میں مس وڈل کے پاس ڈنڈا اٹھا کانے لگانے کی ترکیب سوچنے اور پھر اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں تھا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس نے قتل کرنے اور آلۂ قتل کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ ہربرٹ بٹلر کے آنے سے پہلے ہی سوچ رکھا ہو۔"

"بہرحال تمہارے نظریات کچھ بھی کیوں نہ ہوں اس پر جرم ثابت کرنے کے لئے تمہیں وہ ڈنڈا پیش کرنا ضروری ہے اس کے بغیر تم اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اگر اس نے ڈنڈا کسی خدمتگار کے سپرد کیا ہوتا تو اس صورت میں بھی ہال کے گارڈ کا اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لینا ضروری تھا۔"

"ممکن ہے کہ خدمتگار کے بجائے گارڈ ہی وہ ڈنڈا لے گیا ہو۔"

"اور پھر اس کا کیا کیا؟"

"اسے اپنے اس کیبن میں چھپا دیا جہاں وہ بیٹھا رہتا ہے۔" ٹورس نے کہا۔ "میں ابھی چیک کرتا ہوں۔"

جیروم کو ٹورس کی آمد ناگوار لگی مگر اس نے اپنے کیبن کی تلاشی لینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور جیسی کہ اسکاٹ کو توقع تھی ڈنڈا وہاں بھی نہیں ملا۔

"کیا مجھے وہ ڈنڈا پیش کرنا ضروری ہے؟" ٹورس نے اسکاٹ سے پوچھا۔

"ہاں اس کیس میں ضروری ہے۔"

"اسکاٹ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔"

"مجھے یہی توقع تھی کہ تم آخر کار یہی کہو گے۔ کیس کے انچارج تم ہو۔ میں صرف تمہاری کارگذاری دیکھنے کے لئے چلا آیا تھا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ اگر تم اپنی نوٹ بک میں تحریر کی ہوئی باتوں کو دوبارہ غور سے دیکھو تو شاید اس مشکل کا حل سمجھ جاؤ۔ خاص طور سے تولیہ کے بارے میں۔"

ٹورس نے اپنی نوٹ بک نکالی اور وہ جوابات دیکھنے لگا جو مس وڈل نے اس کے سوالات کے سلسلے میں دیئے تھے۔ ساتھ ہی خود اس نے اپنے طور پر جو کچھ لکھا تھا اسے بھی دیکھا۔ وہ ان چیزوں کی فہرست دیکھتے ہوئے جو فلیٹ میں پائی گئیں وہ کچن میں ملنے والی تولیہ پر آکر رکا۔ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک تھا لیفٹیننٹ۔" اس نے کچھ جوش کے ساتھ کہا۔ "میں اسے گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔"

"اس تولیہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔" اسکاٹ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ غسل کرنے کا تولیہ تھا۔" ٹورس نے کہا۔ "اور غسل کرنے کے تولیے سے کچن میں کیا کر رہا تھا۔ خود مس وڈل نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ تولیہ کچن سے لائی تھی اور وہ واقعی لائی تھی۔ اس کیس میں یہ پہلو حیرت انگیز ہے کہ وہ ہمیں بیشتر سوالات کے جوابات بالکل صحیح دے رہی تھی۔ سوائے اس سات فٹ کی عورت کے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم ڈنڈے کا مسئلہ حل کر چکے ہو یا نہیں۔"

"ایک کپڑے کا ڈنڈا۔" ٹورس نے جواب دیا۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ وہ اسے قبول کرتی بھی ہے یا نہیں۔"

اور جب آخر کار مس وڈل نے دروازہ کھولا تو ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"تم نے مجھے آرام کے لئے ذرا بھی وقت نہیں دیا۔"

ٹورس نے اس پر فرد جرم عائد کرنے سے پہلے اسے اس کے قانونی حقوق سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ کیا وہ ان کا مطلب سمجھتی ہے اور جب مس وڈل نے اثبات میں جواب دیا تو ٹورس بولا۔

"میں تمہیں اپنے شوہر ہربرٹ بٹلر کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔"

"اوہ اس کا مطلب ہے کہ تم نے وہ ڈنڈا برآمد کر لیا؟"

"مس وڈل میں جانتا ہوں کہ تم نے کس چیز کو ایک ڈنڈے کی حیثیت سے استعمال کیا تھا۔ ایک تولیہ کو۔"

"وہ کس طرح؟"

"تم ایک غسل کرنے کا تولیہ کچن میں لے گئیں۔ اسے لپیٹ کر ڈنڈے کی شکل دی۔ پھر اسے اچھی طرح پانی سے تر کر دیا اور پھر اس فریج میں رکھ دیا جو کچن میں موجود ہے۔"

"تمہارا تصور واقعی بہت بلند پرواز ہے۔"

"یہ میرے تصور کی بات نہیں تم نے فی الواقعہ ایسا ہی کیا تھا۔ ممکن ہے تمہیں مطلوبہ سختی حاصل کرنے کے لئے تولیہ کو کئی مرتبہ پانی میں بھگو کر فریج میں جمانا پڑا ہو۔ اور جمنے کے بعد وہ واقعی ایک خطرناک ہتھیار میں تبدیل ہو گیا۔ پھر جب تمہارا شوہر گھر واپس آ گیا تم نے تولیہ کو اس کے علم میں آئے بغیر فریج سے نکالا۔ اور ....."

"تم اس طرح کی داستان کبھی ثابت نہیں کر سکو گے۔"

"یہ ہم عدالت میں دیکھیں گے۔ تمہاری ہوشیاری میں شک نہیں تولیہ کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے تم نے پہلے ہی یہ بیان دیدیا کہ تم نے اسے اپنے شوہر کو ہوش میں لانے کے لئے بھگویا اور استعمال کیا تھا نہ صرف خون کے دھبوں کا جواز ثابت کرنے کے لئے بلکہ اس لئے بھی کہ اگر ہماری لیبارٹری میں مقتول کے سر کے زخموں میں پانی پایا جائے تو اس کا جواز بھی نکل آئے کیونکہ تم نے جس گرم پانی سے تولیہ کو دھویا تھا وہ اس سے خون کے تمام دھبے دور نہیں کر سکا تھا۔"

"اور کیا تم اسی ایک مبہم اور دور از کار شہوت کی بنیاد پر مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔" ٹورس نے کہا اور پلٹ کر اسکاٹ کی طرف دیکھا۔ "تم کیا کہتے ہو؟"

اسکاٹ نے ٹورس کو براہ راست کوئی جواب نہیں دیا۔

"مجھے افسوس ہے مس وڈل۔" اس نے کہا۔ "ہمیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم اپنے وکیل کو فون کرنا چاہو گی؟"

"یقیناً۔" مس وڈل نے کہا اور آہستہ سے مسکرائی۔ "مجھے اس انکشاف سے کچھ زیادہ تعجب نہیں ہوا کیونکہ میں نے پوری ایمانداری اور سچائی سے تمہارے سوالات کے جوابات دیئے تھے۔ بہرحال میرا وکیل بہت ہوشیار آدمی ہے اور مجھے قطعی امید نہیں کہ تمہارا برف کے ڈبے کا نظریہ پائدار ثابت ہو سکے گا۔"

"اس کا فیصلہ تو عدالت میں ہی ہو سکے گا۔" ٹورس بھی مسکرایا۔ "لیکن ریکارڈ سے الگ ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم نے ہمیں ایک طویل قامت عورت کی کہانی کیوں سنائی تھی؟"

"اس لئے سارجنٹ کہ کوئی غیر معمولی قامت اور ہمت کی عورت ہی اس ناکارہ آدمی کو قتل کر سکتی تھی۔" مس وڈل نے جواب دیا اور کرسی کے پہیوں کو ہاتھوں سے چلاتی ہوئی اس جگہ پہونچی جہاں فون رکھا ہوا تھا اور اپنے وکیل کو فون کرنے کے لئے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ لیفٹننٹ اسکاٹ اس دھچکے کا تصور کر سکتا تھا جو اس کی فون کال کے جواب میں کھڑا ہونے والا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کیس میں بڑے بڑے لوگ کس طرح اپنا اپنا اثر

ماہر تحریر

کے پاس ایک بوڑھی عورت کسی بچے کی تحریر لائی۔ ماہر تحریر نے غور سے اس تحریر کو دیکھنے کے بعد کہا۔ "محترمہ شاید آپ اس بچے کی ماں ہیں مگر میں صاف کہہ دیتا ہوں کہ یہ بچہ انتہائی فضول خرچ اور بدتمیز ہے اور بڑا ہو کر یہ کوئی اچھا کام نہ کر سکے گا۔"

اس پر بوڑھی عورت بولی۔ "مگر یہ تو خود تمہاری بچپن کی تحریر ہے اور شاید تم بھول گئے ہو کہ میں تمہیں پڑھایا کرتی تھی۔"

ریحانہ سلیمان کیفی۔ میرپور آزاد کشمیر

استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔

اور اس وقت جبکہ مس وڈل فون پر اپنے وکیل کو لگائے گئے الزام کے نامناسب اور بے بنیاد ہونے کے بارے میں بتا رہی تھی اور مطالبہ کر رہی تھی کہ اس سلسلے میں فوری کارروائی کی جائے۔ اسکاٹ ٹورس کو ایک طرف لے گیا۔

"ہمیں اسے لیجانے کے لئے ایک ایمبولنس کو فون کرنا پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "اور احتیاط کرنا ہو گی کہ ہم اس کے ساتھ ذرا بھی بے قاعدگی سے پیش نہ آئیں۔"

"میں سمجھتا ہوں لیفٹننٹ۔" ٹورس نے سر ہلایا اور پھر پوچھا "تم تو میری کارروائی سے مطمئن ہو۔ کیا ہم ڈسٹرکٹ اٹارنی کے لئے ایک صاف ستھرا کیس پیش کرنے کے قابل ہوئے یا نہیں؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا سارجنٹ۔ میں بار بار اپنے آپ سے یہ سوال کر رہا ہوں کہ کیا ایک لیٹیا اور سبیگا ہوا تولیہ جمنے کے بعد اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ اس سے کسی آدمی کی کھوپڑی توڑی جا سکے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ٹورس نے جواب دیا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ یہ بات اس کے سائز اور موٹائی پر منحصر ہے۔ برف کافی سخت ہوتی ہے۔"

"ہاں لیکن کیا وہ اتنا لمبا تھا اور کیا مس وڈل اتنی طاقتور تھی کہ اسے کامیابی سے استعمال کر سکے؟"

"اس سوال کے بارے میں عدالت کے اندر دونوں وکیلوں کی بحث سننے کے قابل ہو گی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مس وڈل کو اصل جھنجلاہٹ اس بات کی تھی کہ وہ اپنی دولت سے بھی اپنے لئے ایک مرد نہیں خرید سکی تھی۔"

آپ کے پسندیدہ کردار

عبدل

پھر ایک اور قہقہہ انگیز اور شگفتہ تحریر

خود ستائی

حفیظ اقبال

جذبہ صادق ہو، اور دل کو لگن لگی ہو کہ ساری زندگی جیبیں کتر کتر کے نہیں گزارنی تو راہِ حیات میں نئے اور باعزت موڑ بھی آتے ہیں اور وہ لوگ جنہیں ناکارہ اور آوارہ کمین اور ذلیل، کمبخت اور بدبخت کہہ کر سرِعام لاتوں، گھونسوں، چپلوں اور جوتوں سے نوازا جاتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے جناب اور مسٹر اور محترم اور مکرم بن جاتے ہیں محفلوں میں ان کی آمد باعثِ عزت، مشاعروں میں انکی صدارت باعثِ فخر اور دعوتوں میں ان کی شرکت باعث "تماشہ گاہِ عالم رونے تو" سمجھی جاتی ہے۔

عبدل بھی انہیں خوش نصیبوں میں سے تھا۔ جونہی اسے معلوم ہوا کہ میں اور بھی دُنیا سخنور بہت اچھے، اس نے فوراً جیب کترنے کے پیشے کو ایک دو نہیں پوری سات سو طلاقیں دیں۔ استاد چمن بخش کا کہا سنا معاف کیا۔ بلیڈ کے نئے پیکٹ کو نالا برد کیا اور جامۂ عزت و شرافت پہن کر بلیک میلر بن گیا۔

نیا پیشہ کچھ تو اس کی طبیعت کے موافق تھا کہ اس میں ہلدی لگتی تھی نہ پھٹکری۔ اور رنگ چوکھا آتا تھا۔ اور کچھ یہ بات بھی تھی کہ پڑھے لکھے لوگوں کا پیشہ تھا جسے اپنانا ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے بس میں نہیں تھا اسے تو صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے تھے جن میں ادیبوں شاعروں اور مصوروں جیسی تخلیقی صلاحیت ہو، اور جو فنِ اداکاری اور فنِ خطابت اور فنِ دھوکہ بازی وجعلسازی و عشق بازی میں طاق ہوں۔ عبدل میں صرف یہی خوبیاں نہیں تھیں بلکہ اضافی قابلیت کے طور پر اس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اُڑتی ہوئی چڑیا کو پہچان لیتا تھا بلکہ پر دُم تک کو گن سکتا تھا۔ یہ خوبی اسے اپنے سابقہ پیشے یعنی جیب کترنے کے فن سے حاصل ہوئی تھی۔ دور سے دیکھتے ہی اسے پتہ چل جاتا تھا کہ سامنے سے جو شخص آ رہا ہے اس کی جیب میں رقم ہے یا نہیں اور قریب آنے پر وہ یہ تک بتا سکتا تھا کہ کم و بیش کتنی رقم ہو گی۔

جیل اور حوالات کے دروازے اس کے لئے بند ہو گئے۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی قسمت میں عیش ہی عیش لکھا ہے وہ بڑی ذہانت اور ہوشیاری سے اپنا شکار منتخب کرتا اور اس بات کا خیال رکھتا کہ جس شخص کو بلیک میل کیا جا رہا ہے، وہ نہ صرف اس کو مناسب رقم ادا کرے بلکہ تمام زندگی

احسان مند بھی ہے۔ اس نے آج تک کسی ایسے شخص کو بلیک میل نہیں کیا تھا جو اس کے لئے پریشانی کا باعث ہوتا۔

جیب کترنا مشکل تھا، بلیک میل کرنا بہت آسان۔ ایسے لوگ کہاں تھے جو ہنسی خوشی اپنی جیب کٹوالیں اور گلا نہ کریں لیکن دُنیا ان لوگوں سے بھری پڑی تھی جو اپنی عزت اور وقار کو باقی رکھنے کے لئے خوشی خوشی اپنی جیبیں خالی کر دیتے اور پھر بھی یہی کہتے نظر آتے کہ حق ادا نہ ہوا۔

"دُنیا کا کون شخص ایسا ہے، جس سے کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ کون سی ہستی ایسی ہے جس کے راز نہ ہوں اور کون ایسا صاحبِ دل ہے جس سے بھول چوک نہ ہوئی ہو۔ عبدل نے جس سے بھی دوستی گانٹھی اسے سر تا پا "ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ"۔ پایا۔ ایک انسان بھی تو ایسا نہیں ملا جو دوہری شخصیت کا مالک نہ ہو۔

اپنے نئے پیشے کی ابتدا میں اس نے بلا امتیاز مذہب و ملت ہر چھوٹے بڑے انسان کی کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اُن صاحب کو بھی نہیں بخشا جن سے محض دُور کی صاحب سلامت تھی۔ اور تو اور بی جمالو بھی جو چھچھوندر کی طرح چھوچھو کر کے گھروں میں آگ لگاتی پھرتی ہیں عبدل کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

لیکن جب اس نے ساڑھے چار سو روپے ماہوار کا ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان کرائے پر لے لیا اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ایک بیش قیمت کیمرہ خرید کر لیا اور ماہانہ اقساط پر پچاس سی سی کی ہنڈا لے آیا تو اسے اس فیصلے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ اچھا شکاری چھوٹی چڑیوں کا نہیں بلکہ شیر اور ہاتھی کا شکار کھیلتا ہے۔

اور تب اس نے کاروبار کا دائرہ محدود سے محدود تر کر دیا اور صرف معمر خواتین یا بڑے آدمیوں کی بیویوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ اس طرح وہ ہر مہینے دو ہزار سے پانچ ہزار روپے تک بآسانی کما لیتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی عورت ہدیۂ عقیدت کے طور پر ہزار پانچ سو روپے بغیر مانگے دے جاتی۔ تین عورتیں ایسی تھیں جو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو بڑی پابندی کے ساتھ اسے دو سو روپے بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیتیں۔

اسے جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ امریکہ میں پرائیویٹ ٹی، وی اسٹیشن قائم ہیں، اس نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ اگر پاکستان میں کسی سرمایہ دار نے کوئی ذاتی ٹی وی اسٹیشن قائم کیا تو اس اسٹیشن کو قائم کرنے کا سہرا ملک کے اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار مسٹر عبدل ہی کے سر بندھے گا۔ چنانچہ جہادِ زندگانی میں مردوں کے لئے جتنی شمشیریں لازمی قرار دی گئی ہیں، ان سب کو سینے سے لگا کر وہ جلد از جلد امریکہ کے سرمایہ داروں کا ہم پلہ، ہم رتبہ اور ہم زلف بننے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

اسی زمانے میں اسے ایک بہت بڑے لیڈر کی چھوٹی سی، پیاری سی بیوی کے بارے میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں، جن کی مدد سے وہ راتوں رات سرمایہ دار بن سکتا تھا۔ یہ لیڈر جن کی بیگم کی بات ہو رہی ہے کسی زمانے میں اسمگلر ہوا کرتے تھے۔ ہر آنے والی حکومت کی مدح سرائی اور ہر جانے والی حکومت کی عیب جوئی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ انہوں نے اپنی ایک پارٹی بھی بنا رکھی تھی اور جس طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو اپنے اوپر ایمان لانے والے آنکھ کے اندھے اور عقل کے پورے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح لیڈر موصوف کو بھی کچھ عقلمند بیوقوفوں کی حمایت حاصل تھی اور اب انہوں نے اعلان کیا تھا کہ اپنی خود ساختہ پارٹی کے ٹکٹ پر وہ ضمنی انتخابات میں حصہ لے کر اپنے مخالفین کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔

سب سے پہلے اس نے بڑے سے لیڈر کی چھوٹی سی بیگم کے بارے میں اخبارات میں پڑھا تھا۔ وہ ہمیشہ پسِ منظر میں رہ کر اپنے شوہر کی مدد کیا کرتی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ پارٹی میں جو تھوڑی بہت گہما گہمی نظر آتی ہے وہ محض بیگم صاحبہ کی وجہ سے ہے۔ ایک دو نوجوان یہ کہتے ہوئے بھی سُنے گئے تھے کہ صورت دیکھیں گے بیگم صاحبہ کی اور ووٹ دیں گے خود ساختہ پارٹی کو۔

عبدل چاہتا تو چھ ماہ قبل اپنی خدمات کا آغاز کر سکتا تھا لیکن اس نے انتظار کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے ضمنی الیکشن کی تاریخوں کا قریب آنا ضروری تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت سے بنا بنایا کام بگڑ سکتا تھا۔ بیگم صاحبہ کے شوہر بڑے لیڈر ہی نہیں بلکہ اسمگلر بھی تھے۔ چور چوری سے جا سکتا ہے، اسمگلر اسمگلری سے نہیں جا سکتا۔

اور جب ضمنی انتخابات کی تاریخ بالکل قریب آگئی تو خوب سوچ سمجھ کر اور اونچ نیچ کو اچھی طرح دیکھ بھال کر ایک روز اس نے لیڈر کے دولت خانے پر فون کر ہی دیا۔

"میں بیگم صاحبہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔ اس نے لیڈر کی سکریٹری کو بتایا۔ "کچھ ذاتی گفتگو ہے۔ میں ان کا قدیم نمک خوار ہوں اور وہ یقیناً مجھ سے گفتگو کر کے خوش ہوں گی"۔

بڑے لیڈر کی چھوٹی بیگم صاحبہ فون پر آئیں تو اس نے اپنی خدمات کے سلسلے میں ان کی اس غلطی کی جانب اشارہ کیا جس کا ارتکاب انہوں نے شادی سے قبل کیا تھا۔ "آپ کو اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہیے کہ مجھے اس بات کا علم کیوں کر ہوا؟" اس نے کہا۔ "اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات مجھے معلوم ہو چکی ہے اور میں اس مسئلے پر جلد از جلد کسی مناسب جگہ پر آپ سے بات چیت کرنے کے لئے تڑپ رہا ہوں"۔

"گھر چلے آؤ۔"

"میں حق نہیں ہوں بیگم صاحبہ۔" وہ بولا۔ "آپ کو میرے پاس آنا پڑے گا۔ تن ہا۔" اس نے لفظ تنہا کو خوب چبا کر ادا کیا۔

"کہاں آؤں؟"

"دلگیر سوسائٹی بلاک نمبر نو۔ مکان نمبر اکیاسی۔ گراؤنڈ فلور۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

"کوشش کرنے سے کام نہیں بنے گا بیگم صاحبہ۔"

"میں بڑی مصروف ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہوگا کہ الیکشن کی وجہ سے میرا ایک پاؤں کلفٹن میں ہوتا ہے تو دوسرا نیو کراچی میں۔ لیکن ... لیکن تین چار بجے کے درمیان مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ ٹھیک ہے، تین اور چار بجے کے درمیان اپنے گھر پر میرا انتظار کرو۔"

"مجھے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر کے انتہائی مسرت ہوگی۔" فون رکھتے ہوئے وہ مسکرایا۔ راہِ الفت میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں، جہاں منہ سے سچی بات نکل ہی جاتی ہے۔

عبدل نے اپنے بتاتے ہوئے پتہ پر ایک کمرہ پہلے ہی سے ایک ماہ کے کرایہ پر لے لیا تھا۔ وہ ان بے وقوفوں میں سے نہیں تھا جو بلیک میلنگ کرتے ہیں لیکن اپنے گھر کا پتہ بتا کر اس معزز پیشے کی حرمت باقی نہیں رکھ پاتے۔ موجودہ کمرہ اس کی ضروریات کے عین مطابق تھا۔

مقررہ وقت سے ایک گھنٹے قبل وہ اس کمرے میں آ کر بیٹھ گیا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ تین بجکر اکیس منٹ پر بیگم صاحبہ خود ہی اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی آئیں۔ چند مکانات پہلے انہوں نے اپنی کار روکی پھر وہ مکانات کے نمبر پڑھتی ہوئی تیز تیز قدموں کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ دروازے پر پہونچکر کچھ جھجکیں، پھر بیگ کھول کر میک اپ درست کیا اور بہت ہی آہستہ سے دستک دی۔ عبدل مسکراتا ہوا اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

بیگم صاحبہ کے حسن کے بارے میں عبدل نے جتنی بھی کہانیاں سنی تھیں، سب جھوٹی معلوم ہونے لگیں۔ حقیقت یہ ہے وہ اتنی حسین تھیں کہ الفاظ و معنی میں بیان کرنا قطعی ناممکن تھا۔ عبدل نے دیکھا تو دیکھا ہی رہ گیا۔ بیگم صاحبہ کی شکل میں براہِ راست جنت سے ایک حور اتر آئی تھی۔

"تشریف لائیے بیگم صاحبہ۔" اس نے اُن کے قدموں میں آنکھیں بچھاتے ہوئے کہا۔

بیگم صاحبہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ عبدل کو ایسا معلوم ہوا جیسے کمرے کی ساری سجاوٹ ساری رونق ان کے حسن کے سامنے ماند پڑ گئی ہو۔ ایسا حسنِ بے مثال اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

"بیٹھ جائیے۔" اس نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے۔"

جواب دیئے بغیر وہ صوفے پر بیٹھ گئیں اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے بہت معصومیت کے ساتھ عبدل کو تکنے لگیں۔

عبدل کا اصول تھا کہ کام کے وقت صرف کام سے غرض رکھنی چاہیئے۔ لیکن آج اسے اپنا یہ اصول ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔ چچا غالب نے کیا خوب کہا ہے۔ صورت دیکھو بیگم صاحبہ کی اور ووٹ دو .... غالب نے نہیں، شریر لڑکوں نے کہا ہے۔ جواب نہیں ہے لڑکوں کا۔ شرارت شرارت میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ یا رب نگاہِ بیگم صاحبہ پر لائسنس کیوں نہیں۔ یہ بھی تو برابر وار کیے چلی جا رہی ہیں تلوار کی طرح۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" بیگم صاحبہ نے ارشاد فرمایا۔ کچھ اس طرح ارشاد فرمایا جیسے ناہید اختر نے دیپک راگ چھیڑ دیا ہو۔

"مجھے .... مجھے اپنا دوست سمجھئے۔" وہ جلدی سے بولا "میں آپ کا ہمدرد ہوں بیگم صاحبہ۔" پھر جیسے اچانک اسے کام کی بات یاد آ گئی۔

"میں آپ کو کوئی نقصان پہونچانا نہیں چاہتا نجمہ؟"

"نجمہ؟" بیگم صاحبہ مسکرائیں۔ "نجمہ کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ نجمہ بہت خوبصورت ہے۔ میری توقعات سے بھی زیادہ خوبصورت۔"

"اس کے علاوہ؟" انہوں نے مسکرا کر عبدل کے خرمنِ دل پر بجلی گرائی۔

"مجھے معلوم ہے کہ نجمہ کو ایک بار عدالت میں پیش ہونا پڑا تھا۔" عبدل نے اپنے آپ کو الیکٹرک پروف ثابت کرتے ہوئے کہا۔ "اور عدالت نے اسے تا برخاست عدالت کی سزا بھی دی تھی۔ میرے پاس عدالت کے فیصلے کی نقل ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عدالت کے فیصلے کے بعد نجمہ نے اپنا نام بدل کر انجم رکھ لیا تھا۔ اور چار سال بعد ایک لیڈر سے جو کبھی اسمگلر ہوا کرتا تھا شادی کر لی تھی اور اب وہی لیڈر ضمنی انتخاب میں مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔"

"یہ ساری اطلاعات تمہیں کہاں سے ملیں؟"

"اپنے ایک دوست سے۔" عبدل نے بتایا۔ "میرا کاروبار ایسا ہے جس میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مجھے ہر قسم کے لوگوں سے دوستی کرنا پڑتی ہے۔"

"اور تمہارا کاروبار کس قسم کا ہے؟"

"بہتر یہ ہے بیگم صاحبہ کہ ہم ایسی گفتگو سے پرہیز کریں جس سے کسی کی ذاتیات زیر بحث آتی ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ مجھے اپنا دوست اور ہمدرد سمجھئے۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ دوست اور ہمدرد کی حیثیت سے مجھے کس قسم کی باتیں کرنی چاہئیں۔؟"

"بہت سی باتیں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً رقم کی باتیں۔"

"کتنی رقم؟"

"مجھے ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔" عبدل بہت ہی محتاط انداز میں بولا۔ "لیکن آپ چاہیں تو تھوڑی سی رقم ادھار دے سکتی ہیں مطمئن رہیں میں بہت جلدی ادائیگی کر دوں گا۔ اور ہاں یہ بھی اطمینان رکھیں کہ میں آپ کے شوہر کو اس رقم کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میرے شوہر کو عدالت والی بات کا علم ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ پہلے میرا نام نجمہ ہی تھا۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے۔ اگر تمہیں کوئی شبہ ہو تو میں ان سے فون پر تمہاری بات کرا دوں؟"

"زحمت کی ضرورت نہیں ہے بیگم صاحبہ۔" عبدل نے کہا "مجھے آپ کی بات کا اعتبار ہے۔"

انہوں نے اپنی کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "پانچ بجے مجھے ناظم آباد میں ہونا چاہیے۔ یہ بتاؤ کہ میری بات پر اعتبار کرنے کے بعد بھی تم مجھ سے ادھار لینا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں، بیگم صاحبہ۔ دراصل مجھے اپنا ذاتی ٹی، وی اسٹیشن قائم کرنا ہے۔"

"کیا قائم کرنا ہے؟"

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مجھے ایک بہت ہی اہم کام انجام دینا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے شوہر پر عدالت اور نام کی تبدیلی والی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لیکن ان کے ووٹرز یقیناً بدظن ہو جائیں گے کیا آپ یہ بات مناسب سمجھتی ہیں کہ عین اس وقت جبکہ الیکشن کی مہم زوروں پر ہے، ووٹرز کو یہ پتہ چل جائے کہ فلاں لیڈر کی بیوی کا ماضی کس قسم کا تھا۔ میں پھر یہی کہوں گا، مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھئے بیگم صاحبہ۔"

بیگم صاحبہ نے آنکھیں جھپکیں۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"سب سے پہلے میں اس بات کا اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس چھپا ہوا کوئی ٹیپ تو نہیں ہے۔ میں آپ کے جسم کو ہاتھ لگانے کی جسارت نہیں کر سکتا اس لئے بہت ادب کے ساتھ آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ باتھ روم میں جا کر اپنے سارے کپڑے اتار دیں اور دروازے کی آڑ سے مجھے دیدیں تاکہ میں ان کا جائزہ لے سکوں اپنی گھڑی بھی دیں۔"

بیگم صاحبہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ میں نے ساری چیزیں تمہارے حوالے کر دی ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں کوئی چیز چھپا لوں۔"

"مجھے آپ پر اعتبار ہے بیگم صاحبہ۔" عبدل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بیگم صاحبہ نے اپنی خوبصورت چمکدار آنکھیں حیرت سے عبدل کے چہرے پر گاڑ دیں۔ وہ ابھی تک اس عجیب و غریب شخص کو سمجھ نہیں سکی تھیں۔ اگر اسے مجھ پر اعتبار ہے تو وہ میری بات پر یہیں یقین کیوں نہیں کر لیتا۔ ایک طرف اعتبار کی باتیں دوسری طرف اتنی بے اعتباری کہ کپڑوں اور گھڑی تک کو دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر یہ سوچ کر کہ اچھا ہے عبدل کو پورا پورا اطمینان ہو جائے تاکہ وہ اپنے دل کی ہر بات انہیں بتا سکے وہ باتھ روم میں چلی گئیں اور تین منٹ کے بعد انہوں نے اپنے سارے چھوٹے بڑے کپڑے اس کے حوالے کر دیئے۔ گھڑی وہ پہلے ہی اتار کر میز پر چھوڑ گئی تھیں۔

کپڑے اتروانے کا یہ محض ایک بہانہ تھا۔ عبدل خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ پاکستان کی خواتین نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی کہ اپنے ساتھ چھوٹے ٹیپ ریکارڈر لیکر گھومیں۔ پھر بھی اس نے اچٹتی ہوئی نظروں سے بیگم صاحبہ کے کپڑوں کا جائزہ لیا۔ احتیاط اچھی چیز ہے۔

بیگم صاحبہ کے اس بھولپن سے اسے ایک بات کا اور اندازہ ہوا۔ یہاں آنے سے قبل انہوں نے پولیس کو یا اپنے شوہر کو مطلع نہیں کیا ہے۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کو اطلاع دے چکی ہوتیں تو اتنی آسانی کے ساتھ باتھ روم میں جانے اور کپڑے اتارنے پر تیار نہ ہو جاتیں۔ پولیس یا شوہر کا مشورہ یہ ہوتا کہ مزید کوئی خطرہ مول لئے بغیر عبدل کا عندیہ معلوم کر کے آؤ۔ پھر اس سے مناسب طریقے پر نمٹنا ہمارا اپنا کام ہے۔

لیکن اب بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ فوری طور پر اپنے مطالبات بیگم صاحبہ کے سامنے نہیں رکھے گا۔ بلکہ انہیں دوبارہ اپنے پاس آنے کی دعوت دے گا۔ اس وقت صرف ہزار دو ہزار روپے بطور قرض حسنہ وصول کئے جا سکتے ہیں۔

بیگم صاحبہ دوبارہ کپڑے پہن کر باتھ روم سے باہر نکل آئیں وہ کچھ محجوب سی نظر آ رہی تھیں۔ "بیگم صاحبہ، مجھے افسوس ہے کہ میں آپکی پریشانی اور زحمت کا باعث بنا۔" عبدل نے ان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ بہت ہی پیاری، بہت ہی معصوم خاتون ہیں۔ آپ جیسی خاتون کو پریشان کر کے مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر کیا کروں۔ اپنے

کاروبار سے مجبور ہوں۔ آپ مناسب سمجھیں تو اس وقت مجھے ڈھائی ہزار روپے بطور قرض دے جائیں اور پرسوں مجھ سے پھر ملیں تاکہ میں آپ کو کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔"

"تم یہ اطمینان کر چکے ہو کہ میرے پاس کوئی ٹیپ ریکارڈر نہیں ہے، پھر بھی کھل کر بات نہیں کر رہے ہو؟ اب کس بات کا خوف ہے؟"

"مجھے جو کچھ کہنا ہے، پرسوں کہوں گا۔"

"اس وقت میرے پاس صرف تین سو روپے ہیں۔ ان میں سے دو سو تم رکھ لو اور صاف صاف بتاؤ کہ پرسوں تمہارے لئے کتنی رقم لے کر آؤں۔؟"

"رقم والی بات آپ کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔ جو چاہیں عنایت فرمادیں۔ لیکن اتنا خیال رکھیں کہ الیکشن کی ہار جیت کا معاملہ ہے۔ میں ایک لاکھ کی چوتھائی سے کم پر ہرگز راضی نہیں ہو سکتا۔ زیادہ دیدیں گی تو احسان مند رہوں گا تمام زندگی۔"

بیگم صاحبہ مسکرائیں۔ "تمہارا جواب نہیں ہے عبدل۔"

"جواب تو آپ کا بھی نہیں ہے۔" عبدل نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مزاحمت کی ساری دیواریں توڑ چکا تھا۔ اب کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ وہ ایسا ویسا آدمی نہیں تھا عبدل۔ جس پر مرنا لڑکیاں اور عورتیں اپنے لئے باعث فخر سمجھتی تھیں۔ چاہے وہ کسی بڑے لیڈر یا افسر کی بیوی کیوں نہ ہوں۔

بیگم صاحبہ جس محتاط انداز میں عبدل کے پاس آئی تھیں، اسی احتیاط کے ساتھ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ جونہی وہ باہر گئیں عبدل نے اندر سے کمرہ بند کیا اور باتھ روم کی طرف لپکا۔ باتھ روم کے قدِ آدم آئینے کی پشت پر کیمرہ رکھا ہوا تھا جس کا لینس آئینے میں اس خوبی سے لگایا گیا تھا کہ آئینے ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے شٹر کو فلیش گن کے لمبے تار سے جوڑ دیا گیا تھا۔ اس لمبے تار کی مدد سے باہر کھڑے کھڑے عبدل بہت سی عورتوں اور لڑکیوں کے فوٹو کھینچ چکا تھا۔ عبدل کی بے بدل ذہانت کا یہی کارنامہ ایسا تھا جس نے اسے اپنے تمام معاصر بلیک میلروں میں سربلند رکھا تھا۔ جس عورت یا لڑکی سے غسل خانے میں کپڑے اتروا کر وہ اس کا فوٹو اتارنے میں کامیاب ہو جاتا، وہ عورت یا لڑکی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی مٹھی میں آجاتی۔ پھر نہ وہ پولیس کے پاس جا سکتی تھی اور نہ کسی سے اس بات کا تذکرہ کر سکتی تھی۔ جیب کترنے میں سب سے بڑی خامی یہی تھی کہ اسے اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اس روز اس نے ساری سہ پہر اور شام کو اپنے تازہ ترین اتارے ہوئے فوٹوؤں کے فلم کو ڈیولپ اور پرنٹ کرنے میں گزار دیا۔ ایک دو نہیں، مختلف پوز اور مختلف زاویے کے پورے آٹھ عدد فوٹو تھے اور ان آٹھ فوٹوؤں میں ایک فوٹو بھی ایسا نہیں تھا جسے آؤٹ آف فوکس کہا جا سکے۔

اپنے وعدے کے مطابق تیسرے دن تین اور چار بجے کے درمیان بیگم صاحبہ عبدل کے کمرے میں پہونچ گئیں۔ آج وہ پہلے سے زیادہ قیامت بن کر آئی تھیں۔ عبدل کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ ان پر عاشق واشق نہ ہو جائے۔

صوفے پر بیٹھ کر انہوں نے اپنا پرس کھولا۔ "میں تمہاری مطلوبہ چیز لے آئی ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ ایک لاکھ کی چوتھائی سے کم پر ...!"

عبدل نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں بیگم صاحبہ میں نے آپ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آپ کو اس طرح غیر مردوں کے گھر میں نہیں آنا چاہیئے۔ آپ ایک باعزت شوہر کی باعزت بیگم ہیں۔ کم از کم اپنے شوہر کی عزت و آبرو کا تو خیال کیجئے۔"

عبدل کی بات کا جواب دینے کے بجائے انہوں نے اپنے پرس سے سو سو کے نوٹوں کی متعدد گڈیاں نکال کر میز پر رکھ دیں، اور عبدل کی طرف اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے سوالیہ انداز میں یوں دیکھنے لگیں جیسے پوچھ رہی ہوں کہ اب اور کیا چاہیئے؟

"آپ گھبرا رہی ہیں بیگم صاحبہ؟" عبدل نے ان کے کانوں کے پاس اپنا منہ لیجا کر سرگوشی کی۔

"گھبرائے ہوئے تم معلوم ہو رہے ہو۔"

"اچھا۔ اپنے ایمان سے بتائیے۔ گھر کے اطراف میں کوئی جاسوس یا پولیس والا تو نہیں ہے؟"

"مجھے غلط مت سمجھو عبدل۔" بیگم صاحبہ بولیں۔ "اگر مجھے تمہیں پھانسنا مقصود ہوتا تو اس طرح تمہارے پاس دوڑی ہوئی نہ چلی آتی۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو خود باہر جا کر دیکھ آؤ۔"

عبدل کو بیگم صاحبہ کی بات پر پورا پورا یقین تھا لیکن اس نے مناسب یہی سمجھا کہ ایک نظر باہر ڈال لینے میں کوئی برائی نہیں ہے وہ باہر نکل گیا اور چاروں طرف کا خوب اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مطمئن ہو کر اندر واپس آیا۔

"اب میں جا رہی ہوں۔" بیگم صاحبہ کھڑی ہو گئیں۔ "میرے شوہر نے آج کچھ صحافیوں کو عصرانے پر بلایا ہے۔"

عبدل نے ہاتھ پکڑ کر بیگم صاحبہ کو اپنی بغل میں بٹھا لیا۔ "وہ لوگ آپ کا تھوڑی دیر تک انتظار کر لیں گے لیکن .... لیکن پرسوں سے میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آپ جیسی حسین و ذہین خاتون عدالت میں کیسے پہونچ گئیں۔ آپ ایسی خاتون نہیں ہیں جنہیں تا برخواست عدالت کی سزا سنائی جائے۔ بہر حال ایک

ماہر نفسیات کی حیثیت سے جو آپ کی پریشانیوں میں ہر ممکن خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہے، میں یہ دریافت کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اصل حالات سے آگاہی کرانے اور اپنے دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے آپ پورے واقعہ کی تفصیلات مجھے بتائیں گی؟"

"تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں پریشان ہوں؟"

"ہاں، بیگم صاحبہ۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ بات بہت پریشان کن ہوتی ہے کہ پریشان ہونے کے باوجود انسان اس دھوکے میں مبتلا رہے کہ وہ پریشان نہیں ہے۔ اگر پریشانیاں اور الجھنیں نہ ہوتیں تو آپ مجھ غریب ماہر نفسیات کے پاس تشریف لانا ہرگز گوارا نہ کرتیں ہمارا طریقۂ علاج عام ڈاکٹروں سے مختلف ہے۔ اگر آپ دل سے یہ چاہتی ہیں کہ آپکے مرض کی صحیح تشخیص ہو سکے تو آپ کو اپنی پوری داستان سنانا ہی پڑے گی۔"

"مسٹر ماہر نفسیات"، بیگم صاحبہ نے اسے مخاطب کیا۔

"اس طرح بہانے بازی سے گفتگو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم باہر جا کر خود اطمینان کر آئے ہو۔ مزید اطمینان چاہتے ہو تو میں باتھ روم میں بھی جانے کے لئے تیار ہوں۔"

"میں پورا واقعہ سننا چاہتا ہوں بیگم صاحبہ۔"

بیگم صاحبہ نے مسکرا کر صوفے پر ٹیک لگائی اور نیم خوابیدہ انداز میں عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "زمانۂ طالب علمی میں مجھ سے ایک حماقت سرزد ہو گئی تھی۔ اب تو اس کے تصور ہی سے مجھے گھن آنے لگتی ہے۔ تمہیں پورا واقعہ معلوم ہے تو مجھے اس کے دوہرانے پر کیوں مجبور کرتے ہو؟"

"آپ کے نازک نازک گلابی گلابی ہونٹوں سے اصل واقعہ سننے کا مزا ہی کچھ اور ہو گا بیگم صاحبہ۔" فوٹوؤں کے ہوتے ہوئے اب کس کی مجال تھی جو عبدل کو فری ہونے سے باز رکھتا۔

"ہم لڑکیوں کا ایک چھوٹا سا گروپ تھا۔ سب کی سب لڑکیاں اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بے جا لاڈ پیار نے ہمیں بگاڑ دیا تھا۔ ہم چھپ چھپ کر سگریٹ پیتے۔ فرضی ناموں سے لڑکوں سے اظہارِ محبت کرتے۔ ایک بار ہم نے چرس کے سگریٹ کا بھی دم لگایا اتوار کو شاید ہی کوئی ایسا میٹنی ہو جو ہم سے بچتا ہو۔ ہم ایک دوسرے کو عجیب و غریب قسم کی حرکتیں کرنے پر بھی اُبھارتے تھے۔ گھر کی چھوٹی موٹی چیزیں چرانا ہمارا تقریباً روزمرہ کا معمول تھا۔ اور پھر ایک روز ایک لڑکی نے بتایا کہ دکانوں سے چیزیں اڑانا کتنا آسان کام ہے۔ دوسری لڑکی نے اپنے بھائی اور ان کے دوستوں کا قصہ سنایا کہ وہ لوگ کھیل کود کا سامان بیچنے والی دکان میں گئے۔ تین چار لڑکے دکاندار کو گھیرے میں لے کر ایک کیرم کی قیمت کم کرانے پر بحث کرنے لگے اور اس کا بھائی کرکٹ کا ایک بیش قیمت بلا لیکر باہر نکل آیا کسی نے اس سے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ یہ بلا کہاں لئے جا رہا ہے۔؟"

بیگم صاحبہ کی مخروطی انگلیاں انجانے طور پر صوفے پر پڑے ہوئے کشن سے کھیلنے لگیں۔ "پھر ہمیں لڑکیوں میں سے کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ لوٹ مار کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ ایک ہفتے میں جو لڑکی سب سے زیادہ چیزیں چرا کر لائے گی، اسے پارٹی لیڈر کا اعزاز دیا جائے گا۔ تجویز سبھی کو پسند آئی۔ شرائط و ضوابط مقرر کئے گئے۔ پارٹی لیڈر کے ساتھ فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ آنے والی لڑکیوں کو انعامات دینے کا فیصلہ ہوا۔ ایک لڑکی کے شکستہ گیرج کو لوٹ مار کا سامان جمع کرنے کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ میں فرسٹ آنا چاہتی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے میں نے صرافہ بازار کا رُخ کیا لیکن صراف بہت محتاط نکلے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہاں دال گلنی مشکل ہے۔ دوسرے دن ملبوسات کی ایک بڑی دکان پر پہونچی

وہاں پہلے ہی سے بہت سے مرد اور عورتیں مفلر اور شالیں اور کوٹ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں خرید رہے تھے۔ پسند کر رہے تھے۔ میں نے بھی مختلف لباس اٹھا کر پسند کرنا شروع کر دیئے۔ آخیر میں میں نے اپنا پرانا کوٹ ایک کرسی پر لٹکایا اور ایک خوبصورت اوور کوٹ پہن کر وہاں کے آئینوں میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ دراصل میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ دکان کا کوئی ملازم میری طرف متوجہ تو نہیں ہے۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں سب کی نظروں سے محفوظ ہوں تو میں مسکراتی ہوئی دکان کے باہر نکل آئی مگر دکان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ایک ملازم نے گھور کر مجھے دیکھا۔ اس کا کام صرف یہی تھا کہ وہاں آنے والے سارے گاہکوں کو اپنی نظروں میں رکھے۔ اس نے میرے دونوں بازو پکڑے اور مجھے منیجر کے پاس لے گیا۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ معاملہ عدالت تک کیوں پہونچا؟ عام طور پر دکاندار چوروں پر ناراض ہو کر بھگا دیتے ہیں؟ اور پھر آپ تو ایک اعلیٰ خاندان کی فرد تھیں۔ آپ کے والدین اوور کوٹ کی ادائگی کر سکتے تھے۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ جو کچھ ہوا میری حماقت کی وجہ سے ہوا۔ وہ عمر ہی بھی حماقتوں کی۔ میں نے دکان کے ملازم کا منہ نوچ لیا۔ اس سے کہا کہ تم مجھے چور سمجھتے ہو؟ میں نے منیجر کو ہزاروں ملاحیاں سنائیں۔ ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ منیجر ہاتھ جوڑ جوڑ کر مجھ سے کہتا رہا، کہ بس کرو بابا۔ اب تم یہاں سے جاؤ۔ ہماری دکانداری کو خراب مت کرو مگر مجھ پر جنون سوار تھا۔ میں اس بات پر اڑ گئی کہ اوور کوٹ کے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی۔ میں نے منیجر کو گالیاں بھی دیں، یہ بھی کہا کہ میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں۔ اس کی پوری دکان خرید سکتی ہوں۔ اسی دوران میں دو کانسٹیبل آگئے اور اس طرح بڑی بوڑھیوں کے قول کے مطابق بات ہونٹوں نکلی، کوٹھوں چڑھی۔ دکان کی بات پولیس اسٹیشن تک گئی اور پولیس اسٹیشن سے عدالت تک۔ مجسٹریٹ نے تابرخواست عدالت کی سزا سنائی۔ بس ساری داستان یہ ہے۔"

بیگم صاحبہ روہانسو ہو گئیں۔ عبدل نے سوچا کہ اب وہ وقت آگیا ہے، جب وہ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر اپنے ہونٹوں سے انکے آنسو خشک کر سکتا ہے۔ اور نہ رو۔ نہ رو میرے لال والا گیت گنگنا سکتا ہے۔ لیکن نہیں۔ اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ بیگم صاحبہ مٹھی میں آچکی ہیں۔ بزنس پہلے، رومان بعد میں۔

"آپ کا ارشاد ہے کہ آپ کے شوہر نامدار کو یہ سارا واقعہ معلوم ہو چکا ہے"؟ عبدل نے پوچھا۔ "اور انہوں نے سب کچھ سننے کے بعد بھی آپ سے کچھ نہیں کہا۔"

"میں ان سے کوئی اہم بات چھپانا گناہ سمجھتی ہوں۔ بیشک وہ ایک ایک بات سے واقف ہیں۔"

"لیکن اگر آپ کی یہ ساری کہانی اخباروں میں آجائے تو؟"

بیگم صاحبہ نے تھکے ہوئے انداز میں میز پر پڑے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ "معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے"۔

بیگم صاحبہ کے انداز کو دیکھ کر عبدل چوکنا ہو گیا۔ وہ اپنی اہم باتیں اپنے شوہر سے چھپانا گناہ سمجھتی ہیں۔ معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے — واقعی لیڈر نرا لیڈر ہی نہیں تھا سمگلر بھی تھا۔ وہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے عبدل پر جال ڈال رہا تھا۔ عبدل سے ذرا بھی غلطی ہوئی اور وہ جال میں پھنسا۔

عبدل کھسک کر بیگم صاحبہ سے کچھ دور ہو گیا۔ اس کا سابقہ کسی معمولی شخص سے نہیں تھا۔ معمولی احتیاط سے کام نہیں چلے گا۔ غیر معمولی انسان سے مقابلہ کرنے کے لئے غیر معمولی ذہانت سے کام لینا پڑے گا۔

"آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا میں اس پر غور کروں گا؟" عبدل ایک بار پھر ماہر نفسیات بن گیا۔ "آپ کے لاشعور سے یہ بات نکلنے میں کافی دیر لگے گی کہ آپ کی حرکت احمقانہ تھی۔ دراصل آپ نے جو کچھ کیا محض اپنی ہم عمر سہیلیوں میں سربلند ہونے کے لئے کیا۔ فرائڈ کہتا ہے کہ انسان کی حرکات کی محرک دو خواہشات ہوتی ہیں۔ نمبر ایک جنس مخالف اور نمبر دو شہرت۔ مجھے یہ سمجھنے کے لئے کہ ان دونوں میں سے اصل محرک کیا تھا، کچھ سوچنے کی مہلت درکار ہے۔ فی الحال آپ صحافیوں کے عصرانے میں جا کر شرکت فرمایئے"۔

"خدا حافظ"۔ وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اگلے ہفتے"۔ عبدل نے انہیں کمرے کے دروازے تک چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اگلے ہفتے۔ اسی وقت"۔

بیگم صاحبہ چلی گئیں۔ کمرہ بند کر کے اس نے میز پر پڑے ہوئے نوٹوں کی گڈیوں پر نظر ڈالی۔ اس کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ انہیں اٹھا کر گن سکے۔ مہم نقطۂ عروج پر پہونچ چکی تھی۔ اس نے بیگم صاحبہ کے ساتھ کوئی نازیبا سلوک نہیں کیا تھا مگر وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی بھول چوک نہ ہو جائے۔ اس کی چھٹی حس بار بار کہہ رہی تھی کہ خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ خبردار عبدل خبردار۔ نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے۔ اے عبدل دی گریٹ۔

ابھی تک کوئی ایسا ثبوت، کوئی ایسی شہادت نہیں تھی جس سے معلوم ہو کہ عبدل سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے۔ نہ اس نے کوئی دھمکی دی، نہ کسی کو بیگم صاحبہ کے پیچھے لگایا۔ وہ خود دو مرتبہ اس کے پاس تشریف لائیں اور دونوں مرتبہ کم و بیش ایک گھنٹے تک بیٹھیں۔ عبدل ایک بار بھی ان کے

پاس نہیں گیا۔ اس کے پاس بیگم صاحبہ کی آٹھ عدد عریاں تصاویر بھی تھیں وہ بہانہ کرسکتا تھا کہ یہ تصاویر اس نے شہر کے ایک بڑے بدمعاش کو منہ مانگی رقم دے کر خریدی تھیں۔ بازی کے سارے پتے اور سارے بادشاہ اسکے ہاتھوں میں تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کس خوبی اور مہارت سے اپنے پتوں کا استعمال کرتا ہے۔

نوٹوں کو شمار کئے بغیر اس نے ایک بڑے لفافے میں ڈالا اور "نوٹ ڈال ڈال میں پات پات" گنگناتا ہوا اس لفافے کو لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

تقریباً ایک یا دو بلاک پار کرنے کے بعد چھٹی حس نے اسے مطلع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جارہا ہے۔ نصف درجن بلاکوں کے بعد اسے یقین ہوگیا کہ چھٹی حس کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ اور اس یقین کے بعد بیگم صاحبہ سے جو ہمدردی اسے تھی یا اس کے دل میں عشق و محبت کے جو جذبات موجزن ہونے لگے تھے، ان سب کا یک لخت خاتمہ ہوگیا ایک دو پیسے کی چھوکری جس نے آرام و آسائش کے ماحول میں آنکھیں کھولیں، زندگی بھر عیش کرتی رہی، گلچھرے اڑاتی رہی، تابرخواست عدالت کی سزا بھی بھگت آئی اور اب ایک لیڈر کی بیوی بنی ہوئی مزے کر رہی تھی اپنی ساری حماقت اور جہالت اور رذالت کے ساتھ عبدل کے منہ آرہی تھی۔ غالباً اسے یہ علم نہیں کہ اس جیسی بیگم صاحبائیں درجنوں کے حساب سے ہر وقت عبدل کی جیب میں پڑی رہتی ہیں۔ جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی۔ اچھا بیگم صاحبہ۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کیسی عظیم شخصیت سے آپ کا سابقہ پڑا تھا۔ اگر تمام زندگی آپ کو اپنے اخراجات اٹھانے پر مجبور نہ کردوں تو میرا نام عبدل نہیں۔

اس نے اپنا پیچھا کرنے والے شخص سے بچنے یا چھپنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے بجائے اس نے اپنے قدم ہلکے کردیئے اور مزے مزے میں ٹہلتا ہوا چلنے لگا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنی میں رہے اور کسی مجمع میں پیچھا کرنے والے شخص کی نظروں سے اوجھل نہ ہوجائے۔

ایک دوکان پر رک کر اس نے بیش قیمت عطر کی ایک شیشی خریدی اور اس شیشی کو نوٹوں والے لفافے میں ڈال دیا۔ اس پر یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہوچکی تھی کہ اب اس کی ایک ایک حرکت، ایک ایک جنبش ایک ایک سانس کو نظروں میں رکھا جائے گا۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ بڑی خوشی کی بات تھی۔ عبدل کو ایک باڈی گارڈ حاصل ہوگیا تھا۔ جو چوبیس گھنٹے جان و مال کی حفاظت کیا کرے گا۔ حل طلب مسئلہ صرف یہ تھا کہ بیگم صاحبہ کی دی ہوئی رقم کو کہاں ٹھکانے لگایا جائے۔ یقیناً ان نوٹوں کے نمبر نوٹ کئے جاچکے ہوں گے۔ ایک ایسا لیڈر جو امگلر بھی رہ چکا ہو، اتنی بڑی رقم آسانی کے ساتھ ہرگز نہیں دے سکتا۔

اس نے رقم کو ٹھکانے لگانے کے جانے کے کئی امکانات پر غور کیا کسی نابینا فقیر کو دیدے یا آگ کی نذر کردے لیکن اس طرح وہ اپنے دشمن پر یہ کیسے ثابت کرسکے گا کہ عبدل معمولی درجے کا بلیک میلر نہیں ہے اور ابھی تک کسی ماں نے کسی ایسے شخص کو پیدا نہیں کیا جو عبدل کو دھوکہ دے سکے یا جال میں پھانس سکے۔ یا بیوقوف بنا سکے۔ اور وہ یہ بھی بتادینا چاہتا تھا کہ پچیس ہزار روپوں کی حیثیت اس کے نزدیک مونگ پھلیوں کے چھلکوں سے زیادہ نہیں ہے۔

عبدل مسکرانے لگا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ وہ بیگم صاحبہ اور ان کے لیڈر جمع امگلر شوہر سے اپنی غلطی کا لوہا کس طرح منوا سکتا ہے اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور ڈرائیور سے قریبی پولیس اسٹیشن پر چلنے کے لئے کہا۔

پولیس اسٹیشن پر سب سے پہلے اس کا استقبال اللہ داد کانسٹیبل نے کیا۔ "آؤ سالے۔ آج کل بڑے اونچے اڑ رہے ہو۔ لیکن یاد رکھنا، جس دن بھی میرے ہتھے چڑھ گئے، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"انسپکٹر صاحب ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"اندر چلے آؤ۔" اللہ داد بولا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا، مجرموں کے معاملے میں وہ میرے بھی باپ ہیں۔"

"میں ان کے باپ کا بھی باپ ہوں۔" عبدل نے دل ہی دل میں اللہ داد کو جواب دیا اور اندر داخل ہوگیا۔

انسپکٹر نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "بہت دنوں سے تمہارا کوئی کیس نہیں آیا عبدل؟ کیا نوسو چوہے پورے ہوگئے؟"

"میں بالکل شریف بن گیا ہوں۔ ایک دم شریف۔"

"یہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں۔" انسپکٹر صاحب نے کہا۔ "ج

بٹن پر کوٹ

ایک بھکاری ایک عالی شان بنگلے میں داخل ہوا تو فوراً ہی اس کی مڈبھیڑ گھر کی مالکہ سے ہوگئی جس نے غرا کر کہا۔ "تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

بھکاری نے عاجزی سے سر جھکایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھا ہوا بٹن گھر کی مالکہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "اگر زحمت نہ ہو تو اس بٹن پر ایک کوٹ ٹانک دیں۔"

مرسلہ:۔ عزالہ۔ سیالکوٹ

کرنے کب جا رہے ہو؟"

"اسی سال جانے کا ارادہ ہے۔" اس نے نوٹوں سے بھرا لفافہ نکال کر انسپکٹر کے ہاتھ میں دے دیا۔ "میں اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا کہ ایک نئی کار جیسے کوئی عورت چلا رہی تھی، رکی۔ عورت اتر کر میرے پاس آئی اور مجھ سے ایک غیر معروف شخص کا پتہ پوچھنے لگی اسے صحیح طور پر نہ اس شخص کا پورا نام یاد تھا اور نہ مکان کا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ میں نے معذرت چاہ لی۔ وہ میرے پاس زیادہ سے زیادہ دو منٹ ٹھہری ہوگی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ سڑک پر ایک لفافہ پڑا ہوا ہے۔ میں فوراً اس لفافے کو اٹھا کر اسے دینے کے لئے دوڑا لیکن گاڑی گزر چکی تھی، پٹری چمک رہی تھی میرا خیال تھا کہ لفافے میں کاغذات ہوں گے مگر کھول کر دیکھا تو ... انسپکٹر صاحب، آپ خود ملاحظہ فرمائیے لفافہ سو سو کے نوٹوں سے لبالب بھرا ہوا ہے۔"

انسپکٹر نے ایک نظر لفافے میں رکھے ہوئے نوٹوں پر ڈالی اور دوسری گھبرائی ہوئی نظر عبدل پر۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نوٹ سچے ہیں یا عبدل؟

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک نوٹ نکال کر بغور اس کا جائزہ لینے لگا۔ "یقین نہیں آتا عبدل کہ تم جیسا ذلیل اور کمین شخص اتنا نیک بھی بن سکتا ہے۔ نوٹ اصلی ہے۔"

عبدل مسکرایا۔ "مجھے جو کچھ ملا تھا، وہ میں نے آپ تک پہونچا دیا۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔ مجھے اجازت دیجئے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انسپکٹر نے درشت لہجے میں کہا۔ "یہ نوٹ تمہیں کہاں سے ملے؟"

"میں پہلے ہی پورا قصہ بتا چکا ہوں۔"

"تم نے کار کا نمبر دیکھا؟"

"مجھے عام طور پر کاروں کے نمبر یاد نہیں رہتے۔" عبدل نے جواب دیا۔ "لیکن اس کار کا نمبر مجھے صرف اس لئے یاد رہ گیا ہے کہ اس کا نمبر وہی تھا جو میرے ایک دوست کے مکان کا نمبر ہے۔ ۱۲۱۳۔"

"بارہ سو تیرہ۔" انسپکٹر نے سر کھجایا۔ "یہ نمبر ایک بڑے لیڈر کی کار کا ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں، آج کل یہ کار ان کی بیگم کے استعمال میں رہتی ہے۔"

"شکر ہے۔ حق بحقدار رسید۔" عبدل ایک بار پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ یہ نوٹ ان تک پہونچا دیجئے۔ ان سے کہیئے کہ اتنی بڑی رقم ساتھ لے کر نہ گھوما کریں۔ آپ ہی بتائیے انسپکٹر صاحب، اگر میرے علاوہ کسی اور کو یہ رقم ملتی تو کیا وہ واپس کر دیتا؟"

اب کی مرتبہ انسپکٹر نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

باہر نکلا تو اللہ داد کو اپنا منتظر پایا۔ "تم گواہ رہنا اللہ داد۔" عبدل نے اللہ داد کے کندھے پر پیار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ کسی کا دل نہیں توڑا ہے۔ مجھے کچھ رقم ملی تھی۔ سو میں نے ایک سچے، ایماندار اور دیانتدار شہری کی حیثیت سے اس رقم کو انسپکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔"

اس کی توقع کے مطابق بیگم صاحبہ اگلے ہی دن تین اور چار بجے کے درمیان اس کے کمرے پر پہونچ گئیں۔ اب کی مرتبہ انہوں نے دروازے پر دستک بھی نہیں دی۔ ان کا پیارا سا، مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر "یہ اڑی اڑی سی رنگت، یہ کھلے کھلے سے گیسو۔" والا شعر عبدل کو کئی بار یاد آیا۔

"تشریف رکھیئے۔" اس نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ "مجھے تو امید بھی نہیں تھی کہ آپ مجھ جیسے کمترین انسان کو اتنی عزت بخشیں گی۔"

وہ کھڑی رہیں۔ "کل ساری رات میں تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہی۔"

عبدل نے گنگنا کر کہا۔ "ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اس محفل میں ہے۔ زہے نصیب۔ مناسب سمجھیں تو ناچیز خادم کو یہ بھی بتا دیں کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں۔ لیکن پہلے تشریف رکھیئے۔"

"میں حیرت کر رہی تھی کہ تم نے رقم واپس کیوں کر دی؟"

"مجھے خواتین سے تحائف لینے کی عادت نہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں غلط سمجھا۔؟"

"دیکھئے بیگم صاحبہ۔ میں ہمیشہ سے صاف ستھرا کھیل کھیلنے کا عادی ہوں۔ مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ یا تو نوٹ دستخط شدہ ہیں یا ان کے نمبر نوٹ کر لئے گئے ہیں؟"

"یہ شبہ تمہارے دل میں کیوں پیدا ہوا؟"

"دراصل مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے اپنے اوپر اس بات کا شبہ ہونے لگا تھا کہ شاید میں آپ جیسی پیاری خاتون کو بلیک میل کر رہا ہوں۔ حالانکہ میں اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ میری سات پشتوں میں کسی نے بلیک میلنگ نہیں کی۔ اور پھر وہ رقم تو میں نے ادھار لی تھی۔ بلیک میلر ادھار کے قائل نہیں ہوتے۔ ویسے بھی پچیس ہزار روپے میرے ہاتھ کا میل ہیں۔ اتنی حقیر سی رقم پر وہی شخص جان دے سکتا ہے جو لاکھوں اور کروڑوں میں نہ کھیل چکا ہو۔ چھوڑیئے، ان باتوں کو، سنا ہے جب سے آپ کے شوہر نے ووٹ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، ان کی شکست کے امکانات پہلے سے بھی زیادہ روشن ہو گئے ہیں؟"

"نہیں۔ جہاں تک میرے سروے کا تعلق ہے، ان کی شکست کے امکانات بہت کم ہیں۔ اگر دوسرے تمام امیدواران کے راستے سے ہٹ جائیں تو ان کی عظیم الشان کامیابی میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔"

"گویا آپ کے سروے کے مطابق آپکے شوہر تقریباً تقریباً کامیابی کی حدوں تک پہونچ گئے ہیں؟"

"تقریباً نہیں بلکہ یقیناً پہونچ گئے ہیں۔"

"لیکن بازی اُلٹ بھی سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کبھی آپنے سنجیدگی سے اس بات پر غور کیا کہ اگر بازی الٹ گئی تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوگا! الیکشن میں فتح و شکست ہوتی ہی رہتی ہے۔"

عبدل نے پہلو بدلا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپکے شوہر کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ آپ اُن سے کہیئے کہ وہ مجھے اپنا سکریٹری بنالیں۔ زیادہ نہیں، صرف پانچ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ دیا کریں۔"

"تمہیں سکریٹری بنالینے کے بعد وہ جیت جائیں گے؟"

"ابھی آپ خود ہی ارشاد فرما چکی ہیں کہ الیکشن میں یا تو فتح ہوتی ہے یا شکست۔ آپ ان کی بیگم ہو کر یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتیں تو میں سکریٹری بن کر کوئی یقینی بات کس طرح کر سکتا ہوں؟"

"انہیں پاگل کتے نے تو نہیں کاٹا کہ خواہ مخواہ ایک ایسے شخص کو اپنا سکریٹری بنالیں جو کسی کام کسی فائدے کا نہ ہو۔"

"مجھے سکریٹری بنانے میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور آپکے شوہر کا بھی۔ مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

عبدل اٹھا۔ ٹہلتا ہوا میز تک پہونچا اور اس کی دراز سے ایک لفافہ نکال کر بیگم صاحبہ کے سامنے ڈال دیا۔ "یہ تصویریں ملاحظہ فرمایئے، آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ اگر میں سکریٹری بن گیا تو آپ دونوں میاں بیوی فائدے میں رہیں گے۔ الیکشن ہارنے کے بعد بھی اور جیتنے کے بعد بھی۔"

بیگم صاحبہ نے لفافہ کھول کر تصویریں نکالیں۔ یہ وہ تصویریں تھیں جو عبدل نے کمال ہوشیاری سے بیگم صاحبہ کو غسل خانے میں بھیج کر اتاری تھیں۔ انہیں دیکھ کر بیگم صاحبہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ چہرے پر سُرخی آنے لگی۔ آخر میں وہ مسکرانے لگیں۔ "بہت ظالم ہو عبدل"۔ انہوں نے کہا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"آداب بجا لاتا ہوں بیگم صاحبہ۔ اب آپ ارشاد فرمایئے مجھے اپنے شوہر کا سکریٹری کب تک رکھوا رہی ہیں؟ تنخواہ صرف پانچ ہزار روپے ماہانہ۔ اور ہاں، چند در چند مصروفیات کے باعث میری حیثیت صرف تنخواہ وصول کرنے والے سکریٹری کی ہوگی۔ تنخواہ وصول کرنے کے علاوہ میں آپ کا یا آپکے شوہر کا کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔"

"بلیک میلنگ کو قانونی شکل دینا چاہتے ہو؟"

"یونہی سمجھ لیجیے بیگم صاحبہ۔ حالانکہ میں سیدھا سادھا سچا مسلمان ہوں جو نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے۔"

بیگم صاحبہ ایک سیکنڈ تک کچھ سوچتی رہیں۔ "اور اگر میں انکار کر دوں؟"

"خدا کے لئے ایسا نہ کیجیے گا۔ آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں میں بہت ہی کمینی خصلت کا انسان ہوں۔ آپ تباہ و برباد ہو جائیں گی آپکے شوہر کا سیاسی مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ میں ایک بار پھر کہتا ہوں، مجھے اپنا ہمدرد اور مخلص دوست سمجھئے۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی فلاح و بہبود کے لئے عرض کر رہا ہوں۔"

بیگم صاحبہ کی مسکراہٹ اتنی گہری ہو گئی کہ عبدل کو ڈر لگنے لگا۔ "تم سے بڑی زبردست غلطی ہوئی ہے عبدل۔ میں بیگم صاحبہ نہیں ہوں"

"آپ .... آپ؟"

"بیگم صاحبہ کو جس روز تمہارا فون موصول ہوا تھا وہ فوراً میرے پاس آئی تھیں اور مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں انہیں مصیبت سے چھٹکارا دلا دوں۔ چنانچہ مجھے اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے میدان میں آنا پڑا۔"

"آپ . . . آپ . . ." عبدل مسلسل ہکلائے جا رہا تھا۔

"آپ ... آپ نہیں ہیں۔ آپ بیگم صاحبہ نہیں ہیں؟"

"یہ رہا میرا شناختی کارڈ۔" انہوں نے بیگ کھول کر اپنا کارڈ عبدل کے ہاتھ میں دے دیا۔

"لیڈی .... لیڈی اے ایس آئی؟" عبدل نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ جب اس نے دوبارہ اپنا سر اوپر اٹھایا تو لیڈی اے ایس آئی اپنے مرمریں ہاتھوں میں خوبصورت سا پستول اس پر تانے کھڑی تھی اور باہر چلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

"کیا سمجھے عبدل؟"

عبدل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے ہوئے باہر کی جانب چل دیا جہاں بیگم صاحبہ سے عاریتاً لی ہوئی کار اسے پولیس اسٹیشن تک پہونچانے کی منتظر کھڑی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ "دو دلوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتی"۔ والا گانا خوب زور زور سے گائے لیکن پستول کی موجودگی میں اسے نہ تڑپنے کی اجازت تھی اور نہ فریاد کرنے کی۔ صیاد کی مرضی یہی معلوم ہوتی تھی کہ وہ بیچارہ گھٹ گھٹ کر مر جائے۔

ایم اے راحت

انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیرت افروز واقعات

وقت کی کہانی صدیوں کے بیٹے کی زبانی

ایک مافوق الفطرت اور پراسرار شخص کے حیرتناک حالات

نیویارک ایرپورٹ سے پرواز کرنے والا طیارہ طوفان میں گھر گیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو نوجوان پائلٹ راڈرک نے ایک خوفناک سفر کے بعد اسے برف پر اتار لیا۔ طیارہ برف کے ایک پہاڑ میں دفن ہوگیا تھا اور بہت سے مسافر دہشت سے مرگئے تھے۔ نوجوان راڈرک نے باقی بچے ہوئے لوگوں کے ساتھ پہاڑ میں سرنگ کھودی اور اس کے ذریعے باہر نکل کر بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کیا لیکن ناکام رہا۔ پروفیسر خاور نے نوجوانوں کو تیار کرلیا کہ وہ جہاز کا ڈھانچہ برف کھود کر نکال لیں تاکہ اس میں بیٹھ کر ڈھلان کے دوسری طرف موجود دنیا میں جاسکیں ڈھانچہ نکالنے کے بعد سب لوگ اس میں بیٹھے اور ڈھلان کا سفر شروع کردیا۔ اور پھر جب بوڑھے خاور کو ہوش آیا تو جہاز پھر تباہ ہوچکا تھا اور زندہ بچنے والوں میں وہ اور اسکی دونوں بیٹیاں فرزانہ اور فروزاں تھیں پروفیسر نے وہاں ایک غار دیکھا جس میں زندگی کے وجود کا پتہ چلتا تھا۔ جب وہ غار میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک عظیم الشان لیبارٹری موجود تھی۔ وہاں ایک تابوت رکھا ہوا تھا جس میں ایک نوجوان کا جسم رکھا ہوا تھا۔ پروفیسر کی تھوڑی سی کوشش سے یہ نوجوان جاگ اٹھا۔ نوجوان نے بتایا کہ اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ اور اس کی عمر نامعلوم ہے۔ وہ ہر دور میں زندہ رہا ہے۔ اس نے تہذیب کا ارتقاء دیکھا ہے۔ پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی۔ کہانی کی ابتداء پتھر کے دور سے ہوتی ہے، جب نوجوان کو ایک لڑکی مل گئی تھی۔ پھر اسے دوسری لڑکی ملی جس نے پہلی لڑکی کو ہلاک کردیا۔ اس لڑکی نے اسے تورسا کے نام سے پکارا۔ لڑکی نے اپنا نام لا کا بتایا تھا۔ ایک دن زلزلہ آیا تو لا کا زلزلے کی نظر ہوگئی اور نوجوان نے اپنے آپ کو ایک وادی میں پایا جہاں اس جیسے بہت سے لوگ غاروں میں رہتے تھے۔ حالات نے اسے اس علاقے کا سردار بنادیا۔ وہاں اس نے طویل زندگی گزاری اور پھر ایک دن اکتا کر وہ اس علاقے سے نکل آیا۔ سمندر کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا وہ درختوں کی بستی میں جانکلا جو تہذیب کی طرف گامزن تھی لیکن رقابت کا دور شروع ہوگیا تھا اور میدانوں میں رہنے والے گونیے ان درختوں والوں کی تاک میں تھے۔ ایک دن انھوں نے حملہ کرکے درختوں والوں کو تباہ کردیا۔ لیکن نوجوان کو انھوں نے بحیثیت دوست قبول کرلیا۔ وہیں اس کی ملاقات بوڑھے ارساس سے ہوئی اور ارساس نے جو سردار آکے کا باپ تھا اسے بڑی عزت بخشی وہ اسے ان غاروں میں لے گیا جہاں وہ لوہے پر فتح کرنے کے بعد ان کے ہتھیار تیار کررہا تھا۔ اس کی بیٹی سامی اس کی مددگار تھی۔ بوڑھے نے اسے تہذیب سکھائی لیکن جب سامی کے ساتھ اس کے جذباتی تعلقات قائم ہوگئے تو بوڑھا اس کا دشمن ہوگیا۔ اس نے اسے اور سامی کو گرفتار کرکے آگ میں جھونک دیا۔ سامی جل کر راکھ ہوگئی لیکن وہ زندہ رہا۔ بستی والے یہ دیکھ کر فرار ہوگئے۔ پھر اس نے سمندری سفر شروع کیا اور ایک لہر نے اسے ایک سفید زمین پر لا پٹخا۔ وہ یہاں سوگیا۔ جب نیند سے جاگا تو دنیا کئی قدم آگے بڑھ چکی تھی۔ وہاں اس کی ملاقات آرسانہ کی ملکہ سے ہوئی۔ ملکہ نے اپنا سب کچھ اس پر نثار کردیا اور اسے لے کر آرسانہ آگئی۔ شہنشاہ کو ان کے تعلقات کا علم ہوا تو اس نے نوجوان کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیا۔ نوجوان نے شیروں کو ٹھکانے لگادیا تو سب خوفزدہ ہوکر بھاگ گئے۔ وہیں اس کے تعلقات شہنشاہ کی لڑکی بائیسہ سے استوار ہوگئے۔ شہنشاہ نے سازش کرکے اسے اور بائیسہ کو پتنگ میں باندھ کر آتش فشاں کے دہانے میں اتار دیا۔ بائیسہ جل کر خاک ہوگئی۔ لیکن نوجوان کو آگ نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ انتقام کے طور پر وہ شہنشاہ کی دوسری لڑکی آکاشا کو لے کر فرار ہوگیا۔ پھر آکاشا بوڑھی ہوکر مرگئی تو وہ ایک بستی میں پہنچا وہاں ظالم طاآس حکمران تھا۔ بعض حیرت انگیز واقعات کے بعد طاآس اگناس کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ اور اس کی تمام بیویاں نوجوان کے حصے میں آگئیں۔ وہ گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر وہ ایک جزیرے میں جانکلا جہاں لاکھوں سیاہ فام آگ سے دیوتا کے برآمد ہونیکا انتظار کررہے تھے۔ انھوں نے اسے ہوتیکا کہہ کر پکارا اور اسے بوڑھے آشوتھا کے پاس لے گئے جو ایک پُراسرار انسان اور غیر معمولی قوتوں کا مالک تھا بوڑھا عظیم سائنسدان تھا جس نے جڑی بوٹیوں سے طویل عمری کا راز پالیا تھا۔ لیکن وہ جوان ہونا چاہتا تھا۔ جوان ہونے کے شوق میں جب اس نے آگ کا غسل کیا تو مارا گیا۔ آشوتھا کی موت سے بددل ہوکر وہ بستی سے اس غار میں آگیا اور وہ نظام قائم کیا جو پروفیسر خاور اور اس کی لڑکیوں نے دیکھا تھا۔ اپنے انتظامات کرکے وہ اس وقت تک کے لئے سوگیا جب دنیا تہذیب کے دور میں داخل ہوگی۔ جب وہ جاگا، تو تہذیب کا دور شروع ہوچکا تھا۔ وہ تہذیب کے گہوارے مصر میں داخل ہوگیا۔ وہاں بعض عجیب وغریب اور حیرت ناک واقعات سے گزر کر اس کی ملاقات غلاموں کے سوداگر سی سارا سے ہوئی۔ سی سارا کے جہاز پر موجود غلاموں سے اسے ہمدردی تھی اور وہ ان کی آزادی کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ جہاز پر موجود نوجوان کے دشمن سیاہ فام گیشے نے ایک قیدی کو اس کے قتل پر تیار کرلیا لیکن جو ہونا تھا وہی ہوا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ نوجوان نے گیشے کو طلب کیا لیکن اس نے وہاں بھی چالاکی سے کام لیتے ہوئے بات بدل دی اور موقع پاکر پوگاس پر خنجر کھینچ لیا۔ نوجوان نے اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے کہا "میں نے گیشے کو کامیاب نہ ہونے دیا اور اپنے قول کے مطابق اُسے سزا دی۔ بعد میں یوجنا کے جہازوں سے مقابلے میں سی سارا مارا گیا اور یوجنا والے بھی مارے گئے تو قیدیوں کو آزادی مل گئی۔ انھوں نے مجھے اپنا راہنما تسلیم کرلیا۔ قیدیوں میں موجود عورتوں کو آپس میں بانٹ لیا گیا۔ پھر بھی کچھ عورتیں بچ گئیں تو میں نے اپنے آپ کو ان کے لئے وقف کردیا۔ اب ہر عورت مجھ سے فیضیاب ہوسکتی تھی۔ انہی عورتوں میں پوگاس کی بہن ابانیہ بھی تھی۔ آخر کار ہمارا جہاز ایک سرسبز زمین پر پہنچا۔ وہاں جانوروں کا وجود نہیں تھا جس کی وجہ ایک پُراسرار وجود تھا۔ ہم نے اس زمین کو اپنا لیا۔ پوگاس اور دوسرے لوگوں نے یہ بات مان لی۔ لباس نہ ہونے کی وجہ سے برہنگی اپنانی پڑی تھی۔ وہاں رہتے ہوئے ہمیں خاصا عرصہ گزر گیا تھا۔ عورتیں بچے جن رہی تھیں۔ لوگ کھیتی باڑی میں لگے تھے کہ ایک رات جب ابانیہ میری آغوش میں تھی ہم لوگوں نے عجیب آوازیں سنیں۔ ہم دونوں چونک پڑے۔ یہ ڈھول کی آوازیں تھیں۔ ابانیہ کو لیکر میں آوازوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہوا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک وادی میں وحشی انسانوں کو دیکھا وہ لوگ ڈھول بجارہے تھے اور کسی دیوتا کو پانچ انسانوں کی بھینٹ دینے آئے تھے۔ ان وحشی لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں نے ان پانچوں کو کھولا۔ ان لوگوں نے دیوتا نیمون کی کہانی سُنائی۔ میں ان لوگوں کو لے کر بستی میں آیا اور انھیں اپنے لوگوں میں شامل کرلیا۔ انھوں نے پہاڑوں کی ملکہ شیمونا اور ہیگوں کی کہانی سُنائی جو میرے لئے دلچسپ تھی۔ میں ہاقو اور اس کی عورت پوشیانا کو لیکر نیمون کے غار کی طرف چل پڑا۔ نیمون کے غار کا معائنہ کرنے سے پتہ چلا کہ اس کے قدموں کے نشانات ایک بستی کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ سو میں نے کہا کہ ہم بستی والوں کی مدد کریں گے۔ ہم گوری بستی کی طرف چل پڑے، اور وہی ہوا... جس کا اندیشہ تھا۔ خونخوار نیمون بستی کے بے شمار لوگوں کو ہلاک کرکے پہاڑوں کی طرف نکل گیا تھا۔ میں نے اپنے تینوں ساتھیوں کو سوگوار لوگوں کے درمیان چھوڑا اور خود نیمون کی تلاش میں نکل گیا۔ لیکن مجھے ناکامی ہوئی۔ ہاں جب میں واپس آیا تو انکشاف ہوا کہ شیمونا کے سپاہی ہاقو کو گرفتار کرکے لے گئے ہیں۔ البتہ دونوں عورتیں محفوظ تھیں۔ میں نے بستی والوں کو اپنی طاقت سے مرعوب کرکے ان کے گھوڑے حاصل کئے اور سالان بالے کا راستہ معلوم کرکے چل پڑا۔ لیکن راستے

S. ABDUL
QADIR '76

میں رقابت کی ماری پوشنیانا نے اہانیہ کو قتل کر دیا۔ وہ میرا قرب چاہتی تھی، تب میں نے طیش میں آ کر دونوں گھوڑوں کو ہلاک کر دیا اور پوشیانا کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور بالآخر ناقابلِ عبور راستوں کو عبور کر کے میں شان بائسے میں داخل ہو گیا، جہاں ہیگوں کا راج تھا۔ کاہوسِ اعظم ان کا سربراہ تھا۔ مجھے گرفتار کر کے ایک قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ہیگے مجھے دیوتا تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔

تب میری ملاقات چالاک کاہوس اعظم سے ہوئی جس نے آگ کا کارخانہ بنا کر لوگوں کو بیوقوف بنا رکھا تھا۔ لیکن میں نے اس کے لوگوں کے سامنے اس کا طلسم توڑ دیا۔ اور وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے قتیلہ کو میرے پاس بھیجا تاکہ وہ مجھے زہر دے کر ختم کر دے۔ لیکن قتیلہ مجھ سے عشق کرنے لگی۔ یہاں تک کہ شیمونا کی زیارت کی رات آ گئی۔ میں نے نوخیز ملکہ کو دیکھا اور دیوانہ ہو گیا۔ بلاشبہ وہ حسن سحر خیز پاگل کر دینے والا تھا۔ لیکن اسی کی زبان سے میرے قتل کے احکامات صادر ہوئے اور ان چٹانوں نے جگہ چھوڑ دی جہاں ہم کھڑے تھے۔ قتیلہ گئی لیکن میرے لئے نئے راستے کھل گئے تھے۔ میں نے کاہنِ اعظم کے لئے موت کا بندوبست کیا اور پھر ایک سرنگ کے ذریعے شیمونا کی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ جہاں دو پہریدار لڑکیوں سے میری مڈبھیڑ ہو گئی اور وہ بھی بآسانی میرے جال میں پھنس گئی تھیں۔

میں نے پہلے دونوں لڑکیوں کو مطمئن کیا۔ پھر شیمونا تک پہنچنے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ معصوم صورت جس سے میں نفرت کرتا تھا، درحقیقت معصوم تھی۔ وہ دربار کرتے وقت کاہنوں کے طلسم میں گرفتار ہوتی تھی اور اس نے بھی اپنے ماحول سے بیزاری کا اظہار کیا۔ تب میں نے کاہنوں کا طلسم الٹ کر دیا۔ اور آگ اس کے جسم سے لپٹ گئی۔ دوسری طرف میرا دوست رُحاما فوکو لے کر میرا منتظر تھا، چنانچہ ہم معہ شیمونا کے وہاں سے چل پڑے۔ اور بالآخر اپنی بستی پہنچ گئے۔ لوگاس اور اس کے لوگ پُرمسرت زندگی گزار رہے تھے۔ راستے میں پوشیانا بھی مل گئی تھی جسے بالآخر میں نے معاف کر دیا تھا۔ ابھی شیمونا کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے دو چاند ہی گزرے تھے، کہ کاہوس نے ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ ہماری بستی کا محاصرہ کر لیا۔ وہ بدفطرت آگ سے بدشکل ضرور ہو گیا تھا مرا نہیں تھا۔ لیکن میں نے اس کے ساتھیوں سے کہا کہ اس بستی کے لوگ نہ مرنے والوں میں سے ہیں۔ اور میں نے اپنے کمال دکھائے۔ لیکن اسی وقت قسمت کا مارا نیموں آ پہنچا۔ لشکر تتر بتر ہو گیا، لیکن میں نے ایک کھانڈے سے دو ٹکڑے کئے۔ نیموں کو قتل کر دیا اور لشکر پر رعب ڈال دیا۔ تب لشکری میرے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

اور پھر بہت ہی برا حشر ہوا کاہوس کا۔ خود اس کے لوگوں نے اسے کچل کچل کر ہلاک کر دیا۔ تمام ہیگوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ تب میں نے بوڑھی شیمونا کے ساتھ وہ بستی چھوڑ دی اور شیمونا کی [illegible]

میں نے سمندری نیند اپنائی۔ لیکن آنکھ کھلی تو میں جل پریوں کے دیس میں تھا۔ اوپر سے عورت اور نیچے مچھلی کے بدن والی ان عورتوں میں میرا کیا دل لگتا جو نر کے بغیر انڈے دیتی تھیں۔ چنانچہ میں ان سے بھی چل پڑا۔ اور پروفیسر مجھے ایک جہاز نظر آیا جو تھیوڈوس میڈس کا تھا۔ یہ شخص خود کو سمندر کا حکمراں کہتا تھا اور بہت سے جزائر سے خراج وصول کر کے خشکی کا شہنشاہ بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں ایک مصیبت زدہ کی حیثیت سے مسکین بن کر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی نگاہ میں ایک مقام حاصل کر لیا۔ تھیوڈوس ایک جزیرے کے خود سر کو سر کرنے جا رہا تھا۔ تائیورس اس شخص کا نام تھا۔ اور کہا تھیوڈوس نے کہ تائیورس کے جزیرے پر جانے والے وفد کی سربراہی میں کروں گا۔ اس احمق کو معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور اس کی معتمد کنیز میرے ساتھ رات بسر کر چکی ہے، جبکہ یہ ناقابلِ معافی جرم تھا۔

بالآخر تھیوڈوس فیقلولیہ پہنچ گیا۔ اور علم و حکمت کے اس خزانے میں مجھے ایک خاص انداز سے داخلے کا موقع ملا لیکن تائیورس کی دانائی دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ ستارہ شناسوں کی سرزمین مجھے اس قدر پسند آئی کہ میں ان کے ساتھ مل کر تھیوڈوس کو فنا کرنے پر تل گیا اور کیا خوب جنگ لڑی تائیورس نے، لیکن تائیورس کے خصوصی جرنیل لیپاس کے ساتھ مل کر جہاز ڈبونے میں، میں نے نمایاں حصہ لیا تھا اور لیپاس اس علاقے کا پہلا انسان تھا جسے میری قوت کا تجربہ ہوا۔ وہ شدتِ حیرت سے دیوانہ ہو گیا۔ لیکن اس وقت میری حیرت عروج پر تھی جب اس نے جوش سے مغلوب ہو کر اپنے لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔

شکست خوردہ تھیوڈوس فرار ہو گیا اور فیقلولیہ خوشیوں کا گہوارہ بن گیا۔ لیکن لیپاس میرا کارنامہ بتانے کے لئے بے چین تھا اور جب اس نے لوگوں کو بتایا تو انہوں نے یقین نہیں کیا۔ تب مجھے ثبوت دینا پڑا۔ اور یہ ثبوت بہت خوفناک تھا۔ لیکن اس کے بعد سب نے ہی یقین کر لیا۔ اور تائیورس میری ہر بات ماننے لگا۔ تب میں نے اسے تھیوڈوس سے دوسرے مقابلے کی تیاریاں کرنے کا مشورہ دیا اور اس کے لئے ایک مشن ترتیب دیا گیا جو دوسرے جزیروں کو بھی جنگ میں شریک کرنے کی دعوت دینا چاہتا تھا۔ اس مشن کا سربراہ میں تھا۔ جنرل لیپاس اور گستاک میرے ساتھ تھے اور اس طرح ہم لیوہارا پہنچ گئے۔ یہاں ہیرودش کی حکومت تھی۔ ہیرودش نے ہمیں تیسرے دن جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اور ستارے بتاتے تھے کہ اس مشن میں ہماری مددگار کوئی عورت ہو گی اور گستاک کے اشلوک کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ ہمارے مشن میں مدد کرنے والا لیپاس تو نہ تھا، ہاں ہیرودش کی ملکہ شارازیہ نے سارا کام کر لیا۔ ہمیں عہدنامہ مل گیا جس کی رو سے لیوہارا تھیوڈوس سے ہونے والی جنگ میں ہماری مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اس عہدنامے کے عوض مجھے شارازیہ کے ساتھ دو راتیں گزارنی پڑی تھیں جو بہرحال لیپاس کو پسند نہ تھیں۔ پھر ہم سارابین چل پڑے۔ لیکن اس کے باوجود لیپاس نے اپنا راز چھپایا تو میں بھی جھنجھلا گیا۔ میں نے سوچا کہ سارابین میں خوب کھل کھیلوں گا اور جب میں نے سارابین کے مرقوسہ کی جان بچائی تو اس نے ایک رات کے لئے اپنی محبوبہ مجھے پیش کر دی۔ لیپاس اذیت میں گرفتار تھا۔

رابیسہ بھی دوسری عورتوں سے مختلف نہ ثابت ہوئی۔ وہ بھی میری دیوانی ہو گئی لیکن بری حالت لیپاس کی تھی۔ شیڈرل فاکلیس نے ہم سے وعدہ کر لیا کہ وہ تھیوڈوس کے خلاف ہمارا ساتھ دے گا تو ہم یہاں سے چل پڑے۔ اور یہ دور لیپاس کی شکست کا تھا۔ اُس نے شکست تسلیم کر لی اور عورت کے روپ میں وہ میرے سامنے آ گئی، تب اُس نے بتایا کہ دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے کہ وہ مرد بنی رہے جس دن وہ عورت کی حیثیت سے سامنے آئی، مر جائے گی۔ میں نے اس کے دل سے یہ خوف نکالنے کی کوشش کی اور ہمارا جہاز ایک منحوس جگہ یعنی لیبورنیس پہنچ گیا جہاں بدفطرت زدپاس کی حکومت تھی۔ پاگل وحشیوں کی اس بستی میں ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا گیا۔ لیکن ایڈاس دیوتا کی محبوبہ ایتھا میرے اوپر عاشق ہو کر مجھے اور لیپاس کو اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ اور عین وقت پر ذلیل زدپاس ایڈاس کو لے کر اندر آ گیا۔

ایتھا ایڈاس کی محبوبہ تھی اور ایڈاس اُسے میرے قریب دیکھ کر چراغ پا ہو گیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اپنی معجزاتی چھڑی سے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تب مجھے گرفتار کر لیا گیا اور مجبوراً میں جہاز والوں کے لئے گرفتار ہو گیا۔ لیپاس فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن ایک رات قید خانے میں ایتھا نے بتایا کہ لیپاس کا راز کھل گیا ہے اور اُس نے ایڈاس کے ستم سے بچنے کے لئے خودکشی کر لی۔ اور جہاز والوں کو زدپاس نے قتل کرا دیا۔ اور انہیں کی وجہ سے تو میں قید تھا۔ چنانچہ پھر میں نے لیبورنیس میں قتلِ عام کیا اور ہر اُس شخص کو فنا کر دیا جو میرے سامنے آیا۔ میں نے بیندڑو، زدپاس اور ایڈاس کو کتوں کی موت مار دیا اور اب میں لیبورنیس کا شہنشاہ تھا اور میرے ذہن میں ایک نیا خیال پرورش پا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اہلِ لیبورنیس کو بہترین فوج میں بدل دیا اور جب تھیوڈوس فیقلولیہ پر حملہ آور ہوا تو میں تائیورس کی مدد کے لئے چل پڑا۔ اس بار تائیورس نے مناسب حکمتِ عملی سے کام نہیں لیا تھا اس لئے سخت نقصان اٹھایا تھا۔ لیکن اب میں اس کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ تھیوڈوس کے اور میرے جہاز آمنے سامنے آ گئے۔

اور پھر تھیوڈوس کے جوان لیبورنیس کے جیالوں کی تاب نہ لا سکے۔ تھیوڈوس کو شکست ہوئی اور اس نے خودکشی کر لی۔ تب میں فاتح کی حیثیت سے فیقلولیہ میں داخل ہوا اور تائیورس نے میرا بے مثال استقبال کیا۔ ایتھا میرے ساتھ تھی اور بہت خوش تھی، لیکن وہیں ایک رات راز کھلا کر لیپاس زندہ ہے۔ وہ وہیں موجود تھی۔ میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بہرحال میں وقت گزارنے لگا! لیکن ایتھا لیپاس کی زندگی سے خوش نہیں تھی۔ پھر طے ہوا کہ لیبورنیس کے راستے کے سارے جزیروں کو یکجا کر لیا جائے۔ میں نے لیبورنیس کی حکومت بھی تائیورس کو دے دی تھی۔ یوں ہم جہازوں اور جوانوں کے ساتھ چل پڑے۔ ایتھا مردانہ لباس میں جہاز پر چھپ گئی اور ایک دن موقع پا کر اس نے لیپاس کو ہیرا کھلا دیا۔ لیپاس مر گئی اور ایتھا نے جہاز کے مستول سے کود کر خودکشی کر لی۔ تائیورس لیپاس کی موت سے اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے میرے اوپر الزام تراشی شروع کر دی اور مجھے اس ناسپاس انسان کی یہ بات پسند نہ آئی، چنانچہ ان کی ساری کوششوں کے باوجود میں نے فیقلولیہ چھوڑ دیا اور پھر سمندر کی لہریں مجھے ایتھنز لے آئیں۔ یہاں داخل ہو کر میری پہلی ملاقات اندھے سلانوس اور اس کی بھتیجیوں سے ہوئی جو عجیب تھے۔ سلانوس پُراسرار علوم کا ماہر تھا۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور ایک شام میں نے ایتھنز کی ملکہ شیپازیہ سے سمندر میں ملاقات کی۔ خونخوار ملکہ تھی۔ میں نے اس کے لوگوں کو شکست دی اور واپس آ گیا لیکن سلانوس نے مجھے بتایا کہ شیپازیہ مجھے تلاش

کرے گی اور ایک شام میں نے بے شمار کشتیاں اپنی طرف آتے دیکھیں۔

کشتیاں شیپازیہ کے ہرکاروں کی ہی تھیں۔ وہ میری تلاش میں آئے تھے۔ میں تو انھیں نہیں مل سکا لیکن وہ اندھے سلانوس اور اس کی بھتیجیوں کو پکڑ کر لے گئے اور میں تنہا رہ گیا۔ تب میں نے شہر کا رُخ کیا اور میری ملاقات فرغوس سے ہوئی۔ انوکھا دوست تھا یہ شخص۔ وہ مجھے ایک رقاصہ تھیورا کے پاس لے گیا کہ حُسن و جمال میں یکتا تھی لیکن کھلی ہوئی رُوح کی مالک۔ تھیورا میری دیوانی ہو گئی اور میں نے اس کے بے پناہ پیار سے متاثر ہو کر اس سے وعدہ کر لیا کہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد اسے اپنالوں گا۔ تب میں نے خونخوار ملکہ کے محل کا رُخ کیا اور محل میں داخل ہو گیا۔ ملکہ شیپازیہ اپنے ایک نوجوان عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھی لیکن چند منٹ کے بعد اس نے اس عاشق کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تب میں اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا اور میں نے پہریداروں سے کہا کہ ملکہ نے مجھے طلب کیا ہے۔

میں ملکہ شیپازیہ کے نزدیک پہنچ گیا اور ملکہ مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ بہرحال مجھے سلانوس کی رہائی درکار تھی اس لئے میں نے اسے شیشے میں اتارا اور ملکہ میری دیوانی کیوں نہ ہوتی۔ میں نے ثابت کر دیا کہ اس کے نجومی جھوٹے تھے اور خونخوار عورت نے سارے نجومیوں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا پھر ایک اور کہانی شروع ہو گئی، مارا تھون نے باغی شموکا کی گرفتاری کیلئے ملکہ شیپازیہ کو منتخب کیا اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔ شموکا کی پہاڑیوں پر ہم نے ڈیرے ڈال دیئے اور باغی شموکا شیپازیہ سے ملا، تب شیپازیہ اس پر عاشق ہو گئی لیکن شموکا کے ساتھیوں نے شیپازیہ کے غلاموں کو قتل کر دیا لیکن وہ مجھے قتل نہ کر سکے اور میں شیپازیہ کو لیکر چل پڑا۔ لیکن شیپازیہ شموکا کے لیئے تڑپ رہی تھی اس نے مجھ سے شموکا کی گرفتاری کی درخواست کی اور میں نہ جانے کیا سوچ کر واپس چل پڑا۔

شموکا کے لوگ یہ سُن کر ہی دیوانے ہو گئے تھے کہ میں اسے گرفتار کرنے آیا ہوں۔ اور پھر کسی ناخوشگوار واقعے سے پہلے ہی شموکا پہنچ گیا۔ اس نے میرا احترام کیا۔ میری بات مانی اور میرے ساتھ ایتھنز چل پڑا۔ سو ہم پہلے فرغوس کے پاس پہنچے اور پھر میں نے اپنی ترکیب پر عمل کیا۔ یوں ماراتھون شیپازیہ کے ہاتھوں مارا گیا اور شیپازیہ ماراتھون کے وفاداروں کے ہاتھوں۔ تب میرے کہنے کے مطابق شموکا کے ساتھیوں نے حملہ کیا اور شموکا ایتھنز کا شہنشاہ بن گیا۔ اور پھر ان ہنگاموں میں میری گنجائش کہاں ؟ میں نے تھیورا کو ساتھ لیا اور آرام سے زندگی گزارنے لگا اور وقت سرک گیا۔ تھیورا بوڑھی ہو کر مر گئی اور میرے دل میں بھی نیند کی سمائی۔ شموکا نے میری مدد کی اور میں سو گیا صندل کے تابوت میں۔ تب صدیوں کے بعد میری آنکھ کھلی۔ اور میری آنکھ شور سے کھلی تھی۔ اندر داخل ہونے والے تین روشن چہرے تھے۔

اب آپ آگے پڑھیے۔

میں خاموشی سے ان تینوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا اور خود پر غور کر رہا تھا میرے ذہن پر کوئی بار تو نہیں ہے۔ میں وقت سے پہلے تو نہیں جاگ گیا ہوں۔ اگر ان احمق شور مچانے والوں نے مجھے جگا دیا ہے، تب تو میں ان لوگوں سے برہمی کا اظہار کروں گا اور اگر میری نیند مکمل ہو گئی ہے، تب کوئی بات نہیں ہے۔

بہت جلد ذہنی کیفیت سے اندازہ ہو گیا کہ میں سو چکا ہوں۔ میری نیند پوری ہو گئی ہے۔ ذہن و بدن میں سرور انگیز لہریں دوڑ رہی ہیں۔ میں نئی دنیا میں پیدا ہو چکا ہوں۔ اور یہ نئی دنیا —— میری کتاب میں اس کی پیشگوئی ضرور ہو گی۔ لیکن کتاب دیکھ کر اس دنیا کے بارے میں اندازہ لگانا کم از کم ان آنے والوں کے سامنے مناسب نہیں تھا۔ ہاں، ان کی شکلوں سے، ان کے انداز سے تھوڑا بہت اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ دنیا چند قدم اور آگے بڑھ گئی ہے۔

تینوں آنے والوں کے چہروں کے تاثرات مختلف تھے۔ خوبصورت جوان کے چہرے پر دلچسپی کی چمک اور آنکھوں میں تجسس تھا۔ اُدھیڑ عمر شخص کے چہرے پر ایک انوکھی خاموشی تھی اور درمیانی عمر کے قوی ہیکل شخص کے انداز میں کشیدگی اور اضطراب تھا۔ اس کی اُنگلیاں پھیل اور سکڑ رہی تھیں گویا وہ خوفزدہ ہو کہ میں ان میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کروں۔

"کیا ہم اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کریں ؟" نوجوان نے ادھیڑ عمر شخص سے پوچھا۔

"ضرور" ادھیڑ عمر شخص نے جواب دیا۔

"کیا یہ ہماری زبان سمجھ سکے گا ؟" نوجوان کے اس سوال پر ادھیڑ عمر شخص نے میرے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔ اور چند ساعت کے بعد بولا۔

"ہاں —— یہ ہماری گفتگو سُن اور سمجھ رہا ہے"

"اوہو —— یہ اندازہ آپ نے کس طرح قائم کیا استادِ معظّم !"

"اس کے چہرے کے عضلات پُرسکون ہیں، اس کی پیشانی کی شکنیں حسبِ معمول ہیں۔ ان کی تبدیلی بتاتی کہ وہ ہماری زبان پر غور کر رہا ہے لیکن اسے اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ سُن رہا ہے، سمجھ رہا ہے۔"

"کیا وہ بول بھی سکتا ہے ؟" نوجوان نے پھر پوچھا۔

"یہ سوال تم خود اس سے کر لو۔"

ادھیڑ عمر شخص کی اس بات پر نوجوان نے ایک لمحہ توقّف کیا پھر ایک قدم آگے بڑھا اور پھر تھوڑا سا جُھک کر، چہرے پر ملائمت اور ہلکی سی مُسکراہٹ پیدا کر کے بولا۔ "کیا میں آپ سے ہمکلام ہو سکتا ہوں ؟"

میں نے گہری سانس لی۔ بلاشبہ میری نیند پوری ہو چکی تھی اور اب میں نئی صدی کے نئے لوگوں کے درمیان تھا۔ مجھے انہیں کے درمیان آنا تھا چنانچہ ان سے اجتناب کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

"کیوں نہیں نوجوان —— لیکن میرے خیال میں اس کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ صندل کے اس ڈھیر پر بیٹھ کر میری تم سے گفتگو کچھ اچھی نہ رہے گی۔ اب جبکہ تم نے میری طویل نیند توڑ دی ہے اور میری آرام گاہ بھی منہدم کر دی ہے، میرا یہاں رہنا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ کیا اپنا تجسس دُور کرنے سے قبل تم یہ نہیں پسند کرو گے کہ مجھے کسی مناسب جگہ لے چلو۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں —— استادِ معظّم! آپ کا کیا خیال ہے؟ اہلِ ایتھنز کے اس نجات دہندہ کو ہم ایتھنز کے محل میں لے چلیں اور وہیں اس سے گفتگو کریں۔"

"ٹھیک ہے۔" ادھیڑ عمر شخص بولا اور نوجوان نے مجھ سے کہا۔

"کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کے لئے بالکل تیار ہو ؟"

"ہاں۔ اب اس ٹوٹی عمارت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنے لوگوں سے کہو، میرا ذخیرۂ علم احتیاط سے ساتھ لے آئیں۔ ان میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہو۔" میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ نوجوان اور دوسرے لوگ مجھے حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ٹوٹے دروازے سے باہر نکل آیا۔ وہ تینوں میرے ساتھ تھے۔ تب میں نے نہ جانے کتنی صدیوں کے بعد سورج دیکھا۔ کہ اسی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ آسمان اسی طرح درخشاں تھا۔ انسان اسی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ سب کچھ یوں ہی تھا بس تہذیب کی شکل بدل گئی تھی۔ عمارتوں کے ڈھنگ بدل گئے تھے، طرزِ تعمیر بدل گیا تھا۔ لباسوں کی تراش بدل گئی تھی اور بدلی ہوئی یہ دنیا بھی کافی خوبصورت نظر آرہی تھی۔

میں نے جوان لوگوں کو دیکھا۔ سپاہی تھے اور ان کے لباس بیحد خوبصورت نظر آرہے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی تندرست و توانا تھے۔ ان کے ہتھیار بھی خوب چمکدار تھے۔ تب ان میں سے چند آگے بڑھے۔ وہ گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے تھے اور انہوں نے وہ گھوڑے ہمیں پیش کئے۔ میرا گھوڑا بھی خوب قد آور اور توانا تھا۔ نوجوان نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور میں لاپرواہی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تب باقی لوگ بھی گھوڑوں پر بیٹھ گئے اور ہم چل پڑے۔

میں خاموش تھا اور ان نئے لوگوں کا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔ نوجوان کوشش کر رہا تھا کہ میرے قریب سے قریب تر رہے۔ میں نے اس کی دلچسپی کو دیکھا اور اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے نزدیک کر لیا۔

"میں نے اس سے قبل ایسی زندہ روایتیں نہیں دیکھی تھیں۔ تمہیں زندہ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی ہے۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندہ روایتوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ——! ایتھنز کے لوگوں کی روایتوں کے مطابق وہ عمارت صدیوں قبل ان کے ایک شہنشاہ شموکا نے بنوائی تھی۔ اس وقت جب اس کی حکومت اس کے بیٹے کے بوڑھے ہونے کے بعد اس کے پوتے نے سنبھال لی تھی، اور اس میں وہ سو رہا ہے جس نے ایتھنز کو مارا تھونیوں سے نجات دلائی تھی۔ ان کی روایت کے مطابق وہ انوکھا ہے، وہ جوان ہے، اس وقت سے جب شموکا جوان تھا۔ اس کی جوانی کو زوال نہیں ہے۔ اور اس وقت بھی جب وہ جاگے گا جوان ہوگا۔ سو میں نے وہی پایا جو کچھ انہوں نے کہا تھا ہم روایتوں پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن بہت سی روایتیں صرف اس لئے تسلیم کی جاتی ہیں کہ ہمارے اجداد انہیں تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اس طرح کیا یہ زندہ روایت نہیں ہے؟"

"کیا تم ایتھنزیوں میں نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم مقدونی ہیں۔ میرا باپ شاہِ مقدونیہ یعنی فیلقوس اور ماں اولمپیاس ہے۔"

"کیا ایتھنز اب مقدونیوں کے زیرِ نگیں ہے؟"

"ہاں۔ فیلقوس نے ایتھنز پر لشکر کشی کی اور اب یہاں ہماری حکومت ہے۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے نوجوان سے پوچھا۔

"سکندر۔" اس نے جواب دیا۔

"اور تم شاہ فیلقوس کے بیٹے ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہارا ساتھی بوڑھا کون ہے؟"

"میرا اتالیق، اور استادِ زمانہ افلاطون کا سب سے ذہین شاگرد ارسطو۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"اور تیسرا شخص، جو تمہارے ساتھ تھا؟"

"وہ اس دستے کا نگران اور سربراہ سرطاس ہے۔" سکندر نے جواب دیا۔

"میرے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو؟"

"روایتیں سنی جاتی ہیں اور وہ اتنی ہی ہوتی ہیں جتنی دوسروں کی زبان سے ادا ہوتی ہیں لیکن یہ انوکھی روایت اتنی آگے بڑھ جائے گی، یہ نہیں سوچا گیا تھا۔"

میں نے گردن ہلائی۔ نوجوان کافی ذہین معلوم ہوتا تھا اور اس کا اتالیق —— میں نے گہری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا تھا اور میرا تجربہ بتاتا تھا کہ بیشک وہ ذہین انسان ہے۔ ایتھنز، ایتھنزیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، تو مجھے کیا؟ فیلقوس نے ایتھنز پر قبضہ کر لیا تھا، اس سے میری صحت پر کیا اثر پڑتا تھا۔ مجھے تو اس دور کے لوگوں میں رہنا تھا۔ اور یہ تو میری تقدیر ہی تھی پروفیسر! کہ میں ہمیشہ بڑوں کے ساتھ رہا۔

"یہ وہی فاتح سکندر تھا جس نے پورس سے جنگ کی تھی؟" فرزانہ بے ساختہ بول پڑی۔

"ہاں، مقدونیہ کا سکندر۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خدا کی پناہ! تم نے اسے دیکھا ہے؟" فرزانہ نے سسکاری سی لے کر کہا۔

"تم صرف دیکھنے کی بات کر رہی ہو؟"

"کیا وہ بیحد خوبصورت تھا؟" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں۔ یونانی یوں بھی حسین ہوتے تھے۔"

"بہت سی انوکھی باتیں ہوں گی اس میں؟"

"میں ان کی تفصیل بتاؤں گا۔" لڑکیوں کی دلچسپی پر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کتنے عرصہ اس کے ساتھ رہے؟"

"خاصے عرصہ۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ، تو کیا تم اس کی فتوحات میں بھی اس کے ساتھ رہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں ——— بیشتر۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے اس کا اندازِ جنگ بھی دیکھا ہوگا؟"

"ہاں۔"

"کیا ان جنگوں میں تم نے بھی سکندر کی مدد کی ہے؟"

"نہیں، کیونکہ میرا وہ دور بیحد پُرامن رہا ہے۔ اس وقت تہذیب بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ اور پیاری لڑکیو! میں نے کسی بھی دور میں کسی جنگجو کے انداز میں نہیں سوچا۔ میں نے اب تک اپنی زندگی کی جو تفصیل تمہیں بتائی ہے۔ مجھے بتاؤ اس میں کہاں میرا کردار کسی جنگجو کا کردار رہا ہے۔ میں اپنے کسی مقصد کے حصول کے لئے کب لڑا ہوں۔ میں نے تو ہمیشہ اس وقت اپنی قوت آزمائی ہے جب کسی نے کسی کے ساتھ ناانصافی کی۔ مجھے کبھی اقتدار کی ہوس نہیں رہی۔ اور انسان صرف تین چیزوں کے لئے جنگ کرتا ہے۔ عورت، دولت اور حکومت ـــــ تو عورت ہر دور میں مجھے حاصل رہی۔ دولت میرے لئے حقیر شے تھی اور حکومت سے میں خود گھبرا اٹھا تھا کیونکہ میری سرشت ایسی نہیں ہے۔ چنانچہ سکندر کے ساتھ میں نے مختلف ممالک کی فتوحات میں حصہ لیا، لیکن صرف اس کے ہمسفر کی حیثیت سے یا پھر اس نے کبھی کبھی مجھ سے ذہنی مدد لی۔ اس کے علاوہ میں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"خوب۔ بیشک تمہارا کردار یہی رہا ہے۔ لیکن ـــ لیکن کیا تم نے سکندر کے حالاتِ زندگی بھی معلوم کئے؟"

"ہاں۔ اس نوجوان سے مجھے بیحد دلچسپی ہو گئی تھی اور پھر وہ بھی مجھ سے کافی مانوس ہو گیا تھا، چنانچہ خود اس نے اور دوسروں نے مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔"

"بہت عمدہ۔ تو کیا تم اس کے بعد کی داستان سُنانے سے پہلے ہمیں سکندر کی زندگی کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟"

"اگر تمہیں اس سے اتنی دلچسپی ہے تو ضرور۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اس سلسلہ میں اپنے ذہن میں سوالات مرتب کر لو، اور مجھ سے سوالات کرو، میں ان کے جواب دوں گا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" فروزاں نے کہا اور دونوں بہنیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ پروفیسر خاور بھی اس گفتگو میں دلچسپی لے رہا تھا۔ تب فروزاں بولی۔

"سکندر کی ابتدائی زندگی کیسی تھی؟"

"ہوش کی عمر میں آنے کے بعد فیلقوس نے اس کی تربیت ایک خاص انداز میں کی۔ اسے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ مطلب یہ کہ اس کے قریب کے لوگوں سے اسے دُور کر دیا گیا۔ اس کی نگاہوں میں سب سے زیادہ قدر و قیمت "ایلیڈ" یعنی داستان ٹرائے کی تھی۔ وہ ٹرائے کی کہانی کو بڑے ذوق سے پڑھتا تھا اور ایکی لیز، جو یونان قدیم کا معروف ہیرو تھا اور جس نے ٹرائے فتح کیا تھا لیکن خود اسی جنگ میں مارا گیا تھا، سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ وہ ایکی لیز کے خواب دیکھتا اور اس کی معیت میں سمندر عبور کرتا اور سرزمینِ مشرق کے اجنبی ساحلوں پر لنگر انداز ہوتا۔ چرمی کاغذ کی یہ کتاب اس کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتی تھی اور وہ اس میں اپنے اتالیقوں کو شریک نہیں کرتا تھا۔ جو اتالیق اسے یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے، یا خطابت اور منطق کے سبق دیتے تھے، انہیں اس کی ماں اولمپیاس نے منتخب کیا تھا اور ان سب میں

بیرونی ممالک میں مقیم اُردو جاننے والوں کے لئے

خوشخبری

اگر آپ اُردو جانتے ہیں اور دُنیا کے کسی بھی حصّے میں مقیم ہیں تو اُردو رسائل و جرائد سالانہ اور ششماہی خریدار کی حیثیت سے گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔ رسائل پابندیٔ وقت سے بذریعہ ہوائی ڈاک رجسٹرڈ بھیجے جاتے ہیں۔

پاکستانی اخبارات بھی ہفتے میں دو بار بھیجے جاتے ہیں۔ مقامی افراد بیرونی ممالک میں مقیم اپنے کسی عزیز یا دوست کو اُردو رسائل جاری کروانا چاہیں تو ایجنسی سے رابطہ قائم کریں۔ رسالہ آپ کے عزیز یا دوست کو آپ کے نام سے ہر ماہ بھیجا جائے گا۔

تفصیلات کے لئے لکھئے

PAREKH SUBSCRIPTION AGENCY

A-301-BLOCK L
NORTH NAZIMABAD
KARACHI-33
(PAKISTAN)

P.O. Box No. 567 KARACHI-No. 1

AMERICA OFFICE ▶ C/O 11-MOHICAN PLACE ALBANY N.Y. 12208 U.S.A.

ENGLAND OFFICE ▶ 63, BLACK BURN ST. BLACK BURN LANCS BBL 7 NG. U.K

اوّلیت لیونی رس کو حاصل تھی۔ وہ سارے اتالیقوں کا افسر تھا، بڑا سخت گیر انسان تھا اور سکندر کی زندگی کو ایک الگ حیثیت دینے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ ویسے مختلف اتالیقوں نے اوقات بانٹ رکھے تھے اس کے مطابق وہ اسے تربیت دیتے تھے۔ دیوتاؤں میں اسے زیوس اور افروڈائٹ سے خاص عقیدت تھی لیکن اس عقیدت کا سلسلہ بھی ایکی لیز سے جاملتا تھا کیونکہ ایکی لیز نے بھی افروڈائٹ کی نصیحتوں سے روشنی حاصل کی تھی۔ دہکتی ہوئی قربان گاہ میں لوبان کے ڈھیر لگاتے ہوئے اس سے اُٹھنے والے دھوئیں میں وہ اپنے ہیرو کی صورت تلاش کرتا تھا۔

غرض سکندر کی ایک ایک جنبش پر کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔ اس کے لوگ چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ جفاکش اور سخت کوش بن جائے تاکہ بادشاہی کے تخت کے فرائض سنبھال سکے۔ بڑے بڑے سپہ گری کے اُستاد اسے شمشیر زنی اور نیزہ بازی سکھاتے تھے۔ گھوڑوں سے اسے خاص رغبت تھی اور ہمیشہ اپنے بھائیوں یعنی بطلیموس وغیرہ کے مقابلے میں وہ انوکھا ثابت ہوا تھا۔ اور زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اس کی ذہنی برتری اور جسمانی قوّت تسلیم کر لی گئی۔ گویا جس کام کو انجام دینے میں اس کی ماں اولمپیاس نے شدید محنت کی تھی، وہ انجام پا گیا تھا اور پھر ارسطو کی صحبت نے اس کی دانش میں چار چاند لگا دیئے۔

اور پھر فیلقوس نے اسے فوج میں طلب کر لیا۔ یوں سکندر اولمپیاس سے الگ ہو گیا۔ اور اس نے باپ کی سرکردگی میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور یوں وہ ایتھنز تک پہنچ گئے۔ فیلقوس بدستور ان فوجوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مقدونیوں کا یک چشم شہنشاہ بڑی زبردست سیاسی سُوجھ بُوجھ رکھتا تھا۔ کائی رانیا کی جنگ کے بعد فیلقوس نے الیسوکریٹیز سے تعاون کرتے ہوئے ”جمیعتِ متحدہ یونان“ بنائی اور کہا کہ اب میں متحدہ یونانی فوج ساتھ لے کر ایرانیوں سے جنگ کروں گا۔ سمندروں کو ان کے قبضے سے نکالوں گا اور یونانی نوآبادیوں کو آزاد کراؤں گا۔ اور یہی وہ دور تھا جب سکندر نے اہلِ ایتھنز کی ایک روایت کو چکنا چور کر دیا۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ پروفیسر خاور اور لڑکیاں دلچسپی سے اس کی گفتگو سُن رہی تھیں۔

”کون سی روایت؟“ اس کے خاموش ہونے پر فروزاں بولی۔

”یہی کہ قدیم ایتھنز کے شہنشاہ شموکا کو ایک ایسے شخص نے تحمند کرایا تھا، جو آج بھی پتھروں کی اس عمارت میں گہری نیند سو رہا ہے۔“

”اوہ، یہ روایت تم سے منسوب تھی؟“

”ہاں۔ اور اس کے بعد میں سکندر کے پاس ہی آ جاتا ہوں، کیونکہ ملاقات سے قبل کی باتیں بہرحال دوسروں کی زبانی ہیں۔“

”بے شک۔“ پروفیسر خاور نے کہا۔

وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا جیسے سکندر کی کہانی یاد کر رہا ہو۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”سکندر مجھ سے گفتگو کرتا رہا اور ہم ایتھنز کے ذیلی محل میں پہنچ گئے۔ سکندر خود میری ہیئت سے متاثر ہو گیا تھا جبکہ وہ متاثر ہونے والوں میں سے نہ تھا اور اس کا اُستاد ارسطو بھی میرا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔“

ایتھنز کے محلات کی شکل بھی بدل گئی تھی گو ان میں پرانے طرزِ تعمیر کی جھلکیاں بھی ملتی تھیں لیکن جدّت بھی تھی اور یہ جدّت بہرحال حسین تھی۔ شاید یہ ذیلی محل صرف سکندر کے قبضے میں تھا کیونکہ یہاں صرف اسی کا عمل تھا۔ وہ کسی حد تک جلد باز بھی تھا کیونکہ ایک عمدہ نشست کا انتظام ہوتے ہی وہ پھر میرے پاس آ گیا۔ اس کا اتالیق بھی اس کے ساتھ تھا۔

”آپ کا کیا خیال ہے استادِ معظم — اس شخص کے بارے میں؟“

”میں نے کبھی دیوتاؤں کی حیثیت سے انکار نہیں کیا“، ارسطو نے جواب دیا۔

”کیا آپ اسے دیوتا تسلیم کرتے ہیں؟“

”خود یہ شخص، اپنے آپ کو کیا کہتا ہے؟“ ارسطو نے سوال کیا۔

”تمہارا نام میکارا لیا جاتا ہے۔ کیا زمانۂ قدیم میں تم کسی دوسرے نام سے پکارے جاتے تھے؟“ سکندر نے نہایت چالاکی سے پوچھا۔ اس سوال میں بہت سے سوالات چھپے ہوئے تھے۔ سنہرے بالوں والا نوجوان شہزادہ زیرک تھا۔ شاید اس کے اتالیقوں نے اس پر کافی محنت کی تھی۔ اور اسے بات کرنے کے گُر سکھا دیئے تھے۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”خوبصورت نوجوان! تم یونانی ہو — میں کائنات کا انسان ہوں۔ تم کس دَور اور کس نسل کی بات کر رہے ہو؟ ہر نسل اور ہر دَور میں مجھے نئے نام دیئے گئے ہیں۔ ہاں تمہارے یونان میں، مجھے میکارا ہی کے نام سے پکارا گیا۔“ میں نے جواب دیا اور ذہین نوجوان نے اپنے اُستاد کی طرف دیکھا۔ ارسطو میرے انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

”تو کیا تم نے کائنات کی بہت سی تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ کیا تمہارا تعلق دیوتاؤں سے بھی رہا ہے؟ کیا دیوتاؤں سے تمہاری مصاحبت رہی ہے؟“

”میں تمہارے عقیدے کو مجروح نہیں کروں گا لیکن دیوتاؤں سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔“

”خوب۔ تب تو یہ اندازہ لگانے میں کافی دقّت ہوگی استادِ معظم! کہ یہ شخص کیا ہے لیکن ہم اس کی انوکھی شخصیت سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ یہ اگر چاہے تو اہلِ یونان اسے دیوتا تسلیم کرنے میں تامّل نہیں کریں گے لیکن یہ شخص خود کو انسان کہتا ہے۔ گویا اس طرح یہ دیوتاؤں کی نفی کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ انسان بھی دیوتاؤں کی سی خصوصیات رکھتا ہے۔“

”میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔“ ارسطو نے جواب دیا اور استادِ زمانہ نے کبھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ میرا خیال ہے، میرے بارے میں ان کا علم محدود تھا۔ لیکن خود سکندر مجھ سے بہت مانوس ہو گیا۔ وہ اکثر وقت میرے ساتھ گزارنے لگا اور دوست کی حیثیت سے بھی میں

کبھی دوستوں کے لئے بُرا نہیں رہا۔

اس نے مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد مجھے ایتھنز میں اپنے داخلے کی تفصیل بتائی۔ ایتھنز میں دولت کی ریل پیل تھی۔ ٹیکس بھی خوب وصول کئے جاتے تھے۔ محکوم جزیروں سے خراج ملتا تھا اور بحری تجارت بھی خوب عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے سڑکیں اور بازار خوب کشادہ تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں بن گئی تھیں۔ چاروں طرف چاندی کے سکّوں کی جھنکار تھی۔ بندرگاہوں پر جہاز دن رات غلّہ لاتے تھے۔ بازار انسانوں سے بھرے رہتے تھے۔

لیکن الیسوکریٹیز ایتھنز کی حالت سے غیر مطمئن ہی وفات پاچکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یونان کی شہری ریاستیں انحطاط پذیر ہیں لیکن اہلِ ایتھنز اس سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں ایتھنز کی ترقی مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ البتہ اہلِ مقدونیہ سے وہ خوش نہیں تھے۔"

الیسوکریٹیز نے شہری ریاستوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ ایرانی قوت کے سامنے جھک گئی ہیں۔ یونانیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہوں نے ایشیا میں جو نوآبادیاں قائم کی تھیں، وہ بھی ایرانیوں کے زیرِ اقتدار چلی گئی ہیں۔ ایرانی بیڑے سمندروں پر چھائے ہوئے ہیں۔ الیسوکریٹیز کا خیال تھا کہ یونانی ریاستیں اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک متحد ہو کر ایرانیوں کے خلاف جنگ نہ کریں۔

الیسوکریٹیز جانتا تھا کہ فیلقوس زیرک انسان ہے لیکن بہرحال وہ اس کی سرداری قبول کرنے میں بھی تامل کرتا تھا لیکن کائی رانیا کی شکست کے بعد الیسوکریٹیز نے خودکشی کرلی اور فیلقوس نے متحدہ جمعیتِ یونان بنانے کے بعد ایک بڑے حلقے کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ اس نے اعلان کیا کہ بہت جلد وہ درّہ دانیال کی طرف پیش قدمی کرے گا۔

غرض سکندر میرا گہرا دوست بن گیا۔ میری ملاقات ابھی تک فیلقوس سے نہیں ہوئی تھی۔ تاہم میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا۔ سکندر نے ماں اور باپ کے تعلقات کا ذکر کرنا شاید مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن وہ کبیدہ خاطر رہتا اور اکثر فیلقوس کی زیادتیوں کا تذکرہ کرتا رہتا۔

"اس کے حواس پر شراب اور عورت سوار ہے۔" وہ اکثر کہتا۔ بہرحال میں خود بھی اس کے نجی معاملات سے دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ میں تو ایتھنز کا جائزہ لے رہا تھا۔ زبردست سیاسی کشمکش تھی، بے پناہ سازشیں تھیں۔ یہ ایتھنز شمو کے ایتھنز سے یکسر مختلف تھا۔ تب ایک رات سکندر عجیب سی شکل لئے میرے پاس آیا۔

"میکارا۔ تمہارا تعلق نہ ایتھنز سے ہے اور نہ ہی تم فیلقوس سے دلچسپی رکھتے ہو۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟"

"کیوں نہیں میرے دوست!" میں نے جواب دیا۔

عذاب

ایک روز شیطان سے کسی نے پُوچھا۔ "تم انسانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈالتے رہتے ہو۔ اب تک تم نے سب سے بُری بلا کس پر ڈالی ہے؟"

جواب ملا۔

"ایک عورت پر۔ میں نے اسے سو جوڑے لباس، سو جوڑے جوتے اور میک اپ کی بے شمار اشیاء دے کر ایسے گھر میں بھیج دیا جہاں آئینہ نہیں تھا۔ یہ محرومی اس کے لیے عذاب دوزخ سے زیادہ وحشتناک تھی۔"

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

"اور مجھے تمہاری یہ بات بہت پسند ہے کہ تم تفصیلات میں جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور ہر اُس کام کے لئے پُورے سکون سے تیار ہو جاتے ہو جو تم کرنا چاہتے ہو یا جسے کرنا پسند کرتے ہو۔"

"ہمیں کب چلنا ہے؟"

"آج۔ ابھی۔ اسی وقت۔" سکندر نے جواب دیا۔ اس کے چہرے پر انوکھی تمتماہٹ تھی۔ میں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ تب سکندر مجھے لیکر بہت سے راستوں سے گزرتا ہوا اولمپیاس کے پاس پہنچا۔ حسین عورت اس وقت چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے پہلی بار اولمپیاس کو دیکھا اور سوچا کہ نوخیزی کی عمر میں وہ بے پناہ حسین ہو گی۔ اب بھی اس کا حسن بے مثال تھا۔

"ہمیں ابھی اور اسی وقت چلنا ہے اگر تم تیاریوں کی اجازت دو؟"

"کہاں چلنا ہے؟" اولمپیاس نے پوچھا۔

"اپنے پرانے خاندانی مکان میں۔"

"میں تیار ہوں۔ مگر تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟"

"میرا قابلِ اعتماد دوست۔" سکندر نے جواب دیا اور اولمپیاس گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر سکندر مجھے اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر چلا گیا اور تھوڑی دیر میں اس نے روانگی کی تیاریاں کرلیں۔ تب ہم چل پڑے۔ میں پورے شباب پر تھا۔ طویل نیند کے بعد میرے اندر نئی زندگی پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ میں زندگی سے بھرپور تھا۔ طویل عمر پڑی تھی اس لئے یہ سوچنا بیکار تھا کہ سکندر کے ساتھ گزرنے والا وقت بے مقصد ہے۔ بہرحال حالات خاصے دلچسپ تھے۔

راستے میں سکندر نے خود ہی بتایا۔ "میرا اپنے باپ سے اختلاف ہو گیا ہے۔"

"اوہ، کیوں؟"

"طویل داستان ہے۔" اس نے جواب دیا ــــ اور یہ حقیقت ہے

پروفیسر! کہ سکندر کی نجی زندگی کی یہ داستان بیحد طویل ہے۔ جو اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ تاہم میں ضروری باتوں پر روشنی ڈال دوں گا۔ الغرض یہ کہ سکندر نے اپنی ماں کو پرانے مکان میں پہنچا دیا لیکن طویل عرصہ نہیں گزرا تھا کہ فیلقوس کے خطوط نے اسے ایک بار پھر فیلقوس کے پاس جانے پر آمادہ کر لیا۔ کیونکہ ان میں اس کی ماں کی رضا بھی شامل تھی۔

لیکن فیلقوس کی اچانک موت بھی بڑی حیرت انگیز تھی۔ اسے قتل کر دیا گیا۔ بہت سے لوگ مشتبہ تھے۔ بہرحال سکندر کو مقدونیہ کا شہنشاہ قرار دے دیا گیا۔ سکندر کا ابتدائی دور ابتلا کا دور تھا۔ بہت سے معرکے سر کرنے پڑے تھے اسے۔ اور اس وقت اس کی عمر صرف بیس ۲۰ سال تھی جب اس نے اپنے باپ کے مشن کو پوری طرح سنبھال لیا۔ اس کے ذہن میں ایشیا کا سودا تھا۔ اور پھر خوفناک اور طویل سازشوں سے نمٹ کر بہرحال اس نے درۂ دانیال کا رُخ کیا۔ اس کے لئے اس نے زبردست تیاریاں کی تھیں۔

میں اس طویل دور میں خاموش تماشائی رہا۔ درحقیقت یہ سب کچھ میرے لئے دلچسپ تھا۔ لیکن میں عملی طور پر کسی معاملے میں حصہ لے کر اپنی معلومات میں رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں صرف نظر باز تھا۔ اور میں نے آج تک اپنی صلاحیتوں کو سکندر سے پوشیدہ رکھا تھا کہ وہ مجھ سے بڑی بڑی توقعات نہ قائم کر لے۔

یونانی فوجوں نے سمندر کو بڑے اطمینان سے عبور کر لیا۔ موسم بے حد خوش گوار تھا۔ مطلع صاف ہونے کی وجہ سے ایشیائی ساحل کی سُرخ زمین صاف نظر آ رہی تھی۔ ٹرائے کی پہاڑی سامنے نظر آ رہی تھی۔ دشمن کے کسی بیڑے سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ یوں سکندر یورپی ساحل سے ایشیائی ساحل پر اُتر گیا۔ اس نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا، سر پر خود تھا جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ پہلی ایشیائی زمین پر انہوں نے سنگِ مرمر کے پتھر حاصل کر کے سب سے بڑے دیوتا زیوس کی قربان گاہ بنائی۔ ایک قربان گاہ ایتھنا کی بھی بنائی گئی تھی۔ اس پر سونے کے پیالے سے شراب لنڈھائی گئی۔ اور پھر ٹرائے کے کھنڈرات سے اسے اس کے ہیرو ایکی لیز کی کچھ یادگاریں ملیں۔

اہلِ مقدونیہ کو ٹرائے کے کھنڈرات دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ سکندر نے باشندوں کو حکم دیا کہ ٹرائے کی فصیل دوبارہ تعمیر کر دیں اور پھر اس نے آگے قدم بڑھائے۔

زیادہ سفر نہیں کیا گیا تھا کہ پادنیوُ کے جاسوس اطلاع لائے کہ مشرق کی جانب سے بھاری ایشیائی فوج کوچ کرتی چلی آ رہی ہے لیکن پادنیوُ کو کوئی تشویش نہ ہوئی اور یونانی فوجیں گرینی کس کی طرف بڑھتی رہیں۔ یہاں انہیں پہلا ایشیائی رسالہ نظر آیا۔ دریا کے کنارے پر پہنچ کر پادنیوُ اور سکندر مقابل کے سواروں اور پیادوں کا اندازہ کرنے لگے۔ ان کے گھوڑے نہایت اچھے اور ترتیب سے تھے۔ سواروں کے لباس ڈھیلے ڈھالے تھے اور ان کی ٹوپیاں رنگین تھیں۔ دریا کے دوسری جانب وہ یونانی فوج کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ بہرحال سکندر سے نہ برداشت ہو سکا اور اس نے گھوڑے پانی میں اُتار دیئے۔ گو اسے اس جلد بازی کی کافی قیمت ادا کرنی پڑی لیکن بہرحال وہ ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہنسی اُڑانے والے یونانی تنخواہ دار ہی تھے جو ایرانیوں کی طرف سے لڑے۔ سکندر کو تجربات ہو رہے تھے۔

بہرحال میری کہانی کا موضوع سکندر نہیں ہے پروفیسر۔ میں تو تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس عظیم فاتح کے ساتھ میں نے ایشیا کے ان علاقوں کا رُخ کیا جہاں میں کسی دور میں نہیں پہنچا تھا۔ رہی سکندر کی بات! تو وہ اپنے دور کا انوکھا انسان تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی شخصیت دو حصوں میں تقسیم ہے۔ کبھی وہ انتہائی زیرک اور دُور رس ذہن کا مالک نظر آتا۔ جنگوں میں ایسی حکمتِ عملی سے کام لیتا کہ عقل دنگ رہ جاتی اور کبھی ایسے بچگانہ انداز میں سوچتا کہ ہنسی آنے لگتی ـــــ لیکن تم میرے کردار پر غور کرو۔ میں کس قدر بدل گیا تھا۔ یقین کرو پروفیسر! سکندر کی فتوحات میں، میں نے کسی ایک انسان کو زخمی تک نہیں کیا۔ اس کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ میں تو صرف دیکھنے والا تھا سو دیکھتا رہتا تھا۔ نہ ہی سکندر کو کبھی اس بات کی خواہش ہوئی کہ میں جنگ میں حصہ لوں۔ میری حیثیت ان لوگوں کے درمیان ایک سونے کے بُت کی سی تھی، جسے وہ چاہ تو سکتے تھے لیکن اس سے کوئی توقع نہیں رکھتے تھے۔

عورت کے معاملے میں سکندر راہبانہ فطرت رکھتا تھا۔ ایران کی حسین ترین عورتیں اس کے سامنے لائی گئیں لیکن اس نے توجہ نہیں دی۔ نہ ہی کبھی اس نے عورت کی گفتگو کی۔ اور اس کی یہ عادت بہرحال مجھے پسند نہیں تھی۔ دانیال سے اسوئس پھر صور اور پھر وہاں سے آگے ـــــ سکندر اپنی فتح و عظمت کے جھنڈے گاڑتا آگے بڑھتا رہا۔ دارا کو اس نے بدترین شکست دی اور اسے فرار پر مجبور کر دیا۔ بالآخر دارا بھی قتل کر دیا گیا۔ سکندر کے مزاج میں اب کافی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ کسی حد تک مغرور اور تعیش پسند ہو گیا تھا۔ اس نے بے شمار شہر آباد کئے تھے۔ بلندیوں کا چکر کاٹ کر اس نے جنوب کا رُخ کیا اور ایک وادی کے کنارے سب سے پہلا مشرقی شہر اسکندریہ بنایا۔ یہاں ایک پرانا شہر ہرائی کے نام سے موجود تھا جہاں مجوسی اور تاجر آباد تھے۔ پھر وہ ہلمند جھیل پہنچا جہاں اسے ایک تجارتی شاہراہ ملی جو دریائے سندھ سے پرسی پولس کو جاتی تھی۔ سکندر جگہ جگہ نوآبادیاں قائم کرتا آگے بڑھتا رہا۔ بلوچستان کی شمالی سرحد سے چل کر افغانستان کے بیچ سے گزرتا ہوا شوائید راس کی جمہوریہ ترکمان اور جمہوریہ اوزبک سے گزرا۔ اور پھر بلند پہاڑوں سے درۂ خیبر کی طرف چل پڑا تاکہ وہاں سے وادیٔ سندھ کا رُخ کر سکے۔

میں ان نئی زمینوں سے پوری طرح دلچسپی لے رہا تھا۔ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ بڑی بڑی انوکھی باتیں دیکھنے میں آتی تھیں۔ سکندر کی فوجی قوت بے پناہ تھی۔ ان میں صرف مقدونی ہی نہیں تھے بلکہ ایک طرح سے یہ بین الاقوامی فوج بن گئی تھی۔ بہت سے ملکوں کے تنخواہ دار سپاہی اس فوج

میں شامل تھے، جنہیں اتنا ملتا تھا کہ وہ خوش رہتے تھے۔ دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل بندھ گیا تھا اور سکندر کی فوجیں پل پار کر رہی تھیں۔ تب شمالی ہند کے راجا کی طرف سے اسے عظیم الشان تحائف بھیجے گئے۔ راجا امبھی نے سکندر کی شان میں بہت سے القاب بھیجے تھے جن سے سکندر خوش ہو گیا۔ امبھی نے یونانیوں کا زبردست خیر مقدم کیا۔ تحفے دیئے اور اپنے ملک کے سارے وسائل ان کی نظر کر دیئے۔ لیکن سکندر دوست نواز بھی تھا۔ اس نے راجا کو بے پناہ سونا دیا اور اس کا ملک بھی اسے ہی دے دیا۔ سکندر ہندوستانیوں سے بیحد خوش تھا۔ پھر وہ ٹیکشلا پہنچا اور وہاں چند روز قیام کا اعلان کر دیا۔ عمارتیں بنانے کا شوق اسے جنون کی حد تک تھا۔ ٹیکشلا میں بھی اس نے تعمیر کرنے والے مزدور تلاش کئے — اور اپنے ماہر تعمیرات کے ساتھ انہیں مصروف کر دیا — وہ یہاں بھی اپنی یادگاریں چھوڑنا چاہتا تھا۔ یونانی سپاہی حسب معمول خیمہ زنی کے بعد کھیلوں میں مصروف ہو گئے۔ شمشیر زنی، نیزہ بازی، گھوڑ سواری اور بہت سے دوسرے فنون کا مظاہرہ ہونے لگا۔ راجا امبھی بھی سکندر کے ساتھ تھا اور میں تو تھا ہی سکندر کے دوستوں میں۔ سو اس شام امبھی کے مہاوت سیاہ درندوں کے کرتب دکھا رہے تھے جنہیں ان لوگوں نے ہاتھی کا نام دیا تھا۔ یہ دیو پیکر پہاڑیاں جن کی تحریک مشکل ہی نظر آتی تھی، بڑی دلچسپ تھیں۔ پیروں میں جھانجھ لے کر رقص کرتے ہوئے ہاتھی سکندر کو بہت پسند آئے۔ کافی دیر تک وہ ہاتھیوں کے کرتب دیکھتا رہا۔ پھر اس نے راجا امبھی سے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہم لوگ آریا کہلاتے ہیں — شمال کے میدانوں سے قبیلوں کی شکل میں آئے تھے۔ ہماری ذات بہت بلند ہے۔"

"تمہارے عقائد کیا ہیں؟" سکندر نے پوچھا۔

"ہم آگ کی پوجا کرتے ہیں اور اندر دیوتا کے آگے جھکتے ہیں۔" ہندو راجہ نے جواب دیا۔

"کیا تمہارے ہاں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں؟"

"نہیں — ہم صرف ایک بیوی رکھتے ہیں اور پورا جیون اس کے ساتھ بتا دیتے ہیں۔ اگر پرش مر جائے تو استری کو بھی اس کی چتا میں بھسم ہونا پڑتا ہے۔"

"زندہ؟" سکندر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن — کیا — عورتیں اس کے لئے تیار ہو جاتی ہیں؟"

"یہ سدا کا قانون ہے — ہر استری کا جیون اسی سمے تک ہوتا ہے جب تک کہ اس کا پتی زندہ ہو — جیون بھر پتی کے ساتھ عیش اڑانے کے بعد اس کا مرن استری کے لئے بھی جیون کا آخری سمے ہوتا ہے — ہمارے دیش کی عورتیں پتی کے بنا جیون گزارنے کا کوئی خیال بھی نہیں لاتیں اور خوشی خوشی چتا میں کود کر جیون تیاگ دیتی ہیں۔"

"کیا پورے ہندوستان میں ایسا ہی ہوتا ہے؟"

"ہاں — ستی کی رسم پورے ہندوستان میں ہے۔"

"تمہارے ہاں سب سے جنگجو قبیلہ کون ہے؟"

"ہم چھتری کہلاتے ہیں مہاراج — اور ہمارے پجاری برہمن ہوتے ہیں — مقامی باشندے نیچی ذات میں آتے ہیں۔"

سکندر راجا امبھی سے بہت سی باتیں کرتا رہا — اس نے دوسرے مقامی راجاؤں کے بارے میں پوچھا۔

"ہمارا سب سے بڑا دشمن پورو راجا پورس ہے۔"

"یہ کون ہے؟" سکندر نے پوچھا۔

"جہلم پار کا راجہ — جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے۔"

"اوہ، اس کا مقصد ہے ہمیں اس کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑے گا۔" سکندر نے کہا۔

"وہ بڑا گھمنڈی ہے — وہ تمہاری طاقت کو تسلیم نہ کرے گا۔"

"میں اس کا گھمنڈ توڑ دوں گا راجہ امبھی — اور مجھے یقین ہے کہ پورس کی فوجیں یونانی سیلاب کی تاب نہ لا سکیں گی۔ بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ ہمیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہو گا۔"

"اچھا —" راجا امبھی نے خوش ہو کر سر ہلا دیا تھا۔

سکندر چند روز وہاں رکا اور پھر اس نے جہلم کی طرف کوچ کر دیا۔ سچ بات یہ ہے پروفیسر! کہ یہ زمین مجھے کافی دلکش محسوس ہوئی تھی — ٹیکشلا میں نظر آنے والے ہندوستانی عجیب سے حلیوں، عجیب سے لباس میں تھے۔ میں نے وہاں مندر بھی دیکھے جن سے ناقوس کی آوازیں بھی بلند ہوتی تھیں۔ ہندو عورتیں رنگین لباسوں میں ملبوس بے حد حسین نظر آتی تھیں۔ سکندر کے ساتھ اس کا طویل مہمات میں حصہ لیتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا۔ بے شک سکندر کی جنگجویانہ مہارت، اس کی چالیں مجھے بیحد پسند تھیں۔ اس کی جنگوں کا انداز بے مثال تھا۔ ایسی ایسی غیر انسانی باتیں سوچتا تھا کہ عقل حیران رہ جائے — بے پناہ خزانوں اور بے پناہ خوبیوں کا مالک تھا۔ اس دوران اس کے اندر جو تبدیلیاں ہوئی تھیں، ان سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا ذہن معتدل نہیں ہے اور میں نے اپنے آپ سے پیشین گوئی کر دی تھی کہ سکندر کی طویل مہمات کا سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکے گا۔ لوٹ مار کے شائقین نے بے پناہ دولت حاصل کر لی تھی اور اب وہ اپنوں میں جانے کے لئے بے چین تھے۔ سکندر کی سخت گیری مانع تھی ورنہ شاید وہ اس کا اظہار بھی کر چکے ہوتے۔ بالآخر وہ جہلم کے کنارے جا پہنچا۔ جہلم کے دوسرے کنارے پر پورو آباد تھے۔ سکندر نے ہندو ریاست کا جائزہ لیا۔ اسے امید نہ تھی کہ اس کی شہرت کے باوجود ہندوستان کی کوئی فوج میدان جنگ میں اترنے کی جرأت کرے گی لیکن پورو خاندان کا راجہ پورس جس کی حکومت جہلم کے اس پار تھی — مقابلے کے لئے کھڑا ہو گیا — یہاں سکندر نے پہلی بار ہاتھیوں کا لشکر دیکھا جو کسی سیاہ دیوار کی مانند فوجوں کے سامنے کھڑا تھا۔ تب پہلی بار اس نے ہاتھیوں کی اس افادیت کے بارے میں سوچا گویا یہ جانور فوجوں کے کام بھی آ سکتا ہے۔ قوی ہیکل

ہاتھی دیوار بنے کھڑے تھے اور دریائے جہلم کا پانی روزانہ بڑھتا جارہا تھا۔ تب سکندر نے خاص سنجیدگی سے اس مصیبت کے بارے میں سوچا اور ایک شام اس نے مجھ سے مشورہ بھی کیا۔

"بے شک میکارا۔ تو جنگ وجدل کی دنیا کا انسان نہیں ہے لیکن تُو نے اب تک میرے ساتھ بے شمار جنگیں دیکھیں۔ سیاہ جانوروں کا یہ غول اور دریا کا بڑھتا ہوا پانی کیا ہمارا دشمن نہیں ہے؟ ہمارے گھوڑے دریا پار نہیں کرسکتے۔ اور اگر دریا پار کر بھی جائیں تو سیاہ جانوروں کے سامنے ان کی کیا قیمت ہے؟"

اس کے چہرے پر غور وفکر تھا۔ تب اس کے مشیروں نے اسے طرح طرح کے مشورے دیئے اور میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔

سکندر نے مناسب سمجھا کہ پورس کو حیران کرنے کے لئے ہر سمت نقل وحرکت شروع کردے اور کچھ پتہ نہ چلنے دے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کردیا۔ اور مختلف افسروں کے ماتحت دے کر حکم دیا کہ دشمن کے علاقے کو لوٹتے رہو۔ اور معلوم کرو کہ دریا کہاں کہاں سے قابلِ عبور ہے۔

غرض اس تدبیر سے پورس دھوکا کھا گیا۔ اس نے سوچا کہ سکندر دریا اُترنے کا انتظار کررہا ہے۔ پورس کو آرام کا موقع نہ ملا۔ وہ دیکھتا تھا کہ کشتیاں دریا میں پھر رہی ہیں اور مشکیزے تیار کرکے دریا سے گزرنے کے انتظامات کئے جارہے ہیں۔ جب وہ اپنی فوج کو دفاع کے لئے ایک جگہ جمع کرتا۔ تو دوسری جانب سرگرمیاں جاری ہوجاتیں۔ خصوصاً رات کے وقت متعدد نوجی جن جن مقامات پر جنگی نعرے لگاتے، پورس کو ہاتھی لے کر اس طرف متوجہ ہونا پڑتا۔ اس طرح سکندر اسے کافی پریشان کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور راجہ پورس دن رات کی پریشانی سے تنگ آکر بالآخر تھم گیا۔ اور سکندر اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس نے کریٹرس کو فوج کے بڑے حصے کی کمان سپرد کی۔ اور اس کو کیمپ میں چھوڑ دیا۔ اُس نے کہا۔

"بے پناہ شور کیا جائے۔ اور اگر کسی وقت پورس ہاتھی لے کر میرے مقابلے پر چلے تو تیزی سے دریا عبور کرلینا۔ اس لئے کہ ہاتھیوں کے سوا سواروں کو روکنے والی اور کوئی چیز نہیں۔" اور پھر اسی رات سکندر نے وہ دریا عبور کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے مختلف لشکروں سے مختلف دستے چُن لئے اور انہیں تجربہ کار جرنیلوں کی کمان میں دے کر دریا کی بالائی سمت چل پڑا۔ تقریباً اٹھارہ میل دُور پہنچ کر وہ رُک گیا۔ یہاں خشکی کا ایک حصہ اندر کی طرف بڑھا ہوا تھا جس پر مختلف قسم کے درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ کشتیاں اور مشکیزے یہاں پہلے ہی چھپا دیئے گئے تھے۔ سامنے ہی ایک چھوٹا سا جزیرہ نظر آرہا تھا لیکن اس پر آبادی کے نشانات نہ تھے۔

بارش تیز ہورہی تھی، بجلی کڑک رہی تھی۔ چنانچہ ہر قسم کی آوازیں بادلوں کی گرج میں پوشیدہ ہوگئی تھیں۔ یوں سکندر کی قسمت نے اس کا ساتھ دیا۔ اور طلوعِ آفتاب سے قبل کشتیاں دریا میں ڈال دی گئیں۔ گھوڑوں کو ان تختوں پر سوار کیا گیا جن کے نیچے مشکیزے بندھے ہوئے تھے۔ پیادہ فوج کشتیوں میں سوار ہوکر جزیرے کا چکر کاٹتی ہوئی آگے بڑھی اور وہ خاموشی سے دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔ جو سوار پہلے پہنچ گئے تھے انہیں حکم ملا کہ پیادہ فوج کا انتظام کریں۔ لیکن روشنی میں سکندر پر انکشاف ہوا کہ وہ دریا پار نہیں پہنچے بلکہ ایک اور جزیرے پر اُتر گئے ہیں۔ جزیرہ بہت بڑا تھا۔ اور اس کے اور کنارے کے درمیان تیز دھارا رواں تھا۔ دُور تک کیچڑ پھیلی ہوئی تھی۔

سکندر کو ہلکی سی پریشانی اٹھانا پڑی۔ اس نے دھارے کے بیچ سے گزرنے کا حکم دے دیا لیکن دوسری طرف کی زمین کیچڑ کا سمندر معلوم دیتی تھی اور سکندر کا وہ منصوبہ درہم برہم ہوگیا جو بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا تھا۔ وہ ابھی کیچڑ سے نکل بھی نہ سکے تھے کہ دشمن نے انہیں دیکھ لیا اور جس تیزی سے دشمن کی فوج سامنے آئی اس کا سکندر نے خلوصِ دل سے اعتراف کیا۔

سکندر نے تیر اندازوں کو آگے بھیجا۔ ان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کے ساتھ رتھ بھی تھے اور سوار بھی۔ سکندر رسالہ لے کر آگے بڑھا۔ لیکن دشمن بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ وہ بڑی بے جگری سے سیلِ بے پناہ کے آگے جم گئے اور ایک ایک فرد اسی جگہ لڑتے لڑتے فنا ہوگیا۔ سکندر کو معلوم نہ تھا کہ سکندر کی فوج کیا کررہی ہے۔ اس کی پیشقدمی رُک گئی تھی۔ بہرحال دشمن کے آخری سپاہی کو ختم کرکے وہ جنوب کی طرف بڑھا۔ اور پیادوں کو تیزی سے آنے کے لئے کہا۔ ریتلی زمین پر پورس کی بڑی فوج کھڑی ہوئی تھی۔ تقریباً دو سو ہاتھی فوج کے آگے تھے۔ ہر ہاتھی کے درمیان ایک ایک سو فٹ کا فاصلہ تھا۔ اور ہر خلا میں تیر انداز کھڑے تھے۔ جن کی کمانیں ایسی زبردست تھیں کہ تیر چلاتے وقت ان کے گوشے زمیں پر رکھنا پڑتے تھے۔ نیزہ بردار اور شمشیر زن تیر اندازوں کی مدد کو کھڑے تھے۔

اس زبردست صف بندی کو دیکھ کر سکندر رُک گیا۔ اب اسے کریٹرس کا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر بعد پیادہ فوج پہنچ گئی اور سکندر نے ان کی صف بندی کردی۔ اور پھر اپنی فوجِ خاص کے ساتھ پیچھے ہٹا۔ یہ اس کی چال تھی دشمن کے رسالہ نے اس کا تعاقب کیا اور فوج کے دوسرے ٹکڑے اس رسالہ کے عقب میں پہنچ گئے۔ اس طرح ہندوستانی رسالہ کو دونوں طرف سے نرغے میں لے لیا گیا۔ اور جنگ شروع ہوگئی۔

سکندر کی چال بجد کامیاب تھی۔ اس نے آسانی سے اس رسالہ کو ختم کردیا۔ اور اب اس کی وحشی فطرت عود کر آئی تھی۔ تیر اندازوں نے ہاتھیوں پر تیروں کی بارش کردی اور سکندر اس سیاہ دیوار سے بے پرواہ ہوکر دشمن کی صفوں میں گھس گیا۔ دوسری طرف سکندر کے پیادوں نے ہاتھیوں کو نہ جانے کس طرح زخمی کیا کہ ہاتھی پلٹ گئے۔ اور اب خود پورس کی فوجوں کو جان کے لالے پڑگئے۔ ہاتھی انہیں کچلتے ہوئے پیچھے بھاگ رہے تھے اور عقب سے سکندر کی خوفناک فوجیں دشمن پر ضربیں لگارہی تھیں۔ یوں پوروا کے پورس کو خوفناک شکست اٹھانی پڑی لیکن جس بہادری سے انہوں نے مقابلہ کیا تھا۔ وہ نہ صرف میرے بلکہ سکندر کے دل پر بھی نقش ہوگیا تھا۔

میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے والوں میں راجا پورس سب سے آخری شخص تھا۔ وہ جنگی ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی اور سوار بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ ہاتھی پیچھے ہٹ رہا تھا۔ تب راجا ابھی نے جو سکندر کے ساتھ تھا، سکندر سے کہا۔ "وہ پورس میدانِ جنگ سے بھاگ رہا ہے۔"

"اسے لاؤ۔ اس سے کہو وہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔"

ابھی کے فوجی گئے تو پورس ان سے جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے ہاتھی سے نیچے اُترنے سے انکار کر دیا۔ ابھی کے فوجیوں نے اسے گھیر لیا اور سکندر کو اس کے بارے میں اطلاع دی۔ تب سکندر نے اپنے خاص افسر کو پیغام دیکر بھیجا۔ اس وقت پورس ہاتھی سے اُترنے پر راضی ہوا اور اپنی جگہ کھڑے ہو کر سکندر کا انتظار کرنے لگا۔

"کیا خوب شخص ہے! انوکھی شان رکھتا ہے۔ آؤ میکارا! اس کے پاس چلیں۔" سکندر نے آہستہ سے کہا اور ہم گھوڑے آگے بڑھا کر اس کے قریب پہنچ گئے۔

سکندر کم ظرف نہیں تھا۔ وہ گھوڑے سے اُتر گیا۔ میں نے بھی اس شاندار جسامت کے راجا کو دیکھا۔ اس کے چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ کشادہ پیشانی کی چمک اور آنکھوں کی ذکاوت سے اس کی شخصیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ سکندر بھی غور و دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کس قسم کے سلوک کے طلبگار ہو؟"

"جیسا سلوک بادشاہ، بادشاہوں سے کرتے ہیں۔" پورس نے اعتماد سے جواب دیا لیکن سکندر اس جواب سے بیحد خوش اور متاثر ہوا۔

"بالکل بجا۔ اس کے علاوہ؟"

"اس میں سب کچھ شامل ہے۔" پورس نے اسی انداز میں جواب دیا اور سکندر نے گردن ہلا دی اور میں اس شخص کے ظرف سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے رعایا کو کامل معافی دے دی۔ پھر کچھ عرصہ وہاں رُک کر اس نے دو شہروں کی تعمیر کا حکم دیا اور پھر وہاں سے آگے بڑھنے کا ارادہ کر لیا۔

لیکن مجھے یہ علاقہ — یہاں کے لوگ اس قدر پسند آئے تھے کہ میں نے یہاں، سکندر سے جُدا ہونے کا فیصلہ کر لیا اور جب اس کی آگے بڑھنے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو میں نے ایک شام اس سے کہا۔

"اب تمھارا کیا ارادہ ہے سکندر؟"

"میں آگے جاؤں گا، نقشوں کے مطابق آگے غیر معروف زمینیں ہیں۔ ہمالیہ کی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہوا میں دریائے گنگا تک جاؤں گا۔ سُنا ہے یہ دریائے سندھ اور نیل سے بھی بڑا ہے۔ اس سے آگے مشرقی سمندر ہیں، وہاں رُک کر ہم ایک بیڑہ بنائیں گے اور ہندوستان کے اوپر سے گزر کر مصر جائیں گے پھر لیبیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہرقل کے ستونوں تک پہنچ جائیں گے۔"

"میں نے ایک بات محسوس کی ہے سکندر!"

"کیا؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تمھاری فوجوں میں کسی قدر بددلی پھیل گئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ اب وطن واپس جانا چاہتی ہیں۔"

"تمھارا اندازہ درست ہے میکارا! لیکن میں زیرک لوگوں کو سمجھاؤں گا، ہم نے جو فتوحات حاصل کی ہیں، وہ ہر لحاظ سے منفعت بخش رہی ہیں۔ ہر شخص کو اتنا ملا ہے کہ وہ خوشحال ہو گیا ہے۔ صرف تھوڑا عرصہ اور انھیں مشقت کرنا ہو گی اور اس کے بعد جب ہم وطن لوٹیں گے تو ہماری حیثیت قابلِ تعریف ہو گی۔"

"بیشک۔ تمھارے لوگ تم سے تعاون کرتے ہیں، تمھاری بات مانتے ہیں۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میں نے تم جیسے زیرک اور ذہین انسان کے ساتھ ایک اچھا وقت گزارا لیکن اب میں تم سے اجازت چاہوں گا میرے دوست۔"

"تم — میکارا — تم؟"

"ہاں۔ میں اب تم سے جُدا ہو رہا ہوں سکندر۔"

"لیکن وہاں تمھارا کون ہے میکارا! تم وطن جا کر کیا کرو گے؟"

"وطن؟ کون سے وطن؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تم یونان واپس نہیں جاؤ گے؟"

"یونان میرا وطن نہیں ہے۔ تم جانتے ہو میں یونانی نہیں ہوں۔"

"اوہ! پھر تم کہاں جاؤ گے؟"

"کسی بھی غیر متعین جگہ۔ میں تو دنیا گرد ہوں سکندر! دنیا کا کوئی حصہ میرا وطن نہیں ہے۔ جہاں نکل جاؤں، وہی جگہ میری ہے۔"

"میں نے —" سکندر نے گہری سانس لیکر کہا۔ "میں نے دنیا کے بے شمار علوم حاصل کیے، میں نے بے شمار لوگوں کو دیکھا لیکن تم میرے لیے بدستور ایک بند کتاب رہے میکارا — اور میں نے ازراہ احترام بھی تمھیں کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا میں ساری زندگی تم سے اجنبی رہوں گا؟"

"حقیقت پوچھو — تو میں خود بھی اپنے آپ سے اجنبی ہوں سکندر! میری تاریخ تمھارے لیے ناقابلِ قبول ہو گی، تاہم مختصراً سنو۔ تم نے جس قدر فتوحات حاصل کی ہیں، تم نے جتنی جنگیں لڑی ہیں، زمانۂ قدیم میں، میں نے اس سے ہزار گنا زیادہ جنگیں لڑی ہیں۔ میں نے اتنے لوگوں کو قتل کیا ہے، جتنا تمھاری ساری فوجیں مل کر آج تک نہ کر سکی ہوں گی۔ ہاں سکندر! میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی تمام فوجوں کے درمیان مجھے چھوڑ دو تو بالآخر میں تمھارے آخری سپاہی کو بھی قتل کر دوں گا، گو اس قتلِ عام میں مجھے طویل عرصہ صرف کرنا پڑے گا۔ تمھاری کوئی کوشش مجھے موت نہیں دے سکتی۔ یہ صرف یاوہ گوئی نہیں ہے ایک حقیقت ہے، جس کا تجربہ تم نہ کرو تو بہتر ہے لیکن یقین نہ آئے تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ آگ، پانی، بلندی، پتھر، ساری چیزیں میرے بدن پر بے اثر ہیں لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ میں خود کے لیے کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ ہاں اگر تمھارے حکما میرے بارے میں کچھ بتا سکیں تو....."

سکندر بڑے غور سے میری گفتگو سُن رہا تھا۔ اس کی نگاہیں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں اور ان میں عجیب سی کیفیت تھی۔

"مجھے حیرت ہے میکارا! لیکن پھر تو نے یہ رہبانیت کیوں اختیار کر لی۔ تو نے ہمارے ساتھ کسی جنگ میں حصہ کیوں نہ لیا؟"

"میں انسان کش نہیں ہوں، نہ ہی مجھے دولت کی طمع ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں میرے لیے بے مقصد ہیں۔ میں تو صرف جہاں گرد ہوں۔ صدیوں سے میں کائنات کے بدلتے رنگ دیکھ رہا ہوں اور ان کی کیفیات رقم کر رہا ہوں۔ یہی میرا شوق ہے اور یہی میری ضرورت۔"

"تو نے اپنے بارے میں ایسی حیرت انگیز باتیں بتائی ہیں میکارا کہ میں حیران رہ گیا ہوں لیکن تو صادق ہے۔ میں وہ نہیں جانتا جو تو نے کہا، نہ ہی کتابوں میں تیرا علم ملتا ہے سو وہی سچ ہے جو تو کہتا ہے لیکن میں تیری یہ بات نہیں مانوں گا کہ تو ہم سے دور ہو جائے۔"

"سکندر میرے دوست! میں نے کہا ناکہ میں دنیا گرد ہوں۔ میں نے تیرے ساتھ طویل عرصہ گزارا ہے۔ میں نے تیرا علم و دانش دیکھا ہے اور میری پیش گوئی ہے کہ اگر مورخوں نے اس دور کی تاریخ لکھی تو وہ تیری فراست کا بار بار اعتراف کریں گے لیکن میری درخواست ہے کہ مجھے اجازت دے میں اس نئی دنیا کے اندرونی علاقوں کو قریب سے دیکھوں گا تاکہ میری کتاب میں اس کے بارے میں بھی مکمل تفصیلات ہوں۔ تو علم دوست ہے اور مجھے یقین ہے کہ تیری دوستی میری پوری زندگی کے معاملات میں حائل نہ ہوگی۔"

یوں پروفیسر سکندر نے کافی کوشش کی لیکن جب میرے دل پر ٹھن جائے تو اسے ٹالنے والا کون ——— بالآخر سکندر نے کوچ کیا اور میں نے رخ بدل لیا! اس نے اپنے ایک فوجی ساتھی کی حیثیت سے بہت کچھ دینے کی کوشش کی لیکن میں نے اس سے صرف ایک قوی ہیکل گھوڑا قبول کیا اور پھر میں مشرق کے اندرونی حصوں کی طرف چل پڑا۔

ہوا بڑی خوشگوار تھی۔ سرسبز پہاڑی علاقے، چھوٹی چھوٹی حسین بستیاں، قصبہ، دیہات، یہاں کا رکھ رکھاؤ، یہاں کی متانت، بڑی انوکھی تھیں سب چیزیں اور میں انھیں دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا! ابھی تک کوئی ایسا نہ تھا جو میرا ساتھی ہو اور مجھے ان ساری چیزوں کے بارے میں بتائے۔ ہاں میں نے اس کی ضرورت ضرور محسوس کی تھی۔

اور جب میں نے پہلے قیام کی سوچی تو میں ایک بستی سے کچھ دور تھا۔ سورج کی نارنجی شعاعیں ماحول کو حسین رنگ بخش رہی تھیں، سامنے ہی ایک جھمگٹ سا نظر آیا۔ بستی دور نہ تھی سو میں ان لوگوں کی طرف بڑھ گیا جو ایک جگہ کھڑے تھے۔

لیکن یہ لڑکیاں تھیں جن کے ہاتھوں میں مٹی کے برتن تھے اور ان کے لباس رنگین اور بڑے ہی خوبصورت لگتے تھے ان کے بدن پر۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں انتہائی معصومیت تھی اور ان کے ہونٹوں پر قدرتی مسکراہٹ۔ چہرے سنولائے ہوئے تھے لیکن ان کی ملاحت دل کھینچتی تھی۔ جس جگہ وہ کھڑی تھیں وہ زمین کا سوراخ تھا اور اس پر انھوں نے ایک چرخی سی لٹکا رکھی تھی۔ دو لڑکیاں اس پر لپٹی ہوئی رسی کھینچ رہی تھیں۔ گویا زمین کے سوراخ سے پانی نکالا جا رہا تھا۔

اور یہ بھی ان کی ثقافت کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ میں لڑکیوں کے اس دلچسپ شغل کو قریب سے دیکھنے کے لیے ان کی طرف بڑھا اور گھوڑے کو دیکھتے ہی ان کے منہ سے سریلی آوازیں نکل گئیں۔

"ہائے دیا ——— یہ کون ہے؟"

"پریت ہے شاید۔" دوسری بولی۔

"ہٹ دیوانی ——— اس کا مکھ تو دیکھ پریت ایسے ہی ہوتے ہیں۔" کسی اور نے کہا۔

"اری تو نہ جانے۔ یہ بڑی بڑی سندر شکلیں بنا کر آویں ہیں۔"

"اوں ہوں۔ تم لوگ الٹی سیدھی باتیں کیے جاؤ ہو، پوچھو تو سہی کون ہے؟ مسافر نہ ہو، پیاسا نہ ہو؟" ایک اور لڑکی نے دوسری لڑکیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

تب ایک رسیلی، شباب سے چور، تمتماتے ہوئے گال، گلابی آنکھیں لیے میرے سامنے آ گئی۔

"کون ہو تم؟"

"مسافر ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پانی پیو گے؟"

"ہاں!"

"گھوڑے پر بیٹھ کر؟" ایک شریر بولی اور دوسری ہنس پڑیں۔ کانوں میں رس ٹپک رہا تھا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ سکندر جیسے پادری صفت شخص کی معیت میں عورت کی شکل ذہن سے نکل گئی تھی۔ مہ وشان ایران بھی سامنے آئی تھیں، کچھ سکندر کی خدمت میں پیش کی گئیں لیکن نہ وہ عورت کی دنیا کا انسان تھا، نہ اس نے ان پر توجہ دی۔ یوں میں بھی محروم تھا اور میں نے یہ پسند بھی نہ کیا کہ میں اس سے عورت طلب کروں۔ صبر کیا اور ترستا رہا لیکن اب ان حسینا ؤں کو دیکھ کر ذہن پر سرور سا چھا گیا۔

"ارے کیا تکے جاؤ ہو مادھو لال! گھوڑے سے نیچے تو اتر۔ اوپر بیٹھے بیٹھے پانی کیسے پیو گے؟"

"اوہ! ہاں!" میں اس شریر لڑکی کی بات سن کر جلدی سے نیچے اتر آیا۔ دوسری لڑکی نے پیتل کا ایک مگ جس میں پانی بھرا ہوا تھا، اس لڑکی کی طرف بڑھا دیا جو میرے نزدیک تھی۔ لڑکی نے برتن دونوں ہاتھوں میں لیا اور میری طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹھو نا۔" اس نے عاجزانہ کہا۔

"بیٹھنا بھی ہوگا؟" میں نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ارے تو کیا کھڑے کھڑے پیو گے؟"

"ہاں کیا حرج ہے ——— لاؤ یہ برتن مجھے دے دو۔" میں نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

"نا ——— نا ——— نا ——— مگ نہ دوں گی ——— نہ جانے تم کون جاتی ہو؟"

"کیا مطلب؟"

"چھتری ہو بے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تب کیا برہمن ہو، ٹھاکر ہو، کون ہو آخر بے؟"

"انسان ہوں اور بس!"

"ارے!" لڑکی تعجب سے بولی اور پھر دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ "سُنتی ہو سکھیو یہ صرف انسان ہے۔" اور دوسری لڑکیاں بھی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"شور نہ مچاؤ لڑکیو۔ میں بیٹھ جاتا ہوں۔ لاؤ پانی پلاؤ۔" میں پالتی مار کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"ہائے رام۔ یہ تو بڑا ہی نٹ کھٹ ہے۔ ارے سیدھے بیٹھو۔"

"گویا میں سیدھا نہیں بیٹھا بے؟"

"کہاں بیٹھے ہو۔ ایسے پیو گے بے؟"

"افوہ! یہاں پانی پینا بھی بہت بڑی مصیبت ہے۔ تو تم ہی بتاؤ کیسے بیٹھوں بے کیسے پیوں بے؟"

"ٹھٹھول نہ کرو مسافر۔ یہ اچھی بات نا ہی ہوتی۔"

"اچھا۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمھاری مرضی پانی نہیں پلانا تو نہیں پلاؤ۔"

"ارے ارے پانی پلانے کو کس نے منع کیا ہے مگر تم سے تو پینا ہی نا ہی آوے۔ دیکھو ایسے بیٹھو، ایسے اوک بناؤ اور ایسے پانی پیو۔" دوسری لڑکی نے اکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر ہونٹوں سے لگا کر دکھایا۔

اور میں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا۔ تب پہلی لڑکی نے میرے ہاتھوں کے پیالے میں ایک دھار سے پانی ڈالا اور میں نے جانوروں کی طرح ہاتھوں میں گرنے والا پانی پی لیا۔

لڑکی کا پورا برتن خالی ہو گیا تھا۔ دوسری لڑکیوں نے گہری گہری سانسیں لیں۔

"تمھاری بستی کا کیا نام ہے بے؟" میں نے پوچھا۔

"لکھیا پور۔"

"مگر کیا تم کہیں دُور سے آئے ہو بے؟"

"ہاں بہت دُور سے۔"

"تمھارے بدن پر تو دھوتی بھی نہیں ہے۔ یہ کیسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں تم نے بے؟"

"بس اتنا ہی کافی ہے۔ تمھارا شکریہ۔" میں دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کی طرف چل پڑا۔ معصوم لڑکیوں کی اس ٹولی نے مجھے کافی متاثر کیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ان ہرنیوں کے درمیان وقت اچھا گزرے گا۔ سو میں بستی میں داخل ہو گیا۔ سب سے پہلی نگاہ ایک مخصوص عمارت پر پڑی۔ انوکھی طرز کی عمارت تھی۔ میں نے گھوڑے کو اس کے دروازے پر روک دیا نیچے اُترا۔ میرا اپنا اندازہ تھا کہ یہ ان کی عبادت گاہ ہے۔ کافی بلند اور عظیم الشان عمارت تھی۔ سب سے اونچی چوٹی پر سونے کا کلس جگمگا رہا تھا۔ میں اس عمارت کو اندر سے دیکھنا چاہتا تھا میں اس سرزمین کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اب میں نے اپنی پچھلی روش اختیار کر لی یعنی لاپرواہی کی۔ سکندر کے ساتھ میں بہت محتاط رہا تھا۔ آخر میں، میں نے اسے جو کچھ بتایا وہ اس کے لیے حیران کن تھا، کیونکہ بہر حال اس نے اس کا کوئی مظاہرہ نہیں دیکھا، نہ ہی میری خواہش تھی کہ اسے اپنے آپ سے مرعوب کروں کیونکہ وہ فتوحات کے لیے نکلا تھا! اس کے پیشِ نگاہ کچھ مقاصد تھے لیکن وہ مقاصد ایسی حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ میں اس کا ساتھ دیتا اور یقیناً سکندر میری خوبیوں سے آگاہ ہو کر، متوقع رہتا کہ میں اس کے لیے کچھ کروں لیکن اب میں دوسری پوزیشن میں تھا۔ اب جو کچھ کرنا تھا اپنے لیے کرنا تھا۔

عبادت گاہ میں داخل ہو کر میں ایک پتلی سی راہداری میں پہنچ گیا جو خاصی لمبی تھی۔ اس راہداری کا اختتام ایک چھوٹے سے کمرے میں ہوا تھا، جس میں کوئی چیز نہ تھی۔ بالکل خالی اور ویران کمرہ لیکن اس میں ایک دروازے نما گول سوراخ ضرور تھا، جو مجھے اس سرنگ میں لے گیا۔

اور سوراخ میں قدم رکھتے ہی سخت تپش محسوس ہوئی۔ یقیناً کہیں آگ تھی اور میرے مسامات کھلنے لگے۔ میرا بدن آگ کی طلب کا اظہار کرنے لگا۔ سو میں نے تیزی سے سرنگ کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" اچانک پروفیسر بول پڑا۔

"کیا؟" میں نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے پروفیسر خاور کی جانب دیکھا۔ اس ماحول سے واپسی شاید اسے اچھی نہیں لگی تھی۔ شاید اس کا تخیل خود کو اس مندر کی سرنگ میں پا رہا تھا۔

"مجھے معاف کرنا۔ تو کیا داخل ہوتے ہی تم اس سرنگ تک پہنچ گئے تھے؟"

"ہاں!" میں نے کہا۔

"تب وہ کیسا مندر تھا؟ میرا مطلب ہے۔ . . ."

"میں آگے اس کے بارے میں بتانے والا تھا۔ جس جگہ میں پہنچا تھا وہ مندر کا عقبی دروازہ تھا! اس کا بڑا دروازہ بستی کے سامنے کھلتا تھا۔ میں چونکہ بستی میں داخل ہو رہا تھا اس لیے میں نے سامنے کے دروازے کو نہیں دیکھا تھا۔"

"معاف کرنا۔ واقعی معمولی سی بات ہے۔" پروفیسر نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

وہ کئی منٹ خاموش رہا۔ شاید وہ خود کو اسی ماحول میں لیجا رہا تھا! اس کی ساری کیفیات خود پر طاری کر رہا تھا اور پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"سرنگ کا اختتام ایک اور ویسے ہی گول دروازے پر ہوا تھا۔ یہاں زمین بھی سخت گرم تھی اور دوسری طرف ایک گول کمرہ تھا، جس میں آگ روشن تھی۔ پورا کمرہ آگ سے بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک بڑا در تھا جس کے دوسری طرف ایک اور بہت بڑا اور صاف ستھرا ہال نظر آ رہا تھا۔

اور پروفیسر یہاں ایک دلچسپ کہانی میری منتظر تھی۔ پُراسرار مشرق کی پہلی پُراسرار کہانی جس پر بعد میں مجھے خوب ہنسی آئی لیکن بہر حال اس بستی

کے ایک شخص کے لیے، میں پہلا نیک انسان ثابت ہوا تھا۔ تو ہوا یوں کہ میں نے لباس اُتارا اور آگ کے شعلوں میں داخل ہو گیا۔

شعلے، میرے بدن کی غذا، میرا بدن چاٹ چاٹ کر صاف کرنے لگے، میری کھال کو چمکانے لگے اور میرے آتش طلب بدن کو سُرور میں ڈبونے لگے۔ شعلوں کے غسل میں، مَیں اس قدر مصروف ہو گیا کہ سب کچھ بھول گیا۔ میں نے وہ آوازیں بھی نہیں سنیں جو دروازے کے دوسری طرف سے آ رہی تھیں۔

میرے کانوں میں وہ آوازیں اس وقت پہنچیں، جب میں غسل سے سیر ہو چکا تھا۔ ان آوازوں میں ایک دہشت زدہ آواز شامل تھی۔

"نہیں۔ بھگوان کے لیے نہیں۔ نہیں بھگوان کے لیے نہیں معاف کر دو۔ معاف کر دو۔" کوئی بُری طرح چیخ رہا تھا۔ میں دروازے کی طرف بڑھا اور شعلوں کے درمیان سے نکل آیا۔ میں نے دیکھا، بے شمار لوگ تھے عجیب سے حلیوں میں، ننگے بدن، سروں کے درمیان میں بالوں کے گچھے، پیشانیوں پر رنگین لکیریں بنائے ہوئے۔ ان کے عقب میں کچھ دوسرے لوگ بھی تھے لیکن وہ پورے لباس میں تھے۔ سامنے والے لوگوں نے ایک نوجوان کو پکڑ رکھا تھا اور اسے آگ کی طرف گھسیٹ رہے تھے اور نوجوان چیخ رہا تھا۔

لیکن جونہی میں نے آگ سے قدم باہر رکھا، سب کے سب چیخ پڑے۔ ان کی آنکھیں استعجاب سے پھٹی رہ گئی تھیں۔ جن لوگوں نے نوجوان کو پکڑا ہوا تھا، انھوں نے جلدی سے اسے چھوڑا اور سجدے میں گر گئے اور پھر چند لوگوں کے علاوہ سب ہی اوندھے گر پڑے تھے اور وہ نوجوان، جس کے خدوخال خاصے خوبصورت تھے، کسی پتھر کے بُت کی مانند ساکت مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا اور آنکھیں ادھ کھلی تھیں۔ گویا ایک انداز میں اس پر نیم بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔

میں نے اس پورے ماحول کو دیکھا، بہرحال میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اتنا میں ضرور سمجھ گیا تھا کہ وہ لوگ اس نوجوان کو آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں۔

"کیا بات ہے، یہ لوگ تمھارے دشمن کیوں ہو گئے ہیں؟" میں نے نوجوان کو مخاطب کیا۔

"ہے۔ ہے۔ ہے۔ جے کرشنو کا بھگوان کی۔" نوجوان کے منہ سے عجیب سے انداز سے نکلا اور پھر وہ اوندھے منہ گر کر بے ہوش ہو گیا۔

"اٹھو!" میں اوندھے پڑے ہوئے لوگوں سے بولا۔ میری آواز کافی تیز اور سخت تھی اور جو لوگ عقب میں تھے وہ اٹھے اور اس بُری طرح بھاگے کہ پلٹ کر نہ دیکھا۔ جو آگے پڑے تھے، ان کی بُری حالت تھی۔ وہ سجدے میں پڑے اس بُری طرح کانپ رہے تھے، جیسے انھیں سردی سے بخار آ گیا ہو۔

"اٹھو!" میں نے خونخوار انداز میں کہا اور وہ اسی طرح پڑے پڑے چیخنے لگے۔ کیا بک رہے تھے میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، البتہ ان کے مضحکہ خیز حلیے اور خوف پر مجھے ہنسی آنے لگی۔ ظاہر ہے انھوں نے مجھے آگ سے نکلتے دیکھا تھا اس لیے ان کا خوف بیجا نہیں تھا لیکن یہ انداز!

پھر میں نے انھیں اوندھے پڑے پڑے کھسکتے دیکھا اور میں نے ان سے کچھ نہ کہا۔ وہ چالاکی سے کام لے رہے تھے تاکہ دروازے تک پہنچ جائیں اور پھر وہ بھی اٹھ کر بھاگ گے۔ ان کا خوف انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ خاصا دلچسپ منظر تھا۔ میں ہنسی نہ روک سکا، پھر میں نے بے ہوش نوجوان کو دیکھا۔

خاصی بُری حالت تھی غریب کی۔ اچھا خاصا چہرہ تھا، دُبلے پتلے بدن کا مالک تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ کر جھکا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا لیکن بے ہوشی گہری تھی۔ میں نے پانی تلاش کیا اور عمارت کے ایک حصے میں مجھے ایک بڑا کنواں نظر آیا، جس میں سے پانی نکالنے کے لیے انتظام تھا۔ پانی لیکر میں نوجوان کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس کا چہرہ پانی سے بھگویا، منہ کھول کر حلق میں پانی ڈالا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند ساعت وہ خالی الذہنی کے انداز میں میری شکل دیکھتا رہا اور پھر اس کے چہرے پر ہیجان کے آثار نظر آنے لگے۔ اس کا بدن کانپا اور اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔" میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جے۔ جے۔ جے۔ جے کرشنو کا۔ جے کرشنو کا۔" وہ ایک ہی لفظ بڑبڑانے لگا۔

"یہ کیا ہوتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" میں نے کہا۔

"جے۔ جے کرشنو کا!"

"تم اپنے حواس درست کرو۔ ڈرو نہیں۔ میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے انتہائی نرم لہجے میں اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہے بھگوان — ہے بلی بیر۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ میں۔ میں اچھوت ہوں۔" اس نے جلدی سے اپنا بازو الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اچھوت ہو؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں مہاراج! میں اچھوت ہوں۔"

"تکلیف ہے تمھارے ہاتھ میں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مہاراج! تم۔ پوتر ہو۔ مجھے ہاتھ لگانے سے تمھارے ہاتھ گندے ہو جائیں گے۔ میں نیچ ہوں مہاراج!" اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"اوہ! گویا تم گندے ہو؟" میں نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہاں مہاراج!"

"اور تمھارے بدن کو چھونے سے میرے ہاتھ بھی گندے ہو جائیں گے؟"

"ہاں مہاراج!"

"مگر تم گندے کیوں ہو؟ بظاہر تو تمھارے بدن پر کوئی گندگی نظر نہیں آ رہی؟" میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں اچھوت جات ہوں مہاراج!"

"گویا تمھاری ذات گندی ہے؟" میں نے گہری سانس لیکر کہا۔

"ہاں مہاراج!"

"مگر میرے خیال میں کسی کی ذات گندی نہیں ہوتی۔"

"پر بڑی جات کے لوگ ہمیں اچھوت ہی کہتے ہیں۔ آپ دیالو ہیں مہاراج! مگر ہم اچھوت ہیں۔" نوجوان کے انداز میں ایسی عاجزی، ایسی بے بسی تھی کہ میں بہت متاثر ہوا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رام داس!"

"اوہ! اچھا تو رام داس کیا تم مجھے اپنا دوست بنا سکتے ہو؟"

"مہشر۔ میں۔ میں اس قابل کہاں ہوں مہاراج۔" رام داس نے چہرے کا کرب چھپا کر کہا۔

"مگر میں تمھیں اس قابل سمجھتا ہوں۔"

"اتنا بڑا ورودان نہ دیں مہاراج! ہمارے کندھے کمزور ہیں۔ ہم خوشی سے مر جائیں گے!" رام داس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"مگر میں تمھیں دوست بنانا چاہتا ہوں رام داس!"

"بڑی جاتی کے لوگ ہمیں زندہ نہ رہنے دیں گے مہاراج۔"

"بڑی ذات کے لوگ کون ہیں؟"

"پنڈت، برہمن، چھتری، ٹھاکر۔ یہ سب بڑی جاتیں ہیں۔"

"اور تم لوگ اچھوت ہو؟"

"ہاں مہاراج!"

"تمھارا قبیلہ کتنا بڑا ہے؟"

"ہم بہت لوگ ہیں مہاراج! ہم تو یہیں کے رہنے والے ہیں۔ پر یہ بڑی جاتی کے لوگ پہاڑوں سے آئے ہیں۔"

"اوہ!" مجھے ان الفاظ سے بہت دلچسپی محسوس ہوئی اور میں تفصیل سے ان کے بارے میں معلوم کرنے کا شوق نہ دبا سکا۔ "بیٹھ جاؤ رام داس اور سکون بے تکلفی اور آرام سے بیٹھو۔ میرے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟" میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان ہی جانے۔ ساری دیا بھگوان کی ہے۔ نہ جانے بھگوان کیا چاہتا ہے۔" رام داس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ اوتار ہیں مہاراج! آپ سب جانتے ہیں۔"

"میں کچھ نہیں ہوں رام داس۔ تم مجھے سب کچھ تفصیل سے بتاؤ۔"

"ایسی باتیں نہ کریں مہاراج۔ آپ بہت بڑے اوتار ہیں۔ آپ کی دیا ہے کہ آپ نے مجھ جیسے نیچ جات کو اتنا بڑا درجہ دیا۔ آپ کی بڑی دیا ہے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"رام داس! میں تمھیں اپنا دوست بنا چکا ہوں۔ اب تم ایسی باتیں کرو گے تو میں سمجھوں گا تم مجھے اپنی دوستی کے قابل نہیں سمجھتے اور میرے پاس سے بھاگ جانا چاہتے ہو۔"

"نہیں نہیں بھگوان۔ مگر ہم کیا کریں۔ ہماری ہمت نہیں پڑتی۔"

"تم بالکل فکر مت کرو۔ کوئی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر کسی نے تمھاری طرف آنکھ بھی اٹھانے کی کوشش کی، تو میں اسکی ٹانگیں چیر دوں گا۔"

رام داس میری شکل دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ہراس تھا تب میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ رام داس تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پھر نہ جانے اسے کیا ہوا، وہ خود بھی مجھ سے لپٹ گیا۔

"اب کوئی ہماری بوٹی بوٹی کر دے تو ہم نہیں ڈریں گے۔ آپ نے ہمیں بہت بڑا درجہ دے دیا ہے۔ اب ہم کسی سے بھی نہیں ڈریں گے مہاراج۔ ہم ڈرتے بھی نہیں مگر ہماری جات نیچی ہے۔ بات صرف ہماری نہیں ہوتی۔ اگر میں کوئی خراب کام کروں گا تو بڑی جاتی والے ہمیں جینے نہ دیں گے۔"

"کوئی تمھارا کچھ نہیں بگاڑے گا رام داس! یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ اب بتاؤ۔"

"کیا بتائیں مہاراج؟"

"اچھا پہلے یہ بتاؤ۔ یہ لوگ تمھیں کیوں پکڑے ہوئے تھے؟"

"لکشمی کانت نے سوگند اٹھائی تھی کہ وہ ہمیں آگ میں بھسم کرا دے گا اور پنڈت لکشمی کانت بڑی دولت والا ہے۔ اس کا بڑا اثر ہے۔ اس نے یہ کام کر دکھایا۔"

"وہ کون ہے؟"

"برہمن جات ہے۔ کپڑا بیچے ہے۔"

"اس نے قسم کیوں کھائی تھی؟"

"ہم سے بھول ہو گئی تھی مہاراج۔" رام داس نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور مجھے اس بھولے بھالے نوجوان پر پیار آ گیا۔

"کیا بھول ہو گئی تھی رام داس؟" میں نے پیار سے پوچھا۔

"پریم کر لیا تھا ہم نے؟" رام داس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"ارے تو اس میں بھول کی کیا بات ہے؟"

"آپ نہیں جانتے مہاراج۔" وہ اسی بھولپن سے بولا۔

"تو بتاؤ نا رام داس!"

"ہم نے لکشمی کانت کی پتری سے پریم کیا تھا۔"

"اوہ!"

"وہ بڑی جاتی کا ہے۔ ہمارے گھر والوں نے ہمیں اس کے حوالے کر کے جان بچائی۔ نہیں تو سب کو بھسم کرا دیا جاتا۔ سب ہمارے خلاف ہو گئے۔ براہمنوں کو خوش کرنے کے لیے ہماری برادری والوں نے ہمارے خاندان کا حقہ پانی بند کر دیا۔ نہیں تو نہ جانے کیا ہوتا۔"

"اوہ! اتنے ظالم ہیں یہ لوگ؟"

"راکھشس ہیں پورے۔ بھگوان ان کا ناس کرے۔" رام داس روہانسی آواز میں بولا۔

"تم فکر نہ کرو رام داس! بھگوان ان کا ناس ہی کرے گا۔" میں نے

مسکراتے ہوئے کہا۔ رام داس خاموش ہو گیا تھا۔ میں نے چند ساعت انتظار کرنے کے بعد کہا "ہاں آگے تو سناؤ"۔

"کیا سناؤں مہاراج، کہانی تو بہت بڑی ہے"۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے"۔

"وہ۔۔ وہ پھر آجائیں گے"۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔

"تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے وہ۔ تم فکر مت کرو"۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تم اوتار ہو۔ اگن سے نکلے ہو۔ اگر وہ آئیں تو سب کو بھسم کر دینا"۔

"ہاں۔ میں ایسا ہی کروں گا"۔

"تو ہم کہاں سے کہانی سنائیں ہے"

"جہاں سے یہ شروع ہوئی"۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بھول ہماری بھی نہیں تھی۔ اس نے بتایا بھی تو نہیں کہ وہ برہمنی ہے!"

"کس نے ہے" میں چونک کر پوچھا۔

"شکنتلا ہے نام اس کا"۔ رام داس شکایتی لہجے میں بولا۔

"اور وہ لکشمی کانت کی بیٹی ہے ہے"

"ہاں!"

"کہاں ملی تھی وہ تمھیں ہے"

"پن چوک پر۔ رتن بابا کی ترکاریوں کے کھبت پر۔ ادھر تو برہمن ناریاں جاویں بھی نہیں ہیں۔ جب وہ ہمیں ملی تو اس نے ہمیں روکا اور ہمارے بارے میں پوچھنے لگی۔ ہم نے کچھ نہیں بتایا تو وہ بولی کہ کیا ہم بھولا ہیں؟ بھولا بہت برا آدمی ہے مہاراج۔ ہمیں غصہ آگیا اور ہم نے کہا ہم بھولا نہیں رام داس ہیں۔ ہم تو اس سے بات بھی نہیں کر رہے تھے مگر اس نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا اور بھگوان کی سوگند دے کر بولی کہ ہم اس سے باتیں کریں، اس کے پاس دو گھڑی بیٹھیں۔ سو ہم بیٹھ گئے"۔ رام داس پھر خاموش ہو گیا۔

"خوب! پھر کیا ہوا رام داس ہے" یہ بھولا بھالا انسان میرے دل میں اُتر رہا تھا۔

"بس پھر ہمیں بھی اس سے پریم ہو گیا"۔

"ہونا ہی تھا"۔ میں نے کہا۔

"اور کیا۔ وہ روز ہم سے ملنے آتی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ بھی اچھوت کی بیٹی ہے اور انترے محلے میں رہتی ہے۔ اس نے ہم سے جھوٹ بولا تھا مہاراج"۔

"اوہ! پھر کیا ہوا ہے"

"پھر ایک روز لکشمی کانت کے آدمی اس کے پیچھے پیچھے آئے اسے ہمارے پاس دیکھ گئے۔ بس پھر کیا تھا، بہت سے برہمن لاٹھیاں لیکر آئے اور ہمیں پکڑ لائے۔ تب ہمیں پتہ چلا کہ وہ برہمن کی بیٹی ہے۔ برہمنوں نے ہماری بستی کو آگ لگانے کی سوچی مگر ہمارے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ دوش صرف ہمارا ہے۔ انھیں معلوم نہیں تھا۔ ہمارے ماتا پتا نے بھی کہا کہ برہمن ہمارے بھائیوں کو کچھ نہ کہیں بلکہ صرف رام داس کو لے جائیں۔ بڑی مشکل سے وہ پاپی مانے"۔

"اچھا۔ پھر کیا ہوا؟"

"ہوتا کیا۔ وہ ہمیں پکڑ لائے اور ہمارے خوب جوتے لگائے گئے"۔ رام داس نے اس طرح کہا کہ مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں نے بمشکل ہنسی روکی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ شکنتلا نے تم سے جھوٹ بولا تھا ہے"

"نہیں"۔ اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔

"کیوں ہے"

"ہم اس سے پریم جو کرتے ہیں مہاراج! اس کی بات کسی کو کیوں بتاتے"۔ رام داس نے جواب دیا۔ بظاہر یہ ایک بھولے بھالے آدمی کے سیدھے سادے الفاظ تھے لیکن یہ محبت کی بلندی تھی پروفیسر اور رام داس کا چہرہ اس بلندی پر سجا ہوا تھا۔ بڑی پُرنور روشنی تھی اس کے چہرے پر کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ یہ الفاظ کافی دیر تک میرے ذہن میں سنسناتے رہے۔

"پھر کیا ہوا رام داس ہے" چند ساعت کے بعد میں نے پوچھا۔

"ہمارے من میں ایک بات آگئی۔ ہم نے سوچا برہمنوں کو پریشان کرنے کے لیے ناٹک کھیلیں۔ سو ہم نے سوامی اجے چند سے کہا کہ ہم بھی برہمن ہیں۔ انھیں غصہ تو بہت آیا مگر انھوں نے پوچھا کہ ایک اچھوت کا بیٹا برہمن کیسے ہو سکتا ہے تو ہم نے جواب دیا کہ یہ لوگ اگر ہمارے ماتا پتا ہوتے تو ہمیں اس آسانی سے برہمنوں کے حوالے کیوں کر دیتے۔ یہ تو خوش ہوں گے کہ ایک برہمن کا بیٹا، برہمنوں کے ساتھ ہی بھسم ہو گا"۔

"بہت خوب! پھر کیا ہوا ہے" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"سوامی اجے چند نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور مجھے کیسے معلوم کہ میں کسی برہمن کی اولاد ہوں۔ تب میں نے جواب دیا کہ ایک رات میں نے اپنے ماتا پتا کو بات چیت کرتے سنا تھا۔ ماتا کہہ رہی تھیں کہ رام داس ہمارا بیٹا نہیں ہے۔ وہ تو برہمنوں کی نشانی ہے۔ پتا جی خوش ہو کر بولے کہ ہم نے برہمنوں کا دھرم خوب نشٹ کیا۔ تب سوامی اجے چند چکر میں پڑ گئے۔ انھوں نے دوسرے سادھوؤں سے مشورے کیے اور پھر لکشمی کانت کو بلوایا مگر پاپی لکشمی کانت نہیں مانا۔ ان لوگوں کی روایت ہے کہ اگر کسی برہمن کے ساتھ نیائے ہونا ہے تو اگن منڈل کا باسی دیوتا کرشنوکا، اگن منڈپ کے باہر نکل کر اس کی سہائتا کرتا ہے۔ سو لکشمی کے کہنے پر مجھے معاف نہ کیا گیا ــــ اور وہ مجھے اگن تک لے آئے ــــ مگر اگن منڈل کے باسی مجھے بتا ــــ تو نے میری سہائتا کیوں کی؟ کیا میں برہمن ہوں ہے"

"لکشمی کانت برہمن ہے ہے" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ کھرا برہمن!"

"تب میں اسے پکڑ کر آگ میں ڈالوں گا اور دیکھوں گا کرشنوکا، اس کی کیسے مدد کرتا ہے"۔

شکر الحمد وللہ

ہمیں طبِ مشرق و قوم کی خدمت کرتے ہوئے

پچاس ۵۰ سال
ہو گئے ہیں

اکسیری دواخانہ پاکستان میں تیرہ سو

مستند یونانی دواؤں کا ایک ایسا مرکزی ادارہ ہے جسے اپنے ملک میں
ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی شہرت و عزت کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ گزشتہ پچاس
سال سے ملک کے گوشہ گوشہ اور غیر ممالک میں خصوصاً کویت، ایران، عراق
دوبئی، ابوظہبی، افریقہ، سیلون کے چپّہ چپّہ میں اپنی ہمہ گیر مقبولیت اور محبوبیت، زود اثر و مؤثر
ادویات کی شہرت و عزت کے اعتبار سے پاکستان کا معتبر ادارہ تسلیم کیا جا چکا ہے

اکسیری دواخانہ کو جو منفرد امتیاز حاصل ہے اس کی ایک وجہ اس دواخانہ کے شعبۂ تشخیص و تجویز کا ہر مریض کے کیس پر خاص انفرادی توجہ کے ساتھ ساتھ ہمدردانہ غور و فکر اور اسکے مرض کا آسان علاج اور صحت مندانہ کامیاب زندگی گزارنے کے اصول سمجھانے میں بھی مضمر ہے۔ اس دواخانے کا شعبۂ تشخیص و تجویز نہ صرف مریضوں کو خط و کتابت کے ذریعے مشورے دیتا ہے، بلکہ اس شعبے سے وہ حضرات بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو شخصی طور پر معائنہ کرانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ طبِ یونانی ایک بڑا خدمت کا پیغام ہے۔ دکھی دلوں کا سہارا، تکلیف زدوں کی امید اور مایوس دلوں کی مکمل ڈھارس ہے

اگر آپ یا آپکے عزیز و اقارب کسی تکلیف میں مبتلا ہیں تو اس دواخانے کے شعبۂ تشخیص و تجویز کو مکمل حالات و جملہ کوائف بھیج کر بلا معاوضہ مشورہ طلب کر سکتے ہیں

باہر کے مریض گھر بیٹھے دوائیں بذریعہ وی پی پارسل منگوا سکتے ہیں

قائم شدہ ۱۹۲۵ء

اوقات مطب: صبح دس بجے سے شام چھ بجے تک
اتوار کو تعطیل رہتی ہے

اکسیری دواخانہ

موسٰی والا بلڈنگ۔ ایم۔ اے۔ جناح روڈ۔ بالمقابل ڈسٹرکٹ کورٹ میونسپل کارپوریشن۔ کراچی
فون: ۲۱۳۱۹۷

"مگر کرشنو کا، تو، تو ہے۔"

"نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"ہم سب نے تجھے اگن سے نکلتے دیکھا اور تو زندہ سلامت تھا۔"

"میں مندر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ میرا گھوڑا مندر کے پیچھے موجود ہے۔"

"پھر اگن کنڈ میں کیسے داخل ہو گیا؟"

"بس اس راستے سے جو ایک راہداری سے آتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اگن منڈپ میں تم بھسم کیوں نہ ہو گئے؟" وہ تعجب سے بولا۔

"یہ میری خوبی ہے کہ آگ مجھے نہیں جلاتی۔" میں نے جواب دیا اور رام داس حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ نہیں اگن کنڈ کے باسی! تم نے میری سہائتا کی ہے، اپنے آپ کو کیوں چھپا رہے ہو۔ تم نے میرا جیون بچا لیا ہے۔ تم میرے متر ہو۔"

"رام داس! میں تیرا دوست ہوں۔ تو مانتا ہے؟"

"ہاں بھگوان!"

"تو پھر سمجھ لے، میں تجھ سے جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں کرشنو کا نہیں ہوں لیکن میں کون ہوں، اس کے بارے میں بھی مجھ سے مت پوچھنا۔ تو اتنا بھولا ہے کہ سمجھ نہیں سکے گا۔"

"جیسی تیری اچھا بھگوان!" رام داس نے گہری سانس لیکر کہا۔

"ابھی تو تجھ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں رام داس!"

"رام داس تیرا داس ہے بھگوان، جو من چاہے کہہ۔"

"اچھا یہ بتا، شکنتلا بھی تجھ سے پیار کرتی ہے؟"

"اتنا ہی بھگوان، جتنا میں اس سے کرتا ہوں۔"

"کیا اس نے اپنے باپ سے نہ کہا ہو گا کہ وہ تجھے چاہتی ہے؟"

"میں نہیں جانتا بھگوان۔ اگر اس نے کہا بھی ہو گا تو اس کے پاپی پتا نے اسے مار مار کر اس کا منہ کلال کر دیا ہو گا۔ بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں یہ برہمن اور پھر ایسا تو آج تک نہیں ہوا کہ کسی اچھوت نے کسی برہمن کنیا سے پریم کیا ہو۔ برہمن جیتا کب رہنے دیں گے انھیں۔"

"اگر کسی برہمن نے کسی اچھوت لڑکی سے پیار کیا ہے؟"

"بڑے گھمنڈی ہوتے ہیں وہ۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔"

"گویا برہمن تمھیں انسان نہیں سمجھتے؟"

"نہیں مہاراج! ہمارے محلّے الگ ہوتے ہیں۔ ہمارے کنویں الگ ہوتے ہیں۔ اگر کسی برہمن کے کنویں کے پاس سے اچھوت گزر جائے تو اس کی موت ہی آجاتی ہے۔ ہم تو ان کے داس ہوتے ہیں بس ان کی چاکری کے لیے۔ ساری محنت ہم کرتے ہیں اور کھاتے بڑی جات کے لوگ ہیں۔"

"اچھوتوں نے کبھی بغاوت نہیں کی ان کے خلاف؟"

"کی تو مارے گئے۔"

"کیا برہمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے؟"

"بہت ہی زیادہ اور پھر ہم سیدھے سادے لوگوں کے مقابلے میں یہ بڑے چالاک ہوتے ہیں۔"

"یہ بستی کس ریاست کی تحویل میں ہے؟"

"ریاست جمناپور کہلاتی ہے۔"

"تمھارے راجا کا کیا نام ہے؟"

"مہاراج امی چند!"

"ریاست کتنی دور ہے، جہاں راجا رہتا ہے؟"

"راجدھانی یہاں سے اسی کوس دور ہے مگر ان بستیوں کا رکھوالا جے راج ہے۔ سو پاپیوں کا ایک پاپی۔" رام داس نے بتایا اور میں غور سے اس کی بتائی ہوئی تفصیلات سننے لگا۔ پھر کافی دیر تک خاموشی رہی۔ رام داس ٹکر ٹکر میری شکل دیکھے جا رہا تھا۔ تب مجھے وہ لوگ یاد آئے جو بھاگ گئے تھے۔

"رام داس!" میں نے اسے پکارا۔

"مہاراج!"

"وہ سب کہاں گئے، جو تمھیں لائے تھے؟"

"بھاگ گئے نٹ کھٹ۔ بڑے ہی چھوٹے ہردے ہوتے ہیں ان کے سینے میں۔"

"میرا خیال ہے یہ خبر پوری بستی میں پھیل گئی ہو گی؟"

"ہاں مہاراج!"

"پھر ہم اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں؟"

"کیسا فائدہ؟"

"یہ بات صرف تمھیں معلوم ہے کہ میں کرشنو کا نہیں ہوں لیکن بستی والوں کو یہی پتہ چلنا چاہیے کہ میں کرشنو کا ہوں اور تم کھرے برہمن، نہ صرف برہمن بلکہ دیوتاؤں کی تم پر خاص نظر ہے، اس لیے لکشمی کانت نے اگر اپنی بیٹی کی شادی تم سے نہیں کی تو وہ بڑی بری موت مارا جائے گا۔"

"ہے بھگوان! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہم تم دونوں مل کر کریں گے۔ میں تمھارا دوست ہوں۔ تمھارا پریم تم سے ملوا دوں گا۔"

"میں کیا کہوں بھگوان۔"

"تم نہ کچھ کہو، نہ کچھ کرو۔ بس جو میں کہتا رہوں، کرتے رہو۔ بولو وعدہ کرتے ہو؟"

"بھگوان۔ بھگوان آپ کو سکھی رکھے۔ یہ انہونی ہو گی۔" رام داس نے کہا مگر اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اس کی آنکھیں خواب میں ڈوب گئی تھیں۔

تب دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں سنبھل گیا۔ دو طویل القامت آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان کے سر گھٹے ہوئے تھے، سفید چادریں ان کے بدن سے لپٹی ہوئی تھیں۔ سروں کے درمیان لمبی چوٹیاں تھیں اور وہ خوب

تندرست تھے۔ ان کے پیچھے دوسرے لوگ بھی تھے لیکن وہ دروازے کے باہر ہی رُک گئے تھے۔

دونوں سادھو اندر آ گئے اور رام داس ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر دونوں کو سلام کیا تھا لیکن انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور ان کے چہرے پر کسی قدر حیرت تھی۔ غالباً میرے سنہرے بدن نے انھیں حیران کیا تھا۔

پھر ان میں سے ایک آگے بڑھا اور بھاری لہجے میں بولا۔ "کون ہو تم؟"

"یہ کون ہے رام داس؟" میں نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر رام داس سے سوال کیا۔

"یہ۔۔۔ یہ سوامی اجے چند ہیں۔" رام داس نے جواب دیا۔

"اور یہ دوسرا کون ہے؟"

"یہ شمبھو ناتھ جی ہیں۔ بڑے مہان پرش ہیں۔" رام داس نے جواب دیا۔

"لیکن ہمارے خیال میں یہ دونوں بہت بڑے گدھے ہیں۔ یہ ہم سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں؟" میں نے کہا۔

"آپ بتا دیں مہاراج۔" اجے چند کی آواز میں طنز تھا۔

"ہمارے بتانے کے طریقے دوسرے ہیں اجے چند۔ اچھا ہے ہم سے نہ پوچھو۔" میں نے جواب دیا۔

"سُنا ہے کہ آپ اگن سے نکل کر آئے ہیں۔" شمبھو ناتھ نے کہا۔

"آپ تو بڑے مہان ہیں مہاراج۔ کیا آپ نہیں جانتے؟" میں نے ان کے لہجے میں کہا۔

"میں سب جانتا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو۔"

"کیوں۔ کیا کرشنو کا برہمنوں کی مدد نہیں کرتا؟" میں نے کہا۔

"کرشنو کا، کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ صرف ایک روایت ہے۔ میرا علم کہتا ہے کہ کرشنو کا سرے سے ہے ہی نہیں۔ آج تک کسی نے اسے نہیں دیکھا۔"

"کیا تم نے اپنے علم کی بات دوسروں کو بتائی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ دوسروں کو بتانے کی بات نہیں ہے۔"

"بتاؤ گے تو لوگ تمھیں جان لیں گے، کیوں؟"

"کرشنو کا مہاراج! میں بہت بُرا آدمی ہوں۔ بڑے جادوؤں کا توڑ رکھتا ہوں۔ مجھے بتا دو تم کون ہو۔ ورنہ بہت بُرا ہو گا۔" شمبھو ناتھ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تمھیں کیسے یقین آئے گا شمبھو ناتھ کہ میں کرشنو کا ہی ہوں، مجھے بتاؤ۔"

"شمبھو ناتھ کے سامنے تم اگنی دیوی کے دوار جاؤ۔ سچ اور جھوٹ پتہ چل جائے گا۔"

"کیوں۔ آگ سے تمھاری دوستی ہے کیا؟"

"ہاں۔ وہ جھوٹ نہیں چھپائے گی۔ اگر تم میرے سامنے آگ میں کود جاؤ اور زندہ نکل آؤ تو میں تمھیں کرشنو کا مان لوں گا۔" شمبھو ناتھ نے کہا۔

"اور آپ سوامی اجے چند مہاراج ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اجے چند سے پوچھا۔

"سوامی شمبھو ناتھ جی کے آگے میری کیا حیثیت ہے۔" اجے چند نے کہا۔

"ٹھیک ہے شمبھو جی! میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھہرو۔ میں اگنی دیوی کو تمھاری چالبازی بتا دوں۔ تمھارے سارے جادو دھرے رہ جائیں گے۔" شمبھو ناتھ نے کہا اور پھر انھوں نے کچھ سیاہ رنگ کے دانے نکالے اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبدانے لگے۔ پھر انھوں نے ایک دانہ آگ میں اُچھال دیا اور میں نے شعلے بلند ہوتے دیکھے جیسے وہ کچھ کہہ رہے ہوں۔

شمبھو ناتھ جی نے ایسے کئی دانے آگ میں ڈالے اور آگ بار بار بھڑکتی رہی۔ رام داس، اجے چند اور شمبھو ناتھ آگ سے زیادہ دُور نہیں کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد شمبھو ناتھ جی اپنے کام سے فارغ ہو گئے۔

"آؤ کرشنو کا جی۔" انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا کہتی ہے آپ کی دوست؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اندر تو جاؤ مہاراج۔ پتہ چل جائے گا۔" شمبھو ناتھ نے جواب دیا۔

"اگر آگ آپ کی بھی دوست ہے شمبھو ناتھ جی تو پھر آیئے دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ اندر چل کر اس سے دو معلومات کر لیں۔" میں نے کہا اور لپک کر شمبھو ناتھ کی کمر پکڑ لی۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا۔ یہ کیا۔" شمبھو ناتھ نے خود کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن ان کی کوشش حماقت ہی تھی۔ میں نے انھیں بغل میں دبایا اور آگ میں داخل ہو گیا۔

"نہیں۔ بھگوان کے لیے نہیں۔ نہیں۔ ہائے۔ ہائے۔ مر گیا۔ ہائے مر گیا۔ ہائے ہائے ہائے!" آگ شمبھو ناتھ کے بدن سے لپٹ گئی اور میں نے تھوڑی دُور چل کر اسے چھوڑ دیا۔ شمبھو ناتھ کی دلدوز چیخوں سے مندر کے در و دیوار کانپ رہے تھے۔ اس نے الٹے بھاگنے کی کوشش کی اور چند قدم چل کر گر پڑا۔ گوشت کی چراند دُور دُور تک پھیلنے لگی اور میں واپس در کی طرف چل پڑا۔ اجے چند اور رام داس تھر تھر کانپ رہے تھے۔

مجھے دیکھ کر اجے چند گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ "اٹھو اجے چند جی! کھڑے ہو جاؤ!"

"جے۔ جے کرشنو کا مہاراج! جے کرشنو کا مہاراج کی!"

"اور وہ پاپی کہتا تھا کہ ہمارا وجود ہی نہیں۔"

"جے کرشنو کا مہاراج کی!" اجے چند اسی انداز میں بولے۔

"جاؤ اجے چند۔ سب کو بتا دو، رام داس مہان ہے، وہ برہمن ہے۔ اس کی ذات بہت اونچی ہے اور لکشمی کانت کو بھی بتا دو کہ کرشنو کا اسکے پاس آئے گا۔"

"جو آگیا مہاراج۔ جو آگیا مہاراج!" اجے چند نے کہا اور کانپتا ہوا الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ رام داس ابھی تک کانپ رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچا تو وہ سہم گیا۔

"رام داس!" میں نے اسے آواز دی۔

"مہا۔ مہاراج۔ مہاراج!" رام داس لرزتے ہوئے بولا۔

"تم کیوں کانپ رہے ہو؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"شمبھو ناتھ جی۔ بھسم۔ بھسم ہو گئے۔ وہ۔ وہ تو بڑے مہان تھے۔" رام داس نے کہا۔

"میں کرشنو کا ہوں میرے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔"

"مم۔ مگر مہاراج! آپ نے تو کہا تھا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کرشنو کا نہیں ہیں۔ پر آپ اگنی سے۔۔۔۔"

"تم ان باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دو رام داس! بس میں تمھارا ساتھی ہوں۔ اب تم تماشہ دیکھتے رہو۔ میں تمھارے لیے بہت کچھ کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں رام داس کا ہاتھ پکڑے مندر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا اور پنڈت اجے چند چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کرشنو کا پرکٹ ہو گیا ہے لوگو۔ ہاں کرشنو کا پرگھٹ ہو گیا ہے۔ اگن دیوتا کو اگنی سے نکلتے میں نے بھی دیکھا ہے۔ پرشر میان شمبھو ناتھ جی کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا، انھوں نے کرشنو کا دیوتا سے ٹھٹھول کیا، تب کرشنو کا نے انھیں بھسم کر دیا۔ پنڈت جی کا دیہانت ہو گیا ہے۔ سب کو بتا دو رام داس برہمن ہے اور اس پر کرشنو کا، کا سایہ ہے۔"

رام داس نے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔ "ابھی رک جاؤ رام داس!" اور رام داس رک گیا۔

اجے چند نے کئی بار اپنے الفاظ دوہرائے اور پھر وہ مندر کی سیڑھیاں اترنے لگا تو میں نے رام داس سے کہا۔ "رام داس! اجے چند کو بلاؤ۔" اور رام داس جلدی سے باہر نکل گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ اجے چند کے ساتھ واپس آگیا۔ اجے چند کا منہ پیلا ہو رہا تھا۔

"پنڈت اجے چند! تم نے اپنا کام کر دیا؟"

"ہاں مہاراج!" اجے چند نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

"تب پھر جاؤ۔ ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک رام داس کے ساتھ انصاف نہیں ہو جائے گا۔ ہم اس وقت تک اسی مندر میں رہیں گے اور رات کو ہمارے پاس لکشمی کانت کو لے کر آؤ۔"

"جو آگیا مہاراج!" اجے چند نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں نے رام داس سے کہا۔

"رام داس! کچھ کام تمھیں بھی کرنے ہیں۔"

"حکم دیں مہاراج!" رام داس نے کہا۔

"پہلے تو میرے گھوڑے کا کسی مناسب جگہ بندوبست کرو، اس کے بعد شہر نکل جاؤ اور معلوم کرو کہ بستی میں میرے بارے میں کیا خبریں پھیل رہی ہیں؟"

"جو آگیا مہاراج! میں چلتا ہوں۔" رام داس نے کہا اور پھر وہ مندر کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ طویل عرصہ امن سے گزرا تھا اور میرے خیال میں خاصا مشکل کام تھا کیونکہ سکندر جیسے بہادر جنگجو کے ساتھ بڑے بڑے دلیر اور طاقتور لوگ موجود تھے، جو ڈینگیں مارتے رہتے تھے اور میدان جنگ میں خوب جوہر دکھاتے تھے کئی بار دل میں ترنگ سی اٹھی کہ میں اپنے جوہر دکھا کر ان کے حوصلے پست کر دوں لیکن بہرحال میں نے خود کو قابو میں رکھا۔ اس طرح زندگی پر ایک جمود سا طاری ہو گیا تھا۔ یہاں آکر حالات کی ابتداء ہی ایسے دلچسپ انداز میں ہوئی تھی کہ اب میں خود کو باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہرحال میں نے سوچ لیا تھا کہ لمبے چکر میں نہیں پڑوں گا، بلکہ ہندوستان کے مختلف علاقے دیکھوں گا۔ یہ سرزمین مجھے بہت دلکش معلوم ہوئی تھی پروفیسر اور درحقیقت یہ اسرار کی سرزمین نکلی۔

رام داس چلا گیا اور میں مندر کے مختلف حصے دیکھنے لگا۔ بڑی دلچسپ جگہ تھی۔ جگہ جگہ سونے چاندی کے اور پتھروں کے بت رکھے ہوئے تھے۔ بڑی عجیب عجیب شکلیں تھیں ان کی لیکن مجھے ان بتوں کو دیکھ کر ان لوگوں کے سوچنے کے انداز کا پتہ چل رہا تھا۔

میں نے پورے مندر کی سیر کر لی اور کافی دیر کے بعد جب میں اس حصے میں پہنچا، جہاں سے چلا تھا تو میں نے رام داس کو دیکھا، جو پریشان سا کھڑا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر چونکا، پلٹا اور پھر اس کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔

"آگئے رام داس!" میں نے پوچھا۔

"ہاں مہاراج! آپ کو نہ پا کر ہر دے میں اتھل پتھل ہو گئی تھی۔ میں سوچنے لگا تھا کہ سکھ کا جو سپنا میں دیکھ رہا تھا وہ اتنی جلدی ٹوٹ گیا۔ بھالے آنے سے من کی ٹوٹی مالا پھر سے جڑ گئی ہے مہاراج۔ بھگوان کی سوگند مجھے اچھوت ہونے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔ بس مجھے دکھ یہ ہے کہ شکنتلا بھی اچھوت کیوں نہیں ہوئی؟"

"میں نے تم سے وعدہ کیا ہے رام داس کہ شکنتلا کو تم سے ضرور ملا دوں گا۔ چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ میرا کام کر دیا؟"

"ہاں مہاراج! گھوڑا میں نے دھنی رام کے اصطبل میں باندھ دیا ہے۔ اس کا بیٹا جگی گھوڑے کا خیال رکھے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ بستی کی کیا حالت ہے؟"

"پوری بستی میں بات پھیل گئی ہے۔ لوگوں نے کام بند کر دیے ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے لوگوں سے صورت چھپائی ہے۔ شمبھو ناتھ کی موت کا کسی کو یقین نہیں آیا۔ ان کا خیال ہے کہ شمبھو مہاراج اسی اگنی سے زندہ نکل آئیں گے لیکن اجے چند کی بات پر بھی لوگ بھروسہ کرتے ہیں جنھوں نے کہا ہے کہ انھوں نے خود شمبھو ناتھ کے جلتے ہوئے شریر کو دیکھا ہے۔ بہرحال ساری بستی میں اسی بات کے چرچے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ کافی ہے۔"

"آپ کب تک میرے ساتھ رہیں گے مہاراج؟" رام داس نے کہا۔

"جب تک تمھارا کام نہ ہو جائے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور رام داس کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"کیا سوچنے لگے رام داس؟" میں نے اس کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں دیکھ کر پوچھا۔

"ہم بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں مہاراج! آپ کہتے ہیں آپ اوتار نہیں ہیں بلکہ منش ہیں۔ اگر آپ منش ہیں تو آپ کو بھوجن کی ضرورت بھی ہوتی ہوگی؟"

"ہاں ہوتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے، تب تو ہمیں آپ کی سیوا کا انتظام کرنا چاہیے۔"

"کیا تمھیں بھوک لگ رہی ہے رام داس؟"

"نہیں مہاراج بھگوان کی سوگند نہیں۔ ہماری بھوک پیاس تو برسوں سے اُڑی ہوئی ہے۔ ہم سے تو کچھ کھایا بھی نہیں جاتا۔ جانے شکنتلا کا کیا حال ہو۔"

"سب کچھ معلوم ہو جائے گا رام داس! تم اتنی فکر نہ کرو اور ہاں ابھی مجھے بھی کھانے کی طلب نہیں ہے تم آرام سے بیٹھو۔ ہم دیکھیں گے بستی والے ہماری بات مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر انھوں نے ہمیں اہمیت نہ دی تو پھر اور بندوبست کریں گے۔" یہ الفاظ ادا کرتے وقت میرے ذہن میں "اور بندوبست" کا خاکہ بھی اُبھر آیا تھا۔

لیکن اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ بہت دیر نہیں گزری تھی کہ پجاریوں کا ایک گروہ بے شمار عقیدتمندوں کے ساتھ گاتا بجاتا آیا اور مندر کے سامنے کافی ہنگامہ ہو گیا۔ تب اجے چند دو اور سادھوؤں کے ساتھ اندر آیا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر ڈنڈوت کیا۔

"کیا خبر لائے ہو اجے چند؟" میں نے رعب دار آواز میں پوچھا۔

"مہاراج کرشنو کا کی جے! پجاری چڑھاوے لیکر آئے ہیں بستی والے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ کی پرکٹیا مان لی ہے اور بہت سے لوگ وچار میں ڈوبے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جن لوگوں کو شبہ ہے وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اوش مہاراج!"

"لکشمی کانت کو ہماری بات پہنچا دی؟"

"میں خود اس کے پاس گیا تھا مہاراج!"

"کیا کہا اس نے؟"

"وہ نٹ کھٹ ہے مہاراج! پر اس نے کہا ہے کہ وہ آپ کے درشن کرے گا۔"

"سب ٹھیک ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"پجاریوں کو اندر آنے کی آگیا دیں مہاراج؟"

"کیا بستی والے بھی آئیں گے؟"

"نہیں۔ وہ آپ کی آگیا بنا کیسے آسکتے ہیں۔ آپ ان کے لیے جو سندیس دیں۔"

"آج میں صرف لکشمی کانت سے ملوں گا۔ کل صبح بستی کے لوگ آسکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اجے چند نے گردن جھکا دی۔ شمبھو ناتھ کی موت اور میرے آگ میں جا کر واپس آجانے والے مظاہرے کو دیکھ کر مہاراج اجے چند تو بالکل سیدھے ہو گئے تھے۔ وہ باہر نکل گئے اور پھر گاتے بجاتے پجاریوں کا ایک گروہ اندر آگیا۔ لوہے کے چمٹے، مجیرے اور ڈھول، عجیب سی آوازیں بج رہے تھے۔ پجاریوں کے چہروں پر خوف کے آثار تھے۔ وہ مندر کے صحن میں کھڑے ہو کر گاتے بجاتے رہے۔ ان کے ہاتھوں میں مٹھائیوں کے تھال تھے اور ایک تھال میں میرے لیے لباس بھی تھا اور دوسرے تھال میں دوسری چیزیں۔

پجاریوں نے میری آرتی اتاری، پرچڑھاوے چڑھائے اور تھوڑی دیر تک عجیب عجیب حرکتیں کرنے کے بعد الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔ صرف اجے چند رہ گئے تھے۔

"پنڈت اجے چند!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ ہم تمھاری بستی میں کیوں آئے۔ کیا تمھارا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ جب کسی برہمن پر ظلم ہوتا ہے تو کرشنو کا اس کی مدد کو آتا ہے۔"

"ہاں مہاراج!" اجے چند نے جواب دیا۔

"اور عقیدے اسی وقت مضبوط ہوتے ہیں جب ان کا بھرم قائم رہے۔ اسی لیے میں نے تمھارے درمیان آنا ضروری سمجھا۔ شمبھو ناتھ میری حقیقت نہیں تسلیم کرتا تھا، سو وہ بھسم ہو گیا اور اب جس نے میرے اوپر شک کیا وہ بھی زندہ نہ رہے گا۔ یہ بات تم لکشمی کانت کو بھی بتا دینا۔ رام داس کھرا برہمن ہے۔ اس کی ماں اور اس کے باپ کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہے کہ کس طرح ان کی اپنی اولاد کو کوئی اٹھا لے گیا اور اس کی جگہ ایک برہمن کا بچہ آگیا۔ یہ ایسے راز ہیں، بعض اوقات جن کا افشا نہ ہونا اچھا ہوتا ہے۔"

"ہری اوم۔ ہری شنکر مہاراج!" اجے چند نے عقیدت سے کہا۔

"بس اب تم جاؤ اجے چند! ہم تمھاری واپسی کا انتظار کریں گے۔"

"مہاراج یہیں استھان کریں گے؟"

"ہاں! ابھی ہم یہیں رہیں گے۔"

"میری ایک منو کامنا ہے مہاراج! آپ بڑے مندر میں استھان کرتے تاکہ درشن کرنے والوں کو دقت نہ ہوتی۔"

"ابھی ہم یہیں رہیں گے اجے چند، بعد میں دیکھا جائے گا اور سنو، ابھی ہم عام لوگوں کے پاس بھی نہیں جائیں گے۔ سب سے پہلے ہم وہ کام کریں گے جس کے لیے ہم نے یہاں آنے کی پریشانی مول لی ہے۔"

"جو آگیا مہاراج!" اجے چند نے گردن جھکاتے ہوئے کہا اور پھر وہ الٹے پاؤں چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لو بھئی۔ رام داس! ہمارے کھانے کا تو بندوبست ہو گیا۔"

"ہاں مہاراج!" رام داس نے ادب سے جواب دیا۔

"اب پہلے کھانے سے فارغ ہو جائیں، پھر تم مجھے یہ لباس پہنا دو اور پورا اوتار بنا دو تاکہ پھر کسی کو شبہ نہ رہے اور لکشمی کانت کو کندھوں پر اٹھا کر مجھے آگ کے غار میں نہ داخل ہونا پڑے۔"

باقی آئندہ ماہ

تعاقب

ابو المنصور

کرائے کے ایک قاتل کی دلچسپ روداد

دو جانی دشمنوں کا سنسنی خیز مقابلہ

ٹرک صرف ایک بھاری ٹرک اور ایک سُرخ رنگ کی اسپورٹس کار آگے پیچھے جا رہے تھے۔ ٹرک چلانے والے شخص کا نام تھامس گورڈن تھا۔ وہ نہایت مہارت اور سبکدستی سے ٹرک چلا رہا تھا۔ اس کی مہارت اس بات سے بھی ظاہر تھی کہ اس نے ایک مرتبہ بھی اسپورٹس کار کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔ ڈینیل، جو اسپورٹس کار چلا رہا تھا اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ ٹرک میں اُس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

کچھ دیر پہلے تھامس نے ڈینیل کو ایک بار میں دیکھا تھا۔ وہ ایک نیم تاریک گوشے میں بیٹھ کر ڈینیل کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اُسکے چہرے پر گھبراہٹ اور بے چینی نظر آرہی تھی۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔ تھامس نے اس کا پیچھا کرنے میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جب وہ اپنی اسپورٹس کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا تب تھامس باہر آیا اور ٹرک میں بیٹھ کر اس کے پیچھے لگ گیا۔ وہ نہایت مناسب فاصلہ چھوڑ کر اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ڈینیل کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ اُس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس نے لاشعوری طور پر خطرے کی بُو سونگھ لی تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ خاصا گھبرایا ہوا تھا لیکن اس کے حفاظتی اقدامات ہرگز تسلی بخش نہیں تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی تھامس گورڈن ایک پیشہ ور اور کہنہ مشق قاتل تھا۔ جب وہ کسی شخص کو قتل کرنے کا معاہدہ کر لیتا تھا تو اس پر عمل درآمد کر کے ہی دم لیتا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر سڑک تنگ اور خطرناک تھی۔ یہ مقام ویران اور بے آباد تھا۔ تھامس نے ٹرک کی رفتار ایک دم تیز کر دی اور اسپورٹس کار کے بالکل پیچھے پہنچ گیا۔ کار اس وقت ڈھلوان کی طرف جا رہی تھی اور نصف راستہ طے کر چکی تھی۔ تھامس زور زور سے ہارن بجاتا ہوا کار کے سر پر پہنچ گیا۔ ڈینیل نے عقب نما آئینے میں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ٹرک کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہے۔ پہلے اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ پھر اس نے خیال کیا کہ شاید ٹرک والا جلدی میں ہے اور آگے نکلنا چاہتا ہے — اس نے کار کی رفتار کم کر دی اور پھر اُسے کنارے پر روک دیا تاکہ ٹرک آسانی کے ساتھ آگے نکل جائے۔

یہ دیکھ کر تھامس کے ہونٹوں پر وحشیانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے ٹرک کی رفتار ایک دم کم کر دی اور اسے سیدھا کار کے پچھلے حصے سے ٹکرا دیا۔ باوجودیکہ ٹرک کی رفتار بہت کم تھی لیکن دھماکا بڑا زوردار تھا۔ آنِ واحد میں کار لڑھکتی ہوئی کئی سو فٹ گہرے کھڈ میں پہنچ گئی۔

تھامس نے ٹرک کو ایک طرف کر کے کھڑا کر دیا اور باہر نکل کر کار کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے اپنے کام کے دوران کبھی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کار کھڈ کی انتہائی گہرائی میں پہنچ چکی تھی اور اب پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ مزید اطمینان کرنے کے لئے تھامس تھوڑا سا نیچے اتر کر دیکھنے لگا۔ ڈینیل کے بچنے کا کوئی امکان باقی نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹرک میں آکر بیٹھ گیا۔

واپسی پر ٹرک کی رفتار مقررہ حدِ رفتار سے بھی کم تھی۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد وہ واپس شہر میں پہنچ گیا۔ ٹرک کو ایک خاموش گلی کے کونے پر کھڑا کر دیا۔ گلی کے اندر کچھ فاصلے پر اس کی مرسیڈیز کار کھڑی تھی یہ ٹرک اس نے ایک مسروقہ کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ کرائے پر حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے اب وہ اس ٹرک کو واپس پہنچانے کی زحمت نہیں کرے گا۔

ٹرک کو گلی کے کونے پر ہی چھوڑ کر وہ اپنی مرسیڈیز کار میں جا بیٹھا کچھ دور جانے کے بعد اس نے کار ایک ٹیلیفون بوتھ کے قریب روک دی اور بوتھ میں داخل ہو کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے جواب ملنے پر اس نے مدھم آواز میں "کام مکمل" کہا اور ریسیور رکھ کر باہر آگیا۔

اُسے معلوم تھا کہ کام کا معاوضہ مقررہ مقام پر اُس کا منتظر ہوگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد رقم اس کی جیب میں پہنچ چکی تھی اور وہ ایک اوسط درجے کے شراب خانے میں بیٹھا شراب کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اُس کے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر چکا تھا تو بھی وہ غافل نہیں تھا اور اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے چہروں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے پیشے میں لمحہ بھر کی غفلت سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ شروع شروع میں

اس سے کچھ غلطیاں بھی ہوئی تھیں لیکن اب تیس سال کی عمر میں وہ اپنے کام میں خاصا ماہر ہو چکا تھا اور جرائم کی دنیا میں اپنا ایک مخصوص مقام پیدا کر چکا تھا۔

جرائم کی مختلف تنظیمیں اسے باقاعدگی سے کام دے رہی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش پائی جاتی تھی۔ جرائم کی سب سے بڑی تنظیم نے، جو امریکس کے نام سے مشہور تھی فی الحال اسے کوئی کام نہیں دیا تھا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے ہنوز اس کی مہارت اور صلاحیت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اسے امریکس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے مزید محنت کی ضرورت تھی۔ امریکس والے صرف ایک شخص کو کام دیتے تھے۔ اس کا نام اسکارپا تھا۔

تھامس کے لئے اسکارپا محض ایک نام سے زیادہ کچھ نہیں تھا کیونکہ آج تک اس نے اسکارپا کی شکل نہیں دیکھی تھی لیکن اگر وہ کسی کو اپنا حریف سمجھتا تھا تو وہ اسکارپا ہی تھا۔ پیشہ ورانہ رقابت کے باعث وہ اندر ہی اندر کھولتا رہتا تھا۔ اسکارپا اس کی ترقی میں زبردست رکاوٹ بنا ہوا تھا اور وہ ہر صورت میں اس پر اپنی برتری ثابت کرنا چاہتا تھا۔

فرصت کے ایام میں وہ ہوٹلوں اور کلبوں میں تفریح کرتا۔ وہ عام طور پر لوگوں میں مل جل کر رہنے کا عادی تھا۔ کیونکہ تنہائی پسند اور الگ تھلگ آدمی خواہ مخواہ نظروں میں آجاتا ہے۔ اور لوگ اس کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کرنے لگتے ہیں۔ وہ ہمیشہ عمومی نوعیت کے موضوعات پر گفتگو کرتا تھا۔ ریڈیو اور ٹی وی پروگرام، موسم اور عالمی سیاست وغیرہ، جرائم کو کبھی موضوع گفتگو بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح چھوٹے موٹے معاملات میں بھی الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کہیں کسی سے جھگڑا ہو جاتا تو ہمیشہ نرمی کا پہلو اختیار کرتا۔

عورتوں کے معاملے میں وہ خاصا فراخ دل تھا۔ اس کی آمدنی کا زیادہ حصہ رنگین مزاج عورتوں پر صرف ہوتا تھا لیکن عورت کے سامنے اس نے کبھی ایسی احمقانہ بات نہیں کی جو اس کی اصلیت کو ظاہر کرنے والی ہو۔

جب فرصت کے ایام طویل ہو جاتے اور جمع شدہ رقم ختم ہونے کے

قریب پہنچ جاتی تو وہ سخت فکرمند ہو جاتا۔ ڈنیل والا کنٹریکٹ پورا کرنے کے بعد بھی یہی ہوا۔ کسی طرف سے کوئی کام نہیں مل رہا تھا۔

پھر اچانک ایک روز اسے ایک مختصر خط موصول ہوا۔ خط کے ساتھ اخبار سے کاٹی ہوئی ایک تصویر تھی۔ خط ایک سادہ کاغذ پر تھا۔ لکھا تھا۔

"بیس تاریخ کو شام کے چھ بجے نیشنل پارک میں مجھ سے ملو۔"

پھر وہ تصویر کو گھورنے لگا۔ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا تھا۔ اچانک وہ اچھل پڑا۔ اس شخص کا نام زوراسکی تھا اور وہ کروڑپتی بزنس مین تھا۔ تقریباً ایک درجن کاروباری اداروں کا مالک اور اس سے دوگنے اداروں کا حصے دار تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تاش کے ایک پتے پر دس لاکھ ڈالر کی بازی لگا دیتا تھا۔

بیس تاریخ کو شام کے ٹھیک چھ بجے تھامس دھیرے دھیرے چلتا ہوا نیشنل پارک میں داخل ہوا۔ دو آدمی کچھ فاصلے پر کھڑے تھے جن کے بارے میں تھامس نے اندازہ لگایا کہ وہ زوراسکی کے باڈی گارڈ ہیں۔ زوراسکی ایک کونے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا اور ماتھے پر نظر آنے والی شکنوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی اہم مسئلے پر غور کر رہا ہے۔

تھامس اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ زوراسکی ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور سر سے پیر تک تھامس کا جائزہ لیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے قدرے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"تھامس گورڈن۔" تھامس نے جواب دیا۔

"ہیلو تھامس۔" زوراسکی کے چہرے پر ایک دم خوشگواری آ گئی۔ اس نے تھامس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور ایک کونے کے بنچ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آؤ وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

بنچ پر بیٹھنے کے بعد زوراسکی نے محتاط نظروں سے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ آس پاس تاحدِ نظر کوئی فرد و بشر نہیں تھا۔

"تھامس میرا وقت بہت قیمتی ہے۔" زوراسکی نے کہا۔ "اس لئے میں غیر ضروری تمہید میں الجھنے کی بجائے مطلب کی بات شروع کرتا ہوں۔ تمہیں کچھ تھوڑا بہت اندازہ اس بات کا ضرور ہو گیا ہو گا کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"ظاہر ہے۔" تھامس نے کہا۔ "جب کوئی شخص مجھے بلاتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ ایک اور روح عالم بالا کی طرف پرواز کرنے کیلئے بے چین ہے۔"

"میرا معاملہ ذرا سا مختلف ہے۔" زوراسکی نے کہا۔ "امریکس نامی جراثیم کی ایک تنظیم مجھے قتل کرانا چاہتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کسی شخص کو میرے قتل کا کنٹریکٹ بھی دیا جا چکا ہے۔"

"اور یہ کنٹریکٹ یقیناً اسکارپا کو دیا گیا ہو گا۔" تھامس نے کہا

"میں نے بھی یہی سنا ہے۔" زوراسکی نے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "غالباً یہ شخص اس میدان کا چیمپئن ہے اور میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں اس شخص کا کنٹریکٹ دینا چاہتا ہوں۔"

"خوب۔" تھامس نے کہا۔ "لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ مشکل ترین کنٹریکٹ ہے۔ اسکارپا ایک پراسرار شخصیت کا نام ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ شخص کبھی منظرِ عام پر نہیں آیا۔ آج تک کسی کو اس کی شکل دیکھنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ گو یہ میرا سب سے بڑا حریف ہے لیکن میں نام سے زیادہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" زوراسکی نے کہا۔ "اس شخص کو کنٹریکٹ مل چکا ہے اور وہ اس پر عمل درآمد کے لئے ضرور میدان میں آئے گا۔ وہ ایسا بھی شعبدہ باز نہیں کہ نظر ہی نہ آئے۔"

"لیکن کون جانے وہ کب اور کس انداز میں کام کرتا ہے۔" تھامس نے کہا۔ "فی الحال تو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کسی سائے کو قتل کرنے کا معاہدہ کر لیا جائے۔ مسٹر زوراسکی آپ نے مجھے ہی اس کام کے لئے کیوں منتخب کیا ہے؟"

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم اس میدان میں دوسرے نمبر پر ہو۔" زوراسکی نے کہا۔ "اسکارپا اوّل نمبر پر ہے۔ تمہارے سوا کوئی شخص اسکارپا پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے بھروسے پر اپنی زندگی داؤ پر لگا رہا ہوں۔"

"فرض کرو میں یہ معاہدہ کر لیتا ہوں۔" تھامس نے کہا۔ "اس دوران میں آپ اپنی حفاظت کے لئے کیا کریں گے۔"

"حفاظت کا جو نظریہ تمہارے ذہن میں ہے شاید میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔" زوراسکی نے خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے کہا۔ "میں بند کمروں اور مسلح محافظوں کے پہرے میں زندگی گزارنا پسند نہیں کرتا۔ ایسی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔ اس ہفتے میں نے ایک پارٹی کا اہتمام کیا ہے۔ گو صورتِ حال بہت نازک رُخ اختیار کر گئی ہے لیکن میں اس پارٹی کو منسوخ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور میرا خیال ہے کہ اسکارپا اس پارٹی سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔" اس نے نظر اٹھا کر دور کھڑے ہوئے اپنے محافظوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہر چند میرے باڈی گارڈ وہاں موجود ہوں گے لیکن ایک کہنہ مشق مجرم کے مقابلے پر میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ لوگ اس ہوشیار شخص کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی لئے میں نے تمہاری خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس پارٹی میں موجود رہوں۔" تھامس نے کہا۔ "اور عین موقع پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکوں۔"

"واضح بات ہے۔"

"اور معاوضے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"تمہارے عام معاوضے سے چار گنا زیادہ۔"

"مجھے یہ معاوضہ منظور ہے۔" تھامس نے کہا۔ "لیکن ایک شرط پر۔"

"بولو۔"

"معاوضہ پیشگی دینا پڑے گا۔"

"یعنی اگر میں مر گیا تو تم معاوضے سے محروم نہ رہو۔" زوراسکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سمجھداری کی بات ہے۔ تمہاری جگہ پر اگر میں ہوتا تو اسی انداز میں سوچتا۔ بہرحال مجھے یہ شرط منظور ہے اور تمہیں یہ سُنکر خوشی ہوگی کہ میں رقم ساتھ ہی لایا ہوں۔ مجھے پہلے سے ہی اس بات کا اندازہ تھا۔" یہ کہکر زوراسکی نے جیب سے ایک موٹا سا لفافہ نکال کر تھامس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "پرسوں تم پارٹی شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے آجانا تاکہ میں تمہیں اپنا مکان دکھا سکوں۔"

پھر زوراسکی نے الوداعی سلام کیا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ہفتے کی شام جب تھامس، زوراسکی کے وسیع و عریض بنگلے پر پہنچا تو رخصت ہوتے ہوئے سورج کی الوداعی کرنیں درختوں اور مکانوں کے بالائی حصّوں کو منور کر رہی تھیں۔ زوراسکی کا پُرشکوہ سفید و لا سرسبز درختوں اور خوشرنگ پودوں میں گھرا ہوا بہت بھلا معلوم ہوتا تھا۔

زوراسکی نے برآمدے میں تھامس کا استقبال کیا اور پھر فوراً ہی اسے مکان دکھانے کے لئے ایک طرف چل پڑا۔ مکان کے عقبی حصّے میں ایک خوبصورت تالاب بنا ہوا تھا۔ تالاب کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت لان تھا جس میں جا بجا خوشنما پھولوں والے پودے لگے ہوئے تھے۔ لان خاصا کشادہ تھا اور دور تک چلا گیا تھا۔ لان کے اختتام پر بلند قامت درخت اور گھنی جھاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں جن کے نیچے ابھی سے تاریکی نظر آرہی تھی۔

زوراسکی تھامس کو یہ چھوٹا سا جنگل دکھاتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جس سے آگے ایک دم گہرائی آجاتی تھی۔ خاصی خطرناک جگہ تھی وہاں کوئی دیوار یا جنگلہ وغیرہ نہیں تھا۔ تھامس نے احتیاط سے آگے بڑھ کر دیکھا۔ کم از کم ساٹھ ستر فٹ گہرائی ہوگی۔ اُس سے پرے سمندر نظر آرہا تھا۔ درمیان میں چھوٹا سا ریتیلا میدان تھا۔

"آپ کو اس مقام پر کوئی دیوار یا جنگلہ ضرور بنوانا چاہیئے۔" تھامس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس طرف سے کوئی شخص آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

"لیکن اس طرف سے جانے کی حماقت ضرور سرزد ہو سکتی ہے۔" تھامس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور جو ایک دفعہ اس طرف سے چلا گیا اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس کا جسم نیچے کی طرف اور رُوح عالمِ بالا کی طرف پرواز کر جائے گی۔"

"فوری طور پر اس طرف سے تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"اگر آپ کا اشارہ اسکارپا کی طرف ہے تو میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ اس قسم کا گھٹیا طریقہ کار ہرگز اختیار نہیں کرے گا۔" تھامس نے کہا۔ "دیوار بنانے کا مشورہ میں نے آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں اور بچوں کی حفاظت کے خیال سے دیا ہے۔ کوئی شخص بھی بے خبری میں نیچے گر سکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" زوراسکی نے کہا اور واپس چل پڑا۔

واپسی میں وہ عمارت کے اندر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف آگئے۔ زوراسکی تھامس کو لائبریری میں چھوڑ کر خود کچھ دیر کے لئے اندر چلا گیا۔ تھامس ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا اور عمارت کے بیرونی حصّے کا جائزہ لینے لگا۔ چونکہ پارٹی کا اہتمام لان میں کیا گیا تھا۔ اس لئے اندرونی حصّے کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم قریبی کمروں کے دروازے، اسٹور روم غیر مستعمل کمرے اور تاریک گوشے بہت اہم تھے۔

کچھ دیر بعد مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ تھامس تالاب کے کنارے پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ چند خواتین حضرات اس کے قریب پڑی ہوئی کرسیوں پر آکر بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ پھر موضوعِ گفتگو عورت کی آزادی کی طرف پھر گیا۔ ایک صاحب فرمانے لگے۔

"بعض لوگ عورت کو مساوی حقوق دیتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ وہ عورت کو پابندیوں میں رکھنا چاہتے ہیں لیکن اب یہ

مالِ غنیمت

ایک فوجی افسر نے ترقی کی خوشی میں سپاہیوں کی دعوت کی اور حکم دیا کہ کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑو جیسے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ سپاہیوں نے ویسا ہی کیا۔ ایک سپاہی پیٹ بھر کر کھا چکا تو باقی مٹھائیاں جیب میں رکھنے لگا۔ افسر نے بُرا مناتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے جواب دیا۔ "جتنوں کو مار سکا، مار لیا، باقی کو قیدی بنا رہا ہوں۔"

مرسلہ:۔ سہیل خالد — راجن پور

فرسودہ باتیں ہوگئی ہیں۔ پرانی رسمیں دم توڑ رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عورت کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیئے۔"

حاضرین نے ایک قہقہہ لگایا۔

"غالباً تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔" ایک صاحب نے کہا۔

"یہ دنیا اور یہ کائنات ..." ایک خاتون نے کہا۔ "انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان سے مراد صرف مرد نہیں، عورت بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی کو اس نظریہ سے اختلاف نہیں ہوگا۔ عورت کو قدرت نے حسین، نرم و نازک اور دلکش پیدا کیا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا محض ایک لق و دق صحرا کی مانند ہوتی۔ معاف کیجئے میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ بعض مرد عورت کو محض تفریحِ طبع کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"

"اور بعض عورتیں مردوں کو تفریحِ طبع کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔" ایک صاحب نے قطع کلامی کی۔ اس پر ایک اور قہقہہ پڑا۔

تھامس کی نظریں اس گروپ سے پرے زوراسکی پر جا کر ٹھہر گئیں۔ وہ اپنے قوی الجثہ وکیل کولنز کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے زوراسکی کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اس کی حفاظت کی یہی ایک بہترین صورت ہے اور اس طرح وہ اسکارپا تک رسائی بھی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا ہو۔ اچانک اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو انیس بیس برس کی ایک خوبصورت لڑکی کو اپنے پیچھے کھڑے پایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عورتوں کی آزادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے مسٹر..."

"گورڈن۔" تھامس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"تھامس گورڈن۔ دراصل میں نے اس مسئلے پر کبھی غور نہیں کیا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں کبھی کسی عورت کی آزادی میں حائل نہیں ہوا۔"

"بہت خوب مسٹر گورڈن۔" لڑکی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میرا نام جیکولین ہے۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

"شکریہ۔" تھامس نے کہا۔ "بیٹھو۔"

اور جیکولین ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سب گفتگو محض وقت گذاری کے لئے ہے۔" جیکولین نے کہا۔ "یہ لوگ محض اس لئے بول رہے ہیں کہ خدا نے انہیں بولنے کے لئے زبان دی ہے۔ اسے میں زبانی عیاشی کا نام دیتی ہوں۔" پھر وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "یہ صاحب جو عورت کی آزادی کی زور شور سے حمایت کر رہے ہیں ان کا نام انتھونی ہے۔ یہ ایک فلم میں پبلک ریلیشنز آفیسر ہیں۔ ان کو ہر وقت بولتے رہنے کی بیماری ہے اور ان کے سامنے جو خاتون بیٹھی ہیں وہ شہزادی اسکیگنولا ہے۔ خود امریکن ہے۔ شہزادی کا مرتبہ شادی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔" تھامس نے کہا۔ "تمہاری معلومات خاصی وسیع ہیں۔"

"ہاں مجھے لوگوں کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے۔" جیکولین نے کہا۔ تھامس نے محسوس کیا کہ وہ عجیب نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی ہے۔ "غالباً تمہیں اس چیز سے کوئی لگاؤ نہیں مسٹر گورڈن؟"

"تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے۔" تھامس نے کہا۔ "لیکن میں اتنا بدذوق بھی نہیں۔ تھوڑا بہت شوق تو ضرور ظاہر کروں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرتی ہو۔؟"

"مجھے معلوم تھا کہ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ زوراسکی نے مجھے ایک خاص مقصد کے تحت یہاں بلایا ہے۔" تھامس یہ سنکر تھوڑا سا چونک گیا لیکن چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ "مجھے مہمانوں کی تفریح کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ میں پیانو نواز ہوں۔ تقریب کے آخر میں اپنا فن پیش کروں گی۔ شاید تمہیں معلوم نہیں زوراسکی موسیقی کا بہت شوقین ہے۔ عمارت کے اندر ایک میوزک روم ہے جس میں ہمہ اقسام کے آلاتِ موسیقی موجود ہیں۔ نئے پرانے سبھی قسم کے... تم اسے میوزیکل عجائب گھر بھی کہہ سکتے ہو۔ یہ کمرہ دیکھنا پسند کرو گے۔؟"

تھامس نے زوراسکی کی طرف دیکھا اور قدرے تامل کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ موسیقی کے پروگرام کے دوران میوزیکل عجائب گھر بھی دیکھ لیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔" جیکولین نے لاپرواہی سے کہا۔ پھر اسکی نظریں مختلف مہمانوں پر سے پھسلتی ایک خاص شخص پر ٹھہر گئیں۔ "اس شخص کو جانتے ہو؟" اس نے کہا۔ وہ سرخ بالوں والا شخص جو کونے میں بیٹھا ہے یہ شخص اپنے آپ کو غیب دان بتاتا ہے۔ مخفی علوم کا ماہر۔ لوگ اس کو بہت مانتے ہیں۔ اس کا نام بھی عجیب ہے۔ کیلکاس۔ یونانی نام ہے۔ آؤ، ذرا اس کی باتیں سنیں۔" اس نے تھامس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ "بڑی دلچسپ باتیں کرتا ہے۔"

دونوں اٹھ کر کیلکاس کے قریب پہنچ گئے کچھ خواتین و حضرات اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ واضح طور پر کیلکاس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

"ہیلو خواتین و حضرات۔" جیکولین نے چہک کر کہا۔ "دلوں کی چھپی ہوئی باتیں بیان کی جا رہی ہیں؟"

ایک عورت نے مایوسی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اسی امید پر بیٹھے ہیں لیکن فی الحال تو مرغیوں کی افزائشِ نسل کے موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں۔"

"ہر شخص کو چھیڑ کرنے کا حق حاصل ہے۔" ایک دوسری

عورت نے کہا۔

کیلکاس نے مسکرا کر اس عورت کی طرف دیکھا۔

"اصل بات یہ ہے۔" تھامس نے لاپرواہی سے کہا۔ "کہ آج کا انسان مشینی انداز میں زندگی گذار رہا ہے۔ ہمارے شب و روز یکسانیت کا شکار ہیں۔ ماضی میں کوئی پراسرار یا سنسنی خیز بات نہیں اور مستقبل میں کسی قابلِ ذکر ہنگامے کی توقع نہیں۔"

کیلکاس، تھامس کو گھورنے لگا۔ اس کی نظریں تیز اور دل میں اتر جانے والی تھیں۔

"ہر انسان اپنے ساتھ حیرتوں اور ہنگاموں کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔" اس نے کہا۔ اس کی نظریں بدستور تھامس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "اگر تم سننا پسند کرو تو تمہارے بارے میں کچھ بیان کیا جائے؟"

"ضرور ضرور۔" حاضرین نے پرجوش آوازوں میں مطالبہ کیا۔

"اجازت ضروری ہے۔" کیلکاس نے متانت سے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" تھامس نے کہا۔ وہ دل میں کچھ الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس شخص نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا ہے۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ذہن میں پریشانی پائی جاتی ہے۔" کیلکاس نے کہا۔ "اسے تم خوف بھی کہہ سکتے ہو۔ تمہارے دل کی پوشیدہ باتیں ایک تصویر کی طرح مجھے نظر آرہی ہیں۔ میں تمہارے چاروں طرف خطرے کا بادل دیکھ رہا ہوں۔ گھنا اور تاریک بادل۔ یہ بادل بتدریج گہرا ہوتا جارہا ہے۔"

یہ سُنکر تھامس کا جسم اندر سے تن گیا۔ تاہم اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سیاہ بادل محض تمہارے تصورات پر چھایا ہوا ہے۔"

"اب رُکنا نہیں۔" ایک عورت نے کہا۔ "ہم پوری بات سُنکر رہیں گے۔"

"میں صرف سوال کی درخواست پر غیب کی باتیں بیان کرتا ہوں۔" کیلکاس نے کہا۔ "اگر سوال انہیں سُننے اور برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔"

"میں پوری طرح تمہاری باتیں سننے پر تیار ہوں۔" تھامس نے بظاہر طنز کرتے ہوئے کہا۔

"تم! میں تمہیں خطرے میں گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔" کیلکاس نے کہا۔ "بلکہ تباہی تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔"

خواتین کے مُنہ سے خوفزدہ آوازیں نکل گئیں اور وہ مڑ کر تھامس کو گھورنے لگیں۔ تھامس نے سوچا یقیناً یہ کوئی سازش ہے تاہم اس نے اپنے دلی جذبات چھپاتے ہوئے کہا۔

"تباہی و بربادی سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا ہوگا۔ اخبار اٹھا کر دیکھ لو۔ قتل و غارت، حادثات، طوفان اور ہوائی کی بے شمار خبریں مل جائیں گی۔"

اسے یاد نہیں کہ کیلکاس نے کیا جواب دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ غالباً اسکارپا کو اس کے اور زوراسکی کے درمیان ہونے والے خفیہ کنٹریکٹ کا پتہ چل گیا ہے۔ اور یہ ڈرامہ بھی اُس نے ترتیب دیا ہے۔ اسے خوفزدہ کرنے کے لئے۔ لیکن اگر اسکارپا کو واقعی پتہ چل گیا ہے تو بات فی الحقیقت خطرے والی ہے۔ گویا اب اُس کے اور اسکارپا کے مابین کھلا مقابلہ ہے۔ اور یہ اپنی برتری ثابت کرنے کا بہترین موقع ہے۔ اُس نے کیلکاس کی غیب دانی کا رسمی شکریہ ادا کیا اور ایک طرف چل دیا۔

"کہاں چل دیئے۔" تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے گروپ میں سے ایک شخص نے اسے آواز دی۔ وہ رک گیا۔ اور متکلم کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ انتھونی تھا۔ اُس نے مزید کہا۔ "ابھی ابھی تم کیلکاس سے باتیں کر رہے تھے ہم بھی تو سنیں کہ وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"تم بچ کر نہیں جا سکتے۔" شہزادی اسکیگنولا نے کہا۔ "ہم کیلکاس کی باتیں سُننے کے لئے سخت بے چین ہیں۔"

مجبوراً تھامس ایک خالی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ انتھونی نے فرداً فرداً سب کا تعارف کرایا۔ ایک صاحب کا نام پروفیسر مارس تھا۔ دوسرے کا نام ہانمین تھا۔ وہ کسی کاروباری ادارے کا اعلیٰ افسر تھا۔ انتھونی کی طرح وہ بھی خاصا باتونی تھا۔ تھامس کے سامنے ایک فربہ اندام اور سن رسیدہ عورت بیٹھی تھی۔ اس کا نام مسز ویبر تھا۔

"مسٹر گورڈن۔" مسز ویبر نے کہا۔ "ہم یہ جاننے کے لئے بیتاب ہیں کہ کیلکاس نے تمہارے بارے میں کیا پیشگوئی کی ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" تھامس نے کہا۔ "پرانے نجومیوں کی سی باتیں ہیں۔ ہوشیار... خبردار آگے خطرہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"شاید تمہیں معلوم نہیں کیلکاس کی باتیں بڑے غور سے سُنی جاتی ہیں۔" مسز ویبر نے کہا۔

"اُس کی پیش خبریاں سو فیصدی صحیح نکلتی ہیں۔" انتھونی نے کہا "اگر وہ میرے بارے میں خطرے کی پیشگوئی کرتا تو میں یقیناً گھبرا جاتا۔ بہرحال اگر اس نے تمہارے بارے میں خطرے کا اظہار کیا ہے تو تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔۔۔" شہزادی نے کہا۔ "اگرچہ میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتی لیکن کیلکاس ... آہ ... کیلکاس کا نام سنتے ہی میرے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔"

تھامس نے سوچا کہ شاید یہ سب کچھ اُسے خوفزدہ کرنے کے لئے

کیا جارہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکارپا انتہائی سائنٹفک طریقے پر کام کرتا ہے۔ اگر وہ ان تمام باتوں سے ڈر گیا تو یقیناً اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے گا۔

"جناب یہ بیسویں صدی ہے۔" پروفیسر ارس نے غصے سے کہا۔

"حیرت ہے کہ آپ لوگ تعلیمیافتہ اور روشن خیال ہونے کے باوجود اس قسم کے توہمات پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ تمام نجومی جو سڑکوں اور گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، واقعی غیب کا حال جانتے ہیں۔ اگر یہ ایسے ہی غیب دان ہیں تو اپنی حالت کیوں نہیں سدھارتے؟ یہ سب جہالت اور کم علمی کی باتیں ہیں۔"

"اچھا۔" انتھونی نے غصے سے پروفیسر کی طرف دیکھا۔ "تم کیسے یہ کہہ سکتے ہو کہ تمام نجومی جھوٹ بولتے ہیں؟"

تھامس اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری طرف نکل گیا۔ اس نے دیکھا کہ کولنز لان سے پرے گھنے درختوں کی طرف جا رہا ہے۔ لان کے کنارے پہنچ کر اس نے زوراسکی کی طرف دیکھ کر ہولے سے سر کو جنبش دی اور پھر تاریکی میں غائب ہو گیا۔ تھامس تالاب کے کنارے پر کھڑا ہو کر چور نظروں سے زوراسکی کی طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد زوراسکی اپنی نشست سے اٹھا اور مہمانوں کی نظریں بچا کر درختوں کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ تھامس یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اسے زوراسکی سے اس قسم کی احمقانہ حرکت کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ وہ جلدی سے ان دونوں کے پیچھے ہی جنگل میں داخل ہو گیا۔

درختوں کے نیچے گہری تاریکی تھی۔ کچھ فاصلے پر اس نے ایک مدھم روشنی کو حرکت کرتے دیکھا۔ غالباً زوراسکی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھ رہا تھا۔ تھامس جھاڑیوں سے الجھتا اور بچتا بچاتا اس روشنی کے پیچھے چل پڑا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد آگے کچھ کھلی جگہ آ گئی جہاں ایک سایہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً یہ کولنز تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس سائے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ روشنی کا رخ زمین کی طرف تھا۔ تھامس ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ زوراسکی نے اس خطرناک جگہ کو بات چیت کے لئے کیوں منتخب کیا ہے۔

کچھ دیر تک دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ دفعتاً زوراسکی زور زور سے بولتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ ٹارچ کی روشنی اب سیدھی وکیل کولنز پر پڑ رہی تھی۔ تھامس یہ تو نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن اسے یہ ضرور اندازہ ہو گیا کہ وہ خوفزدہ ہے۔ وہ اس خطرناک کنارے کی طرف پیچھے ہٹ رہا تھا جو ساٹھ ستر فٹ گہرا تھا۔

یہ دیکھتے ہی تھامس اچھل کر اپنی جگہ سے نکلا اور برق سرعت کے ساتھ وکیل کولنز کی طرف بڑھا۔ قدموں کی آواز سنکر وکیل تیزی سے پیچھے مڑا۔ اس وقت تھامس اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ ذرا سا نیچے جھکا اور وکیل کے پیٹ میں پوری قوت سے ٹکر رسید کی۔ وکیل کے پیر اکھڑ گئے۔ اس نے تین چار قلابازیاں کھائیں اور کنارے کے اوپر سے لڑھک گیا۔ فضا میں ایک دردناک چیخ بلند ہوئی اس کے بعد ماحول پر مکمل سناٹا چھا گیا۔

"اوہ مالک۔" زوراسکی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نہ آتے تو کولنز نے مجھے ہلاک کر دیا تھا۔"

تھامس کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ تم نے یہاں آنے کی حماقت کیوں کی۔ اگر میں تمہیں اس طرف آتے ہوئے نہ دیکھتا تو تم مر چکے ہوتے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" زوراسکی نے کہا۔ "بات تو واقعی احمقانہ نظر آتی ہے۔ لیکن کولنز کئی سالوں سے میرا وکیل ہے۔ بظاہر اس پر شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس جگہ پر بات کرنے کی تجویز میں نے ہی پیش کی تھی میں ایک نوری معاملے پر اس سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ حیرت ہے کہ کولنز کو یہ کیا سوجھی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہی شخص اسکارپا تھا۔ پراسرار اسکارپا۔"

"عین ممکن ہے۔" زوراسکی نے کہا۔ "اگر یہ واقعی اسکارپا تھا تو اب میں نظر سے اوجھل ہوں۔ اتنا بڑا معاملہ اتنی آسانی سے ختم ہو گیا۔ تعجب ہے۔"

"بہرحال فوری طور پر کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔" تھامس نے کہا۔ "اب اس شخص کی لاش کا کیا ہو گا؟"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" زوراسکی نے کہا۔ "لاش جہاں ہے وہیں پڑی رہے گی۔ کچھ دیر کے بعد میں مختلف مہمانوں سے کولنز کے بارے میں پوچھوں گا۔ پھر خود ہی تلاش کروں گا کہ شاید وہ بغیر بتائے ہوئے چلا گیا ہے میں یہ بھی کہوں گا کہ وہ بہت زیادہ شراب پی رہا تھا۔ اگلے روز میں پولیس کو فون کر کے کولنز کی لاش کی برآمدگی کا ایک فرضی واقعہ پیش کر دوں گا اور یوں اس کی موت ایک اتفاقی حادثہ تصور کر لی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" تھامس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے واپس جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی آ جاؤں گا۔"

زوراسکی واپس چل پڑا۔ تھامس بھی کچھ فاصلہ چھوڑ کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ تقریباً تمام مہمان میوزک روم میں جمع تھے۔ تھامس بھی اندر داخل ہو گیا اور پرشوق نظروں سے مختلف قسم کے آلاتِ موسیقی کو دیکھنے لگا۔ پروفیسر اس کے قریب کھڑا تھا، اور پرزور الفاظ میں تعریف کر رہا تھا۔ تھامس بھی سر ہلاتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

پروفیسر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔

"ہیلو مسٹر گورڈن۔ تمہارا غیب دان عامل کہاں ہے؟ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ کوئی سمجھدار آدمی آجکل اس قسم کی باتوں پر اعتبار نہیں کرتا۔ مجھے تو یہ کیلکاس صاحب کوئی دھوکے باز معلوم ہوتے ہیں۔"

"روزی کمانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔" تھامس نے کہا۔

"لیکن بعض لوگ اس کے بہت معتقد ہیں،" پروفیسر نے گہری نظروں سے تھامس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کسی کے بارے میں بڑی خبر کی پیشگوئی کر دیتا ہے تو وہ سخت دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ تم نے تو اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا مسٹر گورڈن؟"

"میں حقیقت پسند آدمی ہوں پروفیسر۔" تھامس نے کہا۔ "اس قسم کی باتوں کا کبھی اثر نہیں لیتا۔"

تقریباً تمام مہمان کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جیکولین نے پیانو بجانا شروع کر دیا۔ تھامس کو موسیقی سے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا تاہم اس نے اندازہ لگایا کہ جیکولین اپنے فن میں واقعی ماہر تھی۔ اس کے ہاتھ نہایت صفائی اور آسانی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے۔

موسیقی کے اختتام پر حاضرین نے خوب زور زور سے تالیاں بجائیں۔ تھامس کرسیوں کے درمیان راستہ بناتا ہوا جیکولین کے قریب پہنچ گیا۔ وہ تاحال پیانو کے پیچھے بیٹھی تھی۔ انتھونی اور شہزادی اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے۔

"میں نے موسیقی کے بہت سے پروگرام سنے ہیں۔" انتھونی کہہ رہا تھا۔ "لیکن اتنا شاندار پیانو بجاتے کسی کو نہیں دیکھا۔ خصوصاً آخری حصہ بڑا لاجواب تھا۔"

"مجھے تمہاری بات سے سو فیصدی اتفاق ہے۔" تھامس نے کہا۔ "تم بہت اچھا پیانو بجاتی ہو۔"

جیکولین نے قدرے خم ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ۔"

"یہ جو انداز ہے۔" انتھونی الٹے ہاتھ کی انگلیاں پیانو پر پھراتا ہوا بولا۔ "یہ بہت ہی مشکل ہے۔ موسیقی کی زبان میں اس کا بڑا اچھا سا نام ہے اس وقت بھول رہا ہوں۔"

"اطالوی زبان کا لفظ ہے۔" شہزادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گلیسانڈو ۔۔۔"

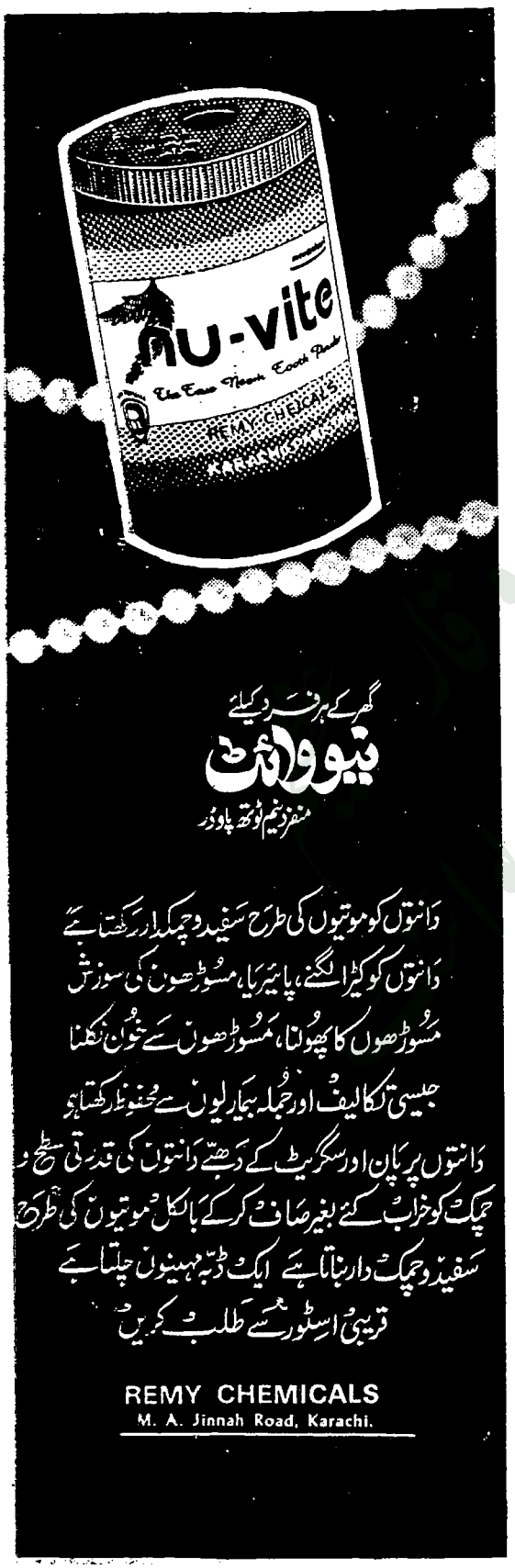

"جی، بالکل یہی لفظ ہے۔" جیکولین نے تصدیق کی۔ "یہ انداز اتنا مشکل بھی نہیں جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔"

"بچپن میں مجھے بھی پیانو بجانے کا بڑا شوق تھا۔" شہزادی نے کہا۔

تھامس نے محسوس کیا کہ انتھونی گہری نظروں سے اسے گھور رہا ہے

"مسٹر گورڈن۔" انتھونی نے کہا۔ "کیلکاس کی پیشگوئی کے بارے میں اب تمہارے کیا احساسات ہیں۔ کچھ خوف تو محسوس نہیں ہو رہا؟"

"کچھ بھوک محسوس کر رہا ہوں۔" تھامس نے مطمئن نظروں سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

زیادہ تر مہمان کمرے سے باہر نکل چکے تھے۔ تھامس نے ادھر ادھر دیکھا۔ زوراسکی وہاں موجود نہیں تھا۔ اسے فوراً ہی اپنی لاپرواہی کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے باہر نکل آیا۔ لان میں اور تالاب کے آس پاس دیگر مہمان بیٹھے باتیں کر رہے تھے لیکن زوراسکی وہاں موجود نہیں تھا۔ تھامس کو خیال آیا کہ میوزک روم میں دو اور دروازے تھے جو اندرونی کمروں کی طرف کھلتے تھے۔ سو وہ واپس میوزک روم میں آگیا اور ایک دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا۔ ایک کونے میں ٹی وی رکھا تھا۔ ایک طرف آتشدان بنا ہوا تھا اور دوسری طرف صوفہ سیٹ اور کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے کے اندر کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اچانک اسے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"کس کی تلاش ہو رہی ہے؟"

تھامس نے مڑ کر دیکھا۔ کمرے کی داہنی دیوار کے قریب پروفیسر مارس کھڑا ایک پرانی وضع کی موٹی سی بانسری کا معائنہ کر رہا تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آرہی تھی جس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ دوستانہ ہے یا طنزیہ۔!

"میں زرامیز بان کو دیکھ رہا تھا۔" تھامس نے جواب دیا۔ "سوچا جانے سے پہلے شکریہ ادا کر لوں۔"

"مسٹر زوراسکی غالباً باہر ہے۔" پروفیسر نے بانسری اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایک دوسری بانسری اٹھائی جو خاصی لمبی تھی اور سیاہ رنگ کی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ "کیا تم نے پہلے کبھی اس قسم کی بانسری دیکھی ہے؟ یہ تنزانیہ کی بنی ہوئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی آواز بڑی پراسرار ہوگی۔"

اس نے بانسری کو ہونٹوں سے لگالیا اور اس کو ہولے ہولے اونچا کرنے لگا۔ اس کا رخ سیدھا تھامس کی طرف تھا۔ تھامس کو پروفیسر کی یہ حرکت بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ پروفیسر کی آنکھوں میں، چہرے پر یا بانسری کو حرکت دینے کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی جس نے تھامس کو چوکنا کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خطرے میں ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا کہ خطرہ کہاں ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔ پھر جیسے ہی پروفیسر نے بانسری بجانے کے لئے گال پھلائے وہ ایک دم نیچے جھک گیا۔

اس نے محسوس کیا کہ کوئی شے سنسناتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے گذر گئی ہے۔ اس نے جلدی سے مڑ کر دیکھا، فرش پر ایک چھوٹا سا تیر پڑا تھا اس کی نوک تیز اور چمکدار تھی۔ تھامس نے اس تیر کو اٹھالیا اور پیچھے گھومنے کے ساتھ ہی اسے پروفیسر کی طرف سے مارا۔ تیر سیدھا پروفیسر کے سینے میں جا کر لگا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی آہ نکلی اور وہ سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ دیکھ کر تھامس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ چھوٹا سا تیر انتہائی مہلک زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور پروفیسر کے سینے سے تیر نکال کر اس کا مشاہدہ کرنے لگا۔ اس کی لمبائی تقریباً تین انچ کے قریب تھی۔ لوک تقریباً نصف انچ چوڑی تھی۔ ڈنڈی پیتل کی بنی ہوئی تھی۔ اگر وہ ذرا سی غفلت کر جاتا تو اس وقت پروفیسر کی جگہ اسکی لاش پڑی ہوتی۔ اور یہ پروفیسر...؟ یقیناً یہی اسکارپا ہے۔ اچانک پروفیسر کے جسم میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی اور وہ تھوڑی سی آنکھیں کھول کر تھامس کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔

"پروفیسر، تم اپنا نام جو کچھ بھی بتاؤ۔" تھامس نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اسکارپا ہو۔"

پروفیسر کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں تھامس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ باہر سے لوگوں کے بولنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے پروفیسر کے بے حرکت جسم کو کندھے پر لاد لیا اور بغلی دروازے سے نکل کر چند اندرونی کمروں سے ہوتا ہوا درختوں کے نیچے اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کی کار کھڑی تھی۔ عمارت کا یہ حصہ بالکل سنسان تھا۔ تمام مہمان اور ملازم لان میں مصروف تھے۔ تھامس نے پروفیسر کی لاش کو اپنی کار کی ڈکی میں بند کر دیا۔ اور اسی راستے سے واپس آگیا۔

میوزک روم سے پیانو کی مدھم آواز آرہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب قدرے ٹھٹھکا پھر اندر داخل ہو گیا۔ شہزادی پیانو کے پیچھے بیٹھی تھی۔

"ہیلو مسٹر گورڈن۔" اس نے تھامس کو دیکھتے ہی کہا۔ "یہ دیکھو میں کیا کر رہی ہوں۔؟"

تھامس ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"بچپن میں مجھے پیانو بجانے کا بہت شوق تھا۔" شہزادی نے کہا۔ "لیکن جب میں الٹی انگلیوں سے بجانے کی کوشش کرتی تو میری انگلیاں چھل جاتی تھیں۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ الٹے ہاتھ سے بجاتے وقت انگلیاں نہیں لگانی چاہئیں۔ صرف ناخن استعمال کرنے چاہئیں۔ اس طرح" اس نے ہاتھ الٹا کر کے تیزی سے پیانو پر پھیرا۔ پھر اس نے تھامس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے الٹا کر کے پیانو پر پھراتی چلی گئی۔ "اس طرح۔۔۔"

"اوہ۔!" تھامس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ اس کی انگلی پر سخت جلن سی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے ہاتھ چھڑا کر دیکھنے لگا۔ انگلی کے جوڑ پر کوئی تیز چیز چبھ گئی تھی اور اس میں سے خون بہنے لگا تھا۔ "میری انگلی زخمی ہو گئی ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے میں کمرے میں آئی تو مجھے ایک چھوٹا سا تیر پڑا ہوا نظر آیا۔" شہزادی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہاری انگلی اس تیر سے زخمی ہوئی ہے۔"

تھامس کا سر چکرانے لگا۔ اُسے ہر شے گھومتی محسوس ہو رہی تھی

شہزادی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم بہت تیز نکلے تھامس، مجھے یقین تھا کہ میرا نائب ماس تمہارے لئے کافی ہوگا۔ لیکن وہ ناکام ہو گیا بہرحال اب تمہیں میری برتری تسلیم کر لینی چاہیئے۔"

"کک .... کیا تم اسکارپا ہو؟" تھامس نے اٹک اٹک کر کہا۔ اُسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں زبردست دشواری پیش آ رہی تھی۔ "لل ..... لیکن تم ..."

"ہاں میں ایک عورت ہوں۔" شہزادی نے مسکرا کر کہا۔ "تم مرد اپنے آپ کو بہت اعلیٰ وارفع سمجھتے ہو۔ جب میں مردوں کو شکست دیتی ہوں تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔" تھامس اپنی انگلی پکڑے ہوئے فرش پر بیٹھ گیا

"آہ ... میں دیکھ رہی ہوں کہ تم پر غنودگی طاری ہو رہی ہے۔ عام طور پر میں اپنے تمام معاملات اپنے نائبین کے سپرد کر دیتی ہوں۔ ذاتی طور پر مجھے بہت کم میدان میں آنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

تھامس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

زوراسکی بہت خوش تھا۔ ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہوا تھا۔ اس نے بخوشی ایک لاکھ ڈالر ادا کر دیئے۔ یہ شرط اس نے ہارنے کے لئے ہی لگائی تھی۔ دو پیشہ ور قاتلوں کے درمیان مقابلے کا اچھوتا خیال اُسی کے دماغ کی پیداوار تھا۔ یہ بات اُس نے صرف تھامس کو میدان میں لانے کے لئے وضع کی تھی کہ اسکارپا کو اُس کے قتل کا کنٹریکٹ دیا گیا ہے۔

تھامس کی موت پر اسے کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشی تھی کیونکہ تھامس کی گولی سے اُس کی بہن ہلاک ہو گئی تھی۔ تھامس نے دانستہ اُس پر فائر نہیں کیا تھا۔ کچھ عرصے قبل اُس کا سامنا چند دوسرے مجرموں سے ہو گیا تھا اور اس نے بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی تھی۔ زوراسکی کی بہن جو اس موقع پر اتفاق سے ٹرک کے کنارے کھڑی تھی، تھامس کی گولی سے ہلاک ہو گئی۔

مرنے سے قبل تھامس زوراسکی کی خاصی خدمت کر گیا تھا۔ وکیل کولنز زوراسکی کے بعض رازوں سے آگاہ تھا اور کچھ عرصے سے اسے بلیک میل کر رہا تھا۔ وکیل کے ساتھ تنہا مقام پر ملاقات محض ایک چال تھی۔ زوراسکی کو معلوم تھا کہ تھامس ضرور ان کے پیچھے آئے گا۔ وکیل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اُس نے دانستہ خوف و ہراس کی اداکاری کی تھی۔ نتیجہ وہی نکلا جو وہ چاہتا تھا۔ یعنی تھامس نے اپنی دانست میں زوراسکی کا دفاع کرتے ہوئے وکیل کو ہلاک کر دیا۔

زوراسکی مسکراتے ہوئے کیلکاس کے بارے میں سوچنے لگا جسے اُس نے معمولی معاوضے پر تھامس کو دہشت زدہ کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اس پُرمسرت کامیابی پر زوراسکی نے ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا جس میں شہزادی اسکیگنولا عرف اسکارپا کو بھی مدعو کیا لیکن اسکارپا اپنے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھی کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

جب اُس نے تھامس کی انگلی زہر آلود تیر سے زخمی کی اور اسے اصلیت سے آگاہ کیا تو اُسے اپنے عقب میں ایک دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ اُس نے چور نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا تو زوراسکی کو گھورتے ہوئے پایا۔ گویا زوراسکی اس کی اصلیت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات تھی جو اسے کسی طور پر گوارا نہیں تھی۔ آج تک کوئی شخص اسکارپا کی اصلیت سے آگاہ نہیں تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا کام ادھورا رہ گیا تھا۔ زوراسکی کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ کیا وہ بغیر معاوضے کے اُسے قتل کرے گی؟ اس نے سوچا۔ نہیں! زوراسکی اپنے قتل کی ادائیگی خود ہی کر چکا ہے۔ ایک لاکھ ڈالر! ایک لاکھ ڈالر میں دو آدمیوں کا قتل ... کوئی بُرا سودا نہیں تھا۔ یہ اس کا اپنا معاہدہ تھا جس کی تکمیل اُسے خود ہی کرنی تھی۔

اُن خواتین کے لیے،

جو اپنے آپ کو سمجھنا چاہتی ہیں

اور وہ مرد جو خواتین کو سمجھنا چاہتے ہیں

عورتوں کی نفسیات

اُنہ سب کے لیے،

پڑھنا ضروری ہے:

اِس موضوع پر اب تک اِس سے اچھی کتاب نہیں لکھی گئی

اس کتاب کا دنیا کی ۱۶ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے

قیمت: ۸/۳۵ روپے مع محصول ڈاک

مکتبۂ نفسیات ۵۔ای ناظم آباد، کراچی

خالد شاد

زندگی کے لئے موت ضروری تھی

... کی کہانی جس نے اپنی موت کو خود آواز دی تھی

زندگی کی گاڑی رواں دواں رکھنے کے لئے رابرٹ بلائن کو دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ نوکری اور بیوی، دونوں چیزیں یکساں اہمیت کی حامل تھیں۔ ضروری نہیں تھا کہ نوکری ہی پہلے ملے۔ اگر بیوی پہلے مل جائے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔

نوکری کسی انشورنس کمپنی میں چاہتا تھا گو دوسری جگہ پر بھی مضائقہ نہیں تھا لیکن جس قسم کا پروگرام اُس کے ذہن میں تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انشورنس کمپنی کی نوکری زیادہ بہتر تھی۔ اُسے کسی بات کی جلدی نہیں تھی۔ نوکری ملنے کے بعد وہ پورے دو سال تک نہایت محنت اور ایمانداری سے کام کرنا چاہتا تھا تاکہ افسرانِ بالا کی نظر میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہوجائے۔ اُس کے بعد وہ مجوزّہ منصوبے پر عمل درآمد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

وہ بڑے سکون سے انتظار کی زحمت گوارا کرسکتا تھا کیونکہ اس منصوبے کے ذریعے وہ ایک لاکھ ڈالر کمانے کی توقع رکھتا تھا۔ اگر وہ کالج میں تعلیم مکمل کرلیتا اور باقاعدہ ملازمت کرتا تو اس کے باوجود دس سال کے اندر بھی اتنی بڑی رقم جمع نہیں کرسکتا تھا۔ بالفرض اگر وہ شب و روز محنت کرکے کچھ رقم جمع کرنے میں کامیاب بھی ہوجاتا تو وہ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور نت نئے ٹیکسوں کی نذر ہوجاتی اور یہ رقم اُسے یکمشت حاصل ہوگی اور بالکل ٹیکس فری۔ اس اعتبار سے دو سال کی مدت کچھ زیادہ نہیں تھی۔

رابرٹ ہندسوں کی ہیرا پھیری میں بہت ماہر تھا۔ اگر وہ اپنی اس صلاحیت کو کسی اچھے کام میں استعمال کرتا تو بہت کامیاب ثابت ہوتا لیکن ادھوری تعلیم کی وجہ سے اُسے کسی اہم پوسٹ پر نوکری کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے منصوبے کو دوسرے انداز میں مکمل کرنے کا عزم کیا۔ کئی روز کی کوشش کے بعد وہ حسبِ منشا ایک بہت بڑی انشورنس کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

انٹرویو لینے والی ایک چالیس سالہ خاتون تھی اور رابرٹ کا خیال تھا کہ قابلیت سے زیادہ اس کی پُرکشش شخصیت نوکری کے حصول کا ذریعہ بنی تھی۔ اس بات میں کسی حد تک صداقت بھی تھی۔ وہ پچیس سالہ خوبرو نوجوان تھا۔ بال سیاہ، آنکھیں خوبصورت اور آواز بڑی دِلکش تھی۔ وہ اپنی آواز کے ذریعے ہر قسم کے جذبات کا بڑی آسانی کے ساتھ اظہار کرسکتا تھا اور کسی اداکار کی طرح بڑی آسانی کے ساتھ چہرے کے تاثّرات کو اپنی مرضی کے مطابق ظاہر کرسکتا تھا۔

رابرٹ کو جس شعبے میں ملازم رکھا گیا تھا، اُس کے سربراہ کا نام ڈیوڈ فشر تھا اور اس کی ریٹائرمنٹ میں صرف آٹھ سال باقی رہ گئے تھے۔ ڈیوڈ کا نائب اسٹان کارپینٹر طویل القامت اور تنومند شخص تھا۔ اُسے ملازمت کرتے ہوئے پانچ سال ہوچکے تھے اور وہ ڈیوڈ کی جگہ لینے کا پورا پورا اہل تھا۔

رابرٹ نے اسٹان کے ساتھ دوستی کرنے میں بالکل دیر نہیں لگائی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص اُس کے لئے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ ملازمت کے پہلے ہی روز کافی کے دوران اُس نے اسٹان سے کہا۔ "تمہارا رنگ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم عموماً سمندر کے کنارے تفریح کرتے ہو۔"

"ہاں۔" اسٹان نے اعتراف کیا۔ "مجھے پیراکی کا بہت شوق ہے۔ کیا تمہیں بھی سمندر میں نہانے کا شوق ہے؟"

"مجھے سمندر سے بہت ڈر لگتا ہے۔" رابرٹ نے جھوٹ بولا۔ "اور مجھے تیرنا تو بالکل ہی نہیں آتا۔"

"بہت افسوس ہوا یہ سُن کر۔" اسٹان نے کہا۔ "سمندر میں نہانے کا بہت لطف آتا ہے۔ میں تو ہر ہفتے سمندر کے کنارے تفریح کرتا ہوں۔ خواہ گرمی ہو یا سردی۔ کسی روز میرے ساتھ چلو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں یہ تفریح بہت پسند آئے گی۔"

"تم کہتے ہو تو چلا جاؤں گا۔" رابرٹ نے کہا۔ "لیکن ابھی نہیں۔ ابھی کچھ روز مجھے دفتر کا کام سمجھنے کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ دو تین ہفتوں کے بعد چلوں گا۔"

اسٹان کے ساتھ بات چیت کے بعد رابرٹ کے ذہن میں ایک عمدہ منصوبہ جنم لینے لگا۔ اس منصوبے میں اسٹان لاعلمی میں اُس کا مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔ اب وہ منصوبے کی میعاد میں کمی بھی کرسکتا تھا لیکن پہلے شادی بہت ضروری تھی۔

بیوی کے انتخاب میں چند باتوں کا خیال رکھنا تھا۔ مثلاً وہ زیادہ چالاک نہیں ہونی چاہیئے اور فطری طور پر لالچی ہو۔ آخر الذکر خوبی کی لڑکی بڑی آسانی کے ساتھ مل سکتی تھی کیونکہ عام طور پر ہر لڑکی اس خوبی کو ساتھ لے کر ہی پیدا ہوتی ہے۔

نوکری بھی کرتی ہو تاکہ اخراجات میں تنگی محسوس نہ ہو کیونکہ رابرٹ اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ مجوزّہ منصوبے پر خرچ کرنا چاہتا تھا۔ اُس کی ہونے والی بیوی پُرکشش بھی ہونی چاہیئے۔ گو یہ بات زیادہ ضروری نہیں تھی تاہم اس سے صورتِ حال ذرا خوشگوار ہوجاتی۔

یہ لڑکی اُسے دو ماہ کے اندر ہی مل گئی۔ وہ اس انشورنس کمپنی میں اسٹینوگرافر تھی۔ خوبصورت اور پُرکشش تھی۔ بال ہلکے بھورے اور آنکھیں سبز رنگ کی تھیں۔ چہرہ بلی کی طرح تکون تھا۔ لیکن اس میں ایک ذرا سی خامی تھی۔ تھوڑی سی ہوشیار تھی۔ بہرحال رابرٹ نے اُس کی اس خامی کو دوسری خوبیوں کی وجہ سے گوارا کرلیا۔ اُس کا نام لِٹیا ہومز تھا۔ دوسری ہی ملاقات پر دونوں ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ ایک مہینے کے بعد رابرٹ نے شادی کی تجویز پیش کی تو لِٹیا خوشی سے دیوانی ہوگئی اور بے اختیار رابرٹ سے لپٹ گئی۔

اس وقت وہ رابرٹ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔

"شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تمہیں ملازمت جاری رکھنی ہوگی۔" رابرٹ نے کہا۔ "کیونکہ میری موجودہ تنخواہ اخراجات چلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ بہرحال تمہیں زیادہ دنوں تک انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" لیٹیا نے جواب دیا۔ "مجھے اُمید ہے کہ یہ صورتِ حال ہمیشہ نہیں رہے گی۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" رابرٹ نے کہا۔ "مجھے ذرا اپنے قدم مضبوط کر لینے دو۔ پھر شاید میں بھی نوکری کو خیرباد کہہ دوں۔"

"کیا مطلب؟" لیٹیا نے حیرت سے پوچھا۔

"انسان کی قسمت بدلتے دیر نہیں لگتی لیٹیا۔" رابرٹ نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ ہم راتوں رات دولتمند بن جائیں۔"

"اوہ ڈارلنگ! تم کتنے اچھے ہو۔" لیٹیا اُس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"تمہاری بات گو میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ضرور دولت کما سکتے ہو۔ شادی کے بعد ہم کسی پُرفضا مقام پر ہنی مُون منانے جائیں گے۔"

ہنی مُون کا ذکر سُن کر رابرٹ کچھ سنجیدہ ہوگیا۔ "میری جان! میرا خیال ہے کہ ہم ہنی مُون نہیں منا سکیں گے۔ مجھے چھٹی نہیں ملے گی۔"

لیٹیا کے چہرے پر مایوسی نمودار ہوگئی' وہ مُنہ بنا کر بولی "یہ کیسے ہو سکتا ہے' کیا تم ایک ہفتے کی چھٹی بھی نہیں لے سکتے۔ مجھے اُمید ہے کہ کمپنی ایک ہفتے کی چھٹی کے لئے انکار نہیں کرے گی۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد رابرٹ نے جواب دیا۔ "ڈارلنگ! میری ملازمت بہت مختصر ہے۔ میں ایک ہفتے کی چھٹی کا بھی حقدار نہیں ہوں۔ ہنی مُون ہم بعد میں بھی منا سکتے ہیں بلکہ بعد میں ہم زیادہ شان سے ہنی مُون منائیں گے۔"

"لیکن اصل ہنی مُون تو شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔" لیٹیا نے مُنہ بسور کر کہا۔ "بعد میں کیا مزہ آئے گا۔"

ہنی مُون نہ منانے کی دو وجوہ تھیں۔ رابرٹ کو مجوزہ منصوبے پر علاوہ آمد کے لئے زیادہ سے زیادہ پیسوں کی ضرورت تھی۔ اور دوم' وہ لیٹیا کے ساتھ زیادہ جذباتی تعلق استوار نہیں کرنا چاہتا تھا' کیونکہ اُس کا انتخاب رابرٹ نے صرف منصوبے کے لئے کیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ سچ مچ لیٹیا کو چاہنے لگا تو اُس کی قوتِ ارادی کمزور پڑ جائے گی اور وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال نہیں کر سکے گا۔

شادی کے دو ماہ بعد اسٹان نے رابرٹ کو سمندر کے کنارے تفریح کی دعوت دی۔ رابرٹ نے جواب دیا کہ وہ لیٹیا سے بات کرے گا۔ اگر وہ راضی ہوگئی تو پھر وہ دونوں اُس کے ساتھ جائیں گے۔

"میرا خیال ہے کہ تم اکیلے ہی چلے جاؤ رابرٹ!" لیٹیا نے رابرٹ کے پوچھنے پر جواب دیا۔ "بے چارہ اسٹان شادی شدہ نہیں ہے اس لئے میرا جانا مناسب نہیں۔ یوں بھی مردوں کو ہفتے میں ایک آدھ دن ضرور بیویوں سے الگ رہنا چاہیئے۔"

رابرٹ نے سوچا کہ یہ اچھا ہی ہوا۔ وہ لیٹیا اور اسٹان کو ایک دوسرے سے الگ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ گو اس میں بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ ہر اعتبار سے محتاط رہنا چاہتا تھا۔ تاہم اُس نے اپنے دلی خیالات کو ظاہر نہیں کیا اور کہا۔ "ڈارلنگ! تم واقعی ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گی؟"

"اُوں ہونہہ۔" لیٹیا نے جواب دیا۔ "میں سمندر کے کنارے نہیں جانا چاہتی' میرے جانے سے تم لوگوں کی تفریح بھی بدمزہ ہوگی۔"

اتوار کی صبح رابرٹ' اسٹان کے ہمراہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ اسٹان نے مچھلی کے شکار کا سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں مچھلی کے شکار کی کوشش کرتے رہے مگر کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر مچھلی کے شکار کا سامان رکھ دیا گیا اور اسٹان نے سمندر میں نہانے کی تجویز پیش کی۔

"میرا خیال ہے کہ تم اکیلے ہی نہا لو۔ مجھے اچھی طرح تیرنا نہیں آتا۔" رابرٹ نے جھوٹ بولا حالانکہ وہ مچھلی کی طرح پانی میں تیر سکتا تھا۔ "سمندر میں جاتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"تم کیوں فکر کرتے ہو۔" اسٹان نے کہا۔ "میرے ہوتے ہوئے تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنے کالج کی سوئمنگ ٹیم کا بہترین ممبر تھا اور بعد میں ایک طویل عرصے تک لائف گارڈ کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہوں۔"

تھوڑی سی پس و پیش کے بعد رابرٹ راضی ہوگیا۔ دونوں دو گھنٹے تک پانی کے اندر نہاتے رہے۔ اسٹان' رابرٹ کو پیراکی کا طریقہ سکھاتا رہا۔ اور رابرٹ دل ہی دل میں ہنستا رہا۔

بعد ازاں دونوں میں گہری دوستی ہوگئی اور وہ ہر ہفتے اکھٹے سمندر کی تفریح پر جانے لگے۔ ایک دن اسٹان نے رابرٹ سے کہا۔ "رابرٹ! اب تو تم اس طرح پانی میں کُود پڑتے ہو' جیسے تمہاری ساری زندگی ہی پانی کے اندر گزری ہے۔"

اور یہ بات درست بھی تھی۔ رابرٹ نے دس سال کی عمر میں تیرنا سیکھا تھا۔ وہ فلوریڈا کے ساحل پر تیراکی کیا کرتا تھا۔ وہ ایک ماہر غوطہ خور بھی تھا۔ اور پانچ سال تک غوطہ خوری کے مقابلے میں اوّل آتا رہا تھا۔ ایک دن رابرٹ نے تجویز پیش کی کہ انہیں ساحل کے دُور افتادہ حصّے میں جا کر مچھلی کا شکار کھیلنا چاہیئے۔ وہ ایک پُرسکون جگہ تھی۔ وہاں بہت کم لوگ تفریح کرنے جاتے تھے۔

"یہاں اور وہاں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔" اسٹان نے اعتراض کیا۔

"پھر بھی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔" رابرٹ نے کہا۔ "نئی جگہ پہ زیادہ مزہ آتا ہے۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ ہم ہفتے کی رات بھی وہیں گزاریں گے۔"

"خیال تو بُرا نہیں ہے۔" اسٹان نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگلی مرتبہ ہم تمہاری پسندیدہ جگہ پر ڈیرہ لگا دیں گے۔ مقصد تو تفریح کرنا ہی ہے۔"

اگلے چند روز کے اندر رابرٹ نے سب سے پہلے تو پچاس ہزار ڈالر کی ایک بیمہ پالیسی خرید لی۔ پالیسی اُسی کمپنی سے خریدی تھی جس میں وہ کام کرتا تھا۔ حادثاتی موت کی صورت میں اُس کا وارث دُگنی رقم کا حقدار تھا یعنی ایک لاکھ ڈالر۔

لیٹیا نے اتنی بڑی پالیسی پر اعتراض بھی کیا۔ اُس نے لیٹیا کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "حال ہی میں مجھے اپنے ایک چچا کی وفات پر اُس کی جائیداد میں سے خاطر خواہ حصّہ ملا ہے۔ اس رقم سے میں انشورنس کا پریمیم ادا کر سکتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ تم یہ بات سُن کر خوش ہوگی لیکن تم نے تو اُلٹے سیدھے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔"

"نہیں نہیں' ایسی بات نہیں۔ مجھے یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔" لیٹیا نے کہا۔ پھر وہ بھنویں سکیڑ کر سوچنے لگی۔ "کیا یہی وہ دولت تو نہیں جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ ہم راتوں رات دولتمند بن جائیں گے؟"

"نہیں نہیں۔" رابرٹ نے جواب دیا۔ "یہ تو بڑی معمولی سی رقم ہے۔ جس دولت کا میں نے ذکر کیا تھا وہ واقعی بہت بڑی ہوگی اور ہم فی الحقیقت دولتمند بن جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔" لیٹیا نے کہا۔ "صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔ کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

رابرٹ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کئی دنوں سے لیٹیا کو اپنے منصوبے کی تفصیلات بتانے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ کیونکہ لیٹیا کو اعتماد میں لئے بغیر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے کہا۔

"میری جان! بات یہ ہے کہ اس دنیا میں دولت کے بغیر زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔ اب دیکھو، ہم دونوں دن بھر محنت کرتے ہیں، تب جا کر کہیں اتنی رقم ملتی ہے کہ اپنے ضروری اخراجات پورے کر سکیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" لیٹیا نے کہا۔ "لیکن دولت آئے گی کہاں سے؟"

"سنو!" رابرٹ نے رازداری سے کہا۔ "میں نے دولت حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ بڑا عمدہ منصوبہ ہے — یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں نے پچاس ہزار ڈالر کی بیمہ پالیسی خریدی ہے۔ اس پالیسی کی رُو سے اگر میں کسی حادثے میں ہلاک ہو جاتا ہوں تو بیمہ کمپنی تمہیں دُگنی رقم ادا کرے گی۔"

"لگ — کیا مطلب؟ کیا مطلب؟ کیا تم کسی حادثے میں ہلاک ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"نقلی حادثہ اور نقلی موت۔" رابرٹ نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ آجکل میں مسٹر اسٹان کے ساتھ سمندر کے کنارے تفریح کرنے جاتا ہوں۔ پروگرام یہ ہے کہ میں اسٹان کے سامنے سمندر میں ڈوبنے کا ڈرامہ کھیلوں گا۔ یہ منظر بالکل حقیقی اور اصلی نظر آئے گا اور اسٹان چونکہ اس "حادثے" کا چشم دید گواہ ہوگا اس لئے کوئی اس حادثے کو خودکشی قرار نہیں دے گا۔ بلکہ مجھے اُمید ہے کہ خودکشی کے شعبے کو معاملے کی تحقیقات کی تکلیف بھی نہیں دی جائے گی۔ بالفرض اگر وہ تحقیقات کرتے بھی ہیں تو انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری زندگی میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے میرے لئے خودکشی کا جواز نکلتا ہو۔ میں صحت مند ہوں، برسرِ روزگار ہوں، میرے ماضی میں کوئی ناکامی یا مایوسی نہیں۔ میرا مستقبل خوش آئند ہے اور میں ایک خوبصورت بیوی کا شوہر ہوں۔" وہ لیٹیا کی ٹھوڑی پکڑ کر مُسکرایا۔ "چونکہ میں کمپنی کا ملازم ہوں اس لئے تمہیں بیمے کی رقم فوراً مل جائے گی۔"

"لیکن ایک بات پر تم نے شاید غور نہیں کیا۔" لیٹیا نے کہا۔ "شاید تمہیں معلوم ہوگا کہ — اسٹان بڑا اچھا پیراک ہے۔ وہ تمہیں ڈوبتا دیکھ کر بچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تمہارا ڈرامہ ناکام ہو جائے۔"

"یہی تو اس منصوبے کا خوبصورت پہلو ہے۔" رابرٹ نے کہا۔ "— اسٹان کوشش کے باوجود مجھے "بچانے" میں ناکام رہے گا۔ اور اس "حادثے" کے بارے میں اُس کا بیان اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر دے گا۔"

"اوہ، ڈارلنگ! تم واقعی جینئس ہو۔" لیٹیا خوشی سے مُٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی۔

"ذرا سوچو، ایک لاکھ ڈالر سے ہم دنیا بھر کی خوشیاں خرید سکیں گے۔" رابرٹ نے کہا۔ "کار خرید سکتے ہیں، بنگلہ خرید سکتے ہیں، دنیا کی سیر کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ اپنی پسند کی ہر چیز خرید سکتے ہیں۔"

اچانک لیٹیا سنجیدہ ہو گئی اور بولی۔ "لیکن یہ تو کھلا کھلا فراڈ ہے۔"

"فراڈ تو ہے۔" رابرٹ شوخ نظروں سے اُسے دیکھتا ہوا بولا۔

دو تین دن کے اندر اُس نے لیٹیا کو قائل کر لیا۔ اور وہ پوری طرح اُس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی۔ پھر اُس نے اسٹان کے ساتھ مل کر تفریح کا خاصا لمبا پروگرام بنا لیا۔ پروگرام کے مطابق انہیں جمعے اور ہفتے کی رات ایک ساحلی ہوٹل میں گزارنی تھی۔

پروگرام سے ایک ہفتہ قبل رابرٹ نے لیٹیا کی مدد سے اپنے چہرے اور لباس میں نمایاں تبدیلیاں کر لیں۔ سر پر بھورے رنگ کی وگ پہن لی۔ جس میں کچھ سفید بال بھی تھے۔ چہرے پر گھنی مونچھیں لگا لیں۔ وہ بھی بھورے رنگ کی تھیں۔ اُن کے اندر بھی چند سفید بال تھے۔ پھر اُس نے ایک بڑے سے سوٹ کیس میں کچھ ضروری کپڑے رکھے اور ایک پرانا سا ٹائپ رائٹر لیکر ایک ساحلی ہوٹل میں پہنچ گیا۔ یہ ہوٹل اس مقام سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا جو اُس نے تفریح کے لئے منتخب کیا تھا۔

اس نے نقلی نام سے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور ہوٹل کے مالک کو بتایا کہ وہ ایک اسکول ٹیچر ہے اور آجکل ایک کتاب لکھ رہا ہے اس لئے اُس نے اس پُرسکون مقام کو رہائش کے لئے منتخب کیا ہے۔ ہوٹل کے مالک کو اس بات سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُسے تو صرف کرائے سے مطلب تھا۔ رابرٹ نے ایک ماہ کا کرایہ پیشگی جمع کرا دیا اور سامان کمرے میں رکھ دیا۔

دوپہر کے بعد وہ آس پاس کا جائزہ لینے نکل گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی چٹان پانی کے اندر تک چلی گئی تھی۔ اس کے دوسری طرف وہ جگہ تھی جہاں اُس نے اسٹان کے ساتھ تفریح کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ جگہ ویران اور سنسان تھی۔ تفریح کرنے والے لوگ بہت دُور فاصلے پر نظر آتے تھے۔

شام ہونے کے بعد اس نے اپنا سامان ہوٹل میں ہی رہنے دیا اور بس میں بیٹھ کر واپس لاس اینجلز پہنچ گیا۔ جو سامان اُس نے ہوٹل میں چھوڑا تھا اُس میں کپڑوں کے علاوہ ویسی ہی نقلی مونچھیں اور وگ بھی تھی جو اُس نے پہن رکھی تھی۔

جب وہ اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچا تو لیٹیا کو اپنا منتظر پایا۔ سب سے پہلے اُس نے اپنا میک اپ صاف کیا اور نقلی مونچھوں اور وگ کو ضائع کر دیا۔ لیٹیا کھی کھی کرتی ہوئی بولی۔ "اگر میں نے بھیس بدلنے میں تمہاری مدد نہ کی ہوتی تو شاید تمہیں دیکھ کر ڈر جاتی اور کبھی اپنے اپارٹمنٹ میں گھسنے نہ دیتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا منصوبہ کامیاب رہے گا۔" رابرٹ نے کہا۔

"اوہ ڈارلنگ!" لیٹیا نے خود کو رابرٹ کی بانہوں میں گراتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ ہم واقعی ایک لاکھ ڈالر حاصل کر لیں گے۔"

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" رابرٹ نے خوش ہو کر کہا۔ "ہمارا منصوبہ یقیناً

کامیاب ہوگا، ناکام ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔"

پھر وہ سگریٹ سُلگا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ رقم ہاتھ میں آنے کے بعد لنڈا کو بھی راستے سے ہٹانا تھا۔ گو یہ خاصا مشکل کام تھا تاہم اُسے اُمید تھی کہ اس میں وہ کامیاب ہوجائے گا۔

جمعے کی سہ پہر رابرٹ، اسٹان کے ہمراہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ اس مرتبہ رابرٹ اپنی کار میں اُسے لیکر گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ اسٹان کی کار میں جایا کرتے تھے۔ اپنی کار استعمال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اُس نے کار کی ڈکی میں غوطہ خوری کا سامان چھُپا رکھا تھا۔ اس سامان کو وہ منصوبے کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

چونکہ وہ دو راتیں ساحل پر گزارنا چاہتے تھے اس لئے ایک سستے سے ساحلی ہوٹل میں دو کمرے کرائے پر حاصل کر لئے۔ اسٹان کا خیال تھا کہ ایک کمرہ ہی کافی ہوگا لیکن رابرٹ نے بہانہ کیا کہ وہ علیحدہ کمرے میں سونے کا عادی ہے۔ گھر کے اندر بھی اُس کا کمرہ الگ ہے۔

رات کے کھانے کے بعد دونوں کچھ دیر تک ساحل پر چہل قدمی کرتے رہے پھر اپنے اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے۔ نصف رات کے قریب جب سب لوگ سو گئے تو رابرٹ چپکے سے باہر نکل گیا۔ اُس نے اپنی کار کے اندر سے غوطہ خوری کا سامان نکالا اور اُسے لیکر سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ چاروں طرف تاریکی اور خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے کپڑے اُتار کر ریت میں چھُپا دیئے اور غوطہ خوری کا لباس پہن کر پانی کے اندر داخل ہوگیا۔ تقریباً دو سو گز تک اندر جانے کے بعد وہ تہہ میں جاکر کھڑا ہوگیا اور واٹر پروف ٹارچ سے آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک صاف سُتھری جگہ منتخب کر کے غوطہ خوری کا سامان اتارنے لگا۔ ساری چیزیں اتارنے کے بعد اُس نے ایک لمبا سانس لیا اور ٹینک کا والو بند کرنے کے بعد ماؤتھ پیس بھی اُتار کر رکھ دیا اور تیزی سے سطح پر آگیا۔

ساحل پر پہنچنے کے بعد اُس نے ایک بڑا پتھر نشان کے طور پر وہاں رکھ دیا تاکہ غوطہ خوری کے سامان تک پہنچنے میں اُسے کوئی دقت نہ ہو۔ ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا اور چپکے سے واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

اگلے روز علی الصباح وہ اسٹان کے ہمراہ مچھلی کے شکار کا سامان لے کر ساحل پر پہنچ گیا۔ اسٹان کا خیال تھا کہ صبح کا وقت مچھلی کے شکار کے لئے بہت موزوں ہوتا ہے۔ رابرٹ بھی خوش تھا کیونکہ یہ وقت اُس کے منصوبے کے لئے بھی بہت موزوں تھا۔

اُس وقت ساحل پر بہت کم لوگ نظر آرہے تھے جن میں سے زیادہ تر شکار ہی کھیل رہے تھے۔ رابرٹ نے اِدھر اُدھر نظر اُٹھا کر دیکھا۔ پانی کے اندر نہانے والا کوئی نہیں تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسٹان کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیلتا رہا پھر انگڑائی لے کر بولا "یار بڑی سُستی ہورہی ہے۔ ابھی تک نیند کا خمار باقی ہے، میرا خیال ہے کہ ایک ڈبکی لگانے کے بعد جسم میں چُستی آجائے گی۔"

"ابھی تو ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔" اسٹان نے کہا۔ "تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، میں بھی تمہارے ساتھ ہی نہاؤں گا۔"

"مچھلیاں انتظار کرسکتی ہیں۔" رابرٹ کپڑے اُتارتے ہوئے بولا۔ "تم شکار کرو۔ میں تو نہاؤں گا۔"

اُس نے کپڑے اُتار کر ساحل پر رکھ دیئے اور تیراکی کے لباس میں پانی کے اندر داخل ہوگیا۔ وہ ٹھیک اُس پتھر کے سامنے سے سمندر میں داخل ہوا تھا جو رات کو نشانی کے طور پر اُس نے وہاں رکھا تھا۔ اب اُس کی جیب میں صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک چھوٹی سی کمپاس اور دوسری ہوٹل کے کمرے کی چابی۔ جب وہ ذرا گہرے پانی میں چلا گیا تو اسٹان نے آواز لگائی۔

"ذرا احتیاط سے رابرٹ! یہ جگہ بڑی خطرناک ہے۔"

"فکر نہیں کرو استاد! زیادہ دُور نہیں جاؤں گا۔"

مقررہ جگہ پر پہنچنے کے بعد اُس نے پیچھے کی طرف دیکھا اور ایک گہرا سانس لینے کے بعد غوطہ لگا دیا۔ اس وقت وہ ایک بڑی سی لہر کے عقب میں تھا اس لئے اسٹان کو فوری طور پر کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ رابرٹ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ تاہم رابرٹ کو معلوم تھا کہ اسٹان ایک مشاق پیراک ہے اور وہ اس کی تلاش میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ پس وہ جلدی سے اُس مقام پر پہنچا جہاں غوطہ خوری کا سامان رکھا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے ماؤتھ پیس کو مُنہ پر چڑھایا پھر آکسیجن ٹینک کا والو کھول دیا۔

چند لمحوں کے اندر وہ کمپاس کی مدد سے آگے بڑھ رہا تھا۔ گاہے گاہے پیچھے مُڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا لیکن ابھی تک اسٹان وہاں نمودار نہیں ہوا تھا۔ چند منٹ کے اندر وہ تقریباً چار فرلانگ دُور نکل گیا۔ پھر چٹان کے دوسری طرف پہنچ کر کنارے پر نکل آیا۔ اس کی توقع کے مطابق وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ کسی نے اُسے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔

اس نے غوطہ خوری کا لباس جسم سے الگ کیا اور اُسے ریت میں دبا دیا۔ پھر وہ بظاہر لاپرواہی کے ساتھ سمندر کے کنارے ٹہلتا ہوا اُس ہوٹل کی طرف بڑھنے لگا جس میں اُس نے کمرہ لیا تھا۔ ہوٹل کے قریب اسکول کے چند لڑکے پانی میں نہا رہے تھے۔ کچھ لوگ کنارے پر غسلِ آفتابی کر رہے تھے۔ اُن میں سے کسی نے اُس کی طرف خاص توجہ نہیں دی۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ دروازہ بند کرتے ہی اس نے خوشی کا سانس لیا اور جلدی جلدی سر پر نقلی بال اور چہرے پر نقلی مونچھیں لگانے لگا۔ وہ اس مہم سے خاصا تھک چکا تھا اور جی بھر کر آرام کرنا چاہتا تھا لیکن آرام کرنے سے پہلے بھیس بدلنا بہت ضروری تھا۔

منصوبے کا بڑا حصہ مکمل ہوچکا تھا۔ اب اُسے چوبیس گھنٹے اسی بھیس میں گزارنے تھے، انتظار کرنا تھا اور یہ اُس کی زندگی کا تکلیف دہ انتظار تھا۔ اس نے لنڈا کو سختی سے ہدایت کردی تھی کہ وہ انشورنس کی رقم وصول کرنے سے قبل ہرگز اُس کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ فون کے ذریعے

بھی نہیں۔ رقم وصول کرنے کے بعد بھی اس بات کا اطمینان ضرور کرلے کہ کہیں اُس کی نگرانی تو نہیں کی جارہی۔

اگلے روز اخبار میں اُس کی "موت" کے بارے میں ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی۔ اس خبر میں مسٹر اسٹان کا بیان بھی تھا۔ اُس نے اخبار کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا۔ "ڈوبنے سے پہلے رابرٹ نے مدد مدد پکارا تھا۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا تو سمندر کی بے رحم لہریں اُسے کہیں دُور لے جاچکی تھیں۔ میں کافی دیر تک اُسے تلاش کرتا رہا لیکن وہ دوبارہ سطح پر نہیں آیا۔ اُس کی بے وقت موت کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اگر میں بروقت اُسے روک دیتا تو یہ المناک حادثہ پیش نہ آتا۔ رابرٹ نوجوان تھا اور کمپنی میں اُس کا مستقبل بڑا شاندار تھا۔"

رابرٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "میرا مستقبل اب بھی بڑا شاندار ہے دوست۔" اُس نے ہولے سے کہا۔ "تمہارے تصور سے بھی زیادہ شاندار۔"

دو روز تک اُس کی "لاش" کی تلاش کی جاتی رہی۔ بالآخر یہ فرض کرلیا گیا کہ یا تو اُسے کسی سمندری مخلوق نے کھالیا ہے، اور یا لہریں بہا کر دُور لے گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد اُس کی لاش خود بخود سطح پر آجائے۔ تین روز بعد اخبار میں اُس کے متعلق کوئی خبر شائع نہیں ہوئی۔ گویا یہ حادثہ پرانا اور غیر دلچسپ ہوگیا تھا۔

رابرٹ اپنا زیادہ وقت کمرے کے اندر ہی گزارتا۔ اخبارات و رسائل پڑھتا یا آرام کرتا۔ گاہے گاہے ٹائپ مشین پر اِدھر اُدھر کی خبریں بھی ٹائپ کرتا رہتا تاکہ ہوٹل کا مالک کسی شک میں مبتلا نہ ہو اور یہی سمجھے کہ وہ واقعی کتاب لکھ رہا ہے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ سمندر کے کنارے سیر کے لئے نکل جاتا یہ انتظار بڑا تکلیف دہ تھا۔ لیکن ایک لاکھ ڈالر کا تصور اس ساری تکلیف کو دُور کردیتا تھا۔ وہ سوچتا رقم ہاتھ میں آتے ہی وہ لیٹیا کے ہمراہ کسی دوسری ریاست میں چلا جائے گا اور سب سے پہلے کسی نئے نام سے اپنے شناختی کاغذات تیار کروائے گا۔ پھر کسی لمبے سفر پر نکل جائے گا۔ میکسیکو ٹھیک رہے گا۔ لیٹیا کے بارے میں تاحال اُس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ سردست وہ اُسے اپنے ساتھ ہی رکھے گا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اُسے چھوڑ کر غائب ہوجائے گا۔ وہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کرے گی کیونکہ وہ بھی اس کے جرم میں برابر کی شریک ہے۔

انتظار کچھ طویل ہوگیا۔ شاید کوئی بات بگڑ گئی تھی۔ اتنے عرصے میں عام طور پر کلیم کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ پورے نو دن ہوچکے تھے۔ رابرٹ کے دل میں طرح طرح کے اندیشے جنم لینے لگے۔ ہوسکتا ہے کہ لیٹیا کی نگرانی کی جارہی ہو۔ کئی دفعہ اُس کے دل میں لیٹیا کو فون کرنے کا خیال آیا اور ہر مرتبہ اُس نے اس خواہش کو دبادیا۔ ذرا سی غلطی سے سارا معاملہ بگڑ سکتا تھا۔ دوسری طرف اُس کے پاس جو پیسے تھے وہ بھی ختم ہوتے جارہے تھے۔

پھر ایک رات کسی نے ہولے سے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن لیٹیا کی جگہ اسٹان اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ایکدم بوکھلا گیا۔

"چپ چاپ اندر چلے چلو۔" اسٹان نے ہولے سے کہا۔ "میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو میں فائر کردوں گا۔"

رابرٹ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسٹان نے دروازہ بند کردیا۔ اور مسکراتے ہوئے رابرٹ کو گھورنے لگا۔ اُس نے ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے اور داہنے ہاتھ میں پستول پکڑ رکھا تھا۔ رابرٹ پاگلوں کی طرح اسٹان کو گھور رہا تھا۔ اس کا دماغ بالکل کام نہیں کررہا تھا۔

"مم..... میں سمجھا نہیں۔" رابرٹ نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ذرا دماغ پر زور دو۔" اسٹان نے کہا۔ "سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ مسٹر رابرٹ! تمہارا حلیہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"کک..... کیا لیٹیا نے تمہیں..... سب کچھ بتادیا ہے؟"

"سمجھ دار ہو۔" اسٹان نے کہا۔ "میرے اور لیٹیا کے درمیان آجکل کوئی غیریت نہیں۔ ہم ایک دوسرے کے رازدار ہیں۔"

"لل..... لیکن وہ تو میری بیوی ہے۔"

اسٹان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "جس روز سے وہ "بیوہ" ہوئی ہے مجھے اُس کے ساتھ بڑی گہری ہمدردی ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا "مرحوم" دوست کی بیوہ کو سہارا دینا میرا فرض ہے۔ تمہاری بے وقت موت نے اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی روشنی چھین لی تھی۔"

"اوہ، میرے مالک!" رابرٹ نے کہا۔ "تو کیا وہ کلیم کی رقم نہیں ملی؟"

"کیوں نہیں۔" اسٹان نے کہا۔ "کلیم کی رقم مل چکی ہے، پورے ایک لاکھ ڈالر۔ تم سے ایک غلطی ہوگئی رابرٹ! تم نے لیٹیا کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُسے پیسوں سے زیادہ محبت کی ضرورت تھی۔ لیکن تم نے اُسے محبت نہیں دی۔ شاید تمہارے پاس محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔" پھر وہ پُرخیال نظروں سے رابرٹ کو گھورتا ہوا بولا۔ "جب میں تعزیت کرنے لیٹیا کے پاس گیا تو..... اُس وقت یہ انکشاف ہوا کہ میرے اور لیٹیا کے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے ابھی تک ایک دوسرے کو دریافت کیوں نہیں کیا تھا۔"

"اور اب ــــ؟" رابرٹ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اتنے بھی احمق نہیں۔" اسٹان نے کہا۔ "تم اس سوال کا جواب جانتے ہو۔ مجھے تمہاری بے وقت موت پر سخت افسوس ہے۔"

رابرٹ کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ "تت..... تم یہ رقم ہضم نہیں کرسکتے۔ میرے ہوتے ہوئے تم یہ جرأت نہیں کرسکتے۔"

"سچ کہا۔" اسٹان نے کہا۔ "تمہارے ہوتے ہوئے واقعی یہ جرأت نہیں کی جاسکتی اور میری یہاں آمد کا مقصد بھی یہی ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق تمہیں مرے ہوئے تین ماہ سے اوپر ہوچکے ہیں۔ اور اب ــــ!" وہ پستول سیدھا کرتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں وہاں پہنچانے آیا ہوں جہاں ریکارڈ کے مطابق تمہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی سمندر کی تہہ میں۔"

سے گفتگو کرنے کا فن آتا تھا۔ چھ سات سال کی سروس میں اسے بہت سے مردوں سے سابقہ پڑا تھا اور وہ اپنے آپ کو ان کی بہترین نباض خیال کرتی تھی۔ اس کی خاص خوبی یہ تھی کہ وہ مرد کی فطرت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھ کر ان تمام توقعات اور کمزوریوں کو پہچان لیتی تھی جن کا خیال کرکے وہ مردوں کو گویا اپنی مٹھی میں کر لیتی تھی۔

سردار صاحب سے اس کی شادی کو دو سال گزر چکے تھے اور سردار صاحب کا خیال تھا کہ یہ اُن کی زندگی کے بہترین دو سال تھے۔ گھر کے انتظام سے لے کر فیکٹری کے معاملات تک میں روبینا نے اپنے آپ کو ایک بہترین منتظم اور سلیقہ شعار عورت ثابت کر دیا تھا لیکن اس کے ساتھ وہ کچھ شکی طبیعت کی مالک بھی تھی، اس لئے سردار صاحب کی خواہش کے باوجود اس نے اپنی جگہ کسی دوسری عورت کو نہیں بلکہ ایک مرد کو سردار صاحب کا سیکریٹری مقرر کیا تھا۔ اس کا نام ممتاز تھا اور وہ بھی ایک اچھا سیکریٹری ثابت ہوا تھا۔

لیکن جہاں ایک طرف سردار صاحب کو ذاتی طور پر اس شادی سے بہت سے آرام اور خوشیاں حاصل ہوئی تھیں وہیں ایک دُکھ بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ ان کے لڑکے اختر کو اس شادی سے شدید اختلاف تھا، اس نے پہلے تو سردار صاحب کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور جب اس میں ناکام رہا تو فیکٹری سے استعفٰی دے کر شہزاد نگر واپس چلا گیا جہاں اس کے ننھیالی عزیز رہتے تھے۔ سردار صاحب کا خیال تھا کہ وقت گزرنے پر اختر کا غصہ بھی ختم ہو جائے گا۔ روبینا کا اچھا سلوک اختر کو ایک نہ ایک دن ضرور اظہارِ ندامت پر مجبور کر دے گا مگر ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ اختر کو شہزاد نگر گئے دو سال ہو چکے تھے اور ان دو برسوں میں اس نے ایک دن کے لئے بھی اپنے باپ کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔

سردار صاحب نے آخری خط پر دستخط کرتے ہوئے فائل اپنے سیکریٹری ممتاز کی طرف بڑھا دی، جو قریب ہی مؤدب انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"ان میں سے جو ضروری خط ہیں انھیں ابھی پوسٹ کرا دینا۔" سردار صاحب نے کہا اور اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی، پانچ بجنے والے تھے۔

"بہتر جناب۔"

"تم نے مہربان خان سے کہہ دیا تھا کہ وہ ٹھیک پانچ بجے کار لے آئے۔"

"جی ہاں۔"

"اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔؟"

"جی نہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ میں گھر جا رہا ہوں۔ اگر لطیف صاحب کا فون آئے تو اُن سے کہہ دینا کہ وہ گھر پر رِنگ کر لیں۔"

"بہت اچھا۔"

سردار صاحب کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ اب ممتاز جا سکتا ہے۔ وہ فائل اٹھائے باہر چلا گیا۔ سردار صاحب دفتر سے ملحق ٹوائلٹ روم میں گئے، منہ ہاتھ دھویا۔ ٹائی کی گرہ درست کی۔ الماری سے کوٹ نکال کر پہنا اور اپنا بریف کیس سنبھالتے ہوئے آفس سے نکل آئے۔ بیشتر اسٹاف جا چکا تھا۔ صرف ممتاز، ایک ڈسپیچ کلرک اور ایک چپراسی بیرونی آفس میں موجود تھے۔ ان کے سلام قبول کرتے ہوئے سردار صاحب راہداری میں آ گئے۔ زینے سے نیچے اُترے۔ فیکٹری کی عمارت دو حصوں میں منقسم تھی، ایک حصہ میں قالین بافی کا کام ہوتا تھا اور دوسرا حصہ دفتری کاموں کے لئے مخصوص تھا اسی حصہ میں فیکٹری کی کینٹین بھی واقع تھی۔ سائیکلیں، موٹر سائیکلیں، اسکوٹر اور کاریں کھڑی کرنے کے لئے عقب میں ایک شیڈ بنا ہوا تھا۔ ترتیب اس طرح تھی کہ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ٹائم کیپر آفس کے بعد دفتری عمارت سامنے آتی تھی اس کے پیچھے فیکٹری تھی، آفس کی عمارت اور فیکٹری کے ایک سائڈ میں پارکنگ شیڈ تھا۔ سردار صاحب باہر نکلے تو اُن کا ڈرائیور گہرے نیلے رنگ کی شاندار بیوک کار لئے موجود تھا۔ سردار صاحب کی عادت تھی کہ اگر وہ خود کہیں جا رہے ہوتے تھے تو کار خود ہی چلاتے تھے۔

مہربان خان نے انھیں آتے دیکھا تو سلام کرتے ہوئے جلدی سے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ سردار صاحب نے مسکراتے ہوئے سر کے اشارے سے سلام قبول کیا اور اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسٹیئرنگ وہیل سنبھال لیا۔ کار اسٹارٹ کی اور گیٹ کی طرف چلے۔ گیٹ پر متعین چوکیدار نے مالک کی کار آتے دیکھی، گیٹ کھول دیا، اور جیسے ہی کار قریب سے گزری اٹینشن ہو کر سیلوٹ کیا۔ کار سڑک پر موڑتے ہوئے سردار صاحب نے بریکوں پر دباؤ ڈالا۔ وہ کچھ ڈھیلے معلوم ہوئے۔

"کیا بات ہے مہربان خان؟" انھوں نے کار کو پوری رفتار پر چھوڑتے ہوئے پوچھا۔ "کار کے بریک کچھ لوز معلوم ہوتے ہیں۔"

"ابھی تو ٹھیک تھے صاحب۔" مہربان خان نے جواب دیا۔

"مگر اب ڈھیلے ہیں۔ خدا کرے بالکل ہی خراب نہ ہو گئے ہوں۔" سردار صاحب نے کہا۔ "تم دن بدن لاپرواہ ہوتے جا رہے ہو۔ مجھے امید ہے تم نے پیٹرول بھی نہیں ڈلوایا ہوگا۔"

مہربان خان جواب دینے کے بجائے سر کھجانے لگا۔ وہ پیٹرول ڈلوانا بھی بھول گیا تھا۔ سردار صاحب نے عقبی شیشے میں اسے سر کھجاتے دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ یہ سڑک جس پر اس وقت ان کی کار جا رہی تھی تقریباً تین میل تک بالکل سیدھی جا کر ایک اور روڈ سے مل جاتی تھی۔ انڈسٹریل ایریا کافی وسیع علاقہ پر پھیلا ہوا تھا اور شہر سے قریب ترین فاصلہ بھی دس میل سے کم نہیں تھا سردار صاحب نے دوسری سڑک پر موڑنے کے لئے بریک لگانے چاہے تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل کام نہیں کر رہے ہیں۔ کار پوری رفتار پر تھی۔ موڑ کاٹتے ہوئے الٹتے الٹتے بچی۔ اب سردار صاحب بھی گھبرا گئے۔

"نالائق یہ بریک تو بالکل کام ہی نہیں کر رہے ہیں۔" انھوں نے کار کا توازن سنبھالتے ہوئے بگڑ کر مہربان خان سے کہا۔

"کیا بتاؤں صاحب۔" مہربان خان خود بھی گھبرایا ہوا تھا۔ "شیڈ سے نکال کر لایا تھا اس وقت تو بالکل ٹھیک تھے۔"

سردار صاحب نے رفتار کم کرنے کے لئے ایکسیلیٹر سے دباؤ بالکل ہی ختم کر دیا لیکن سڑک ڈھلوان تھی۔ دباؤ کم کرنے کے باوجود کار اسی رفتار سے چلتی رہی

اگلا موڑ ابھی دو میل دور تھا اور خطرہ تھا کہ اس موڑ پر کار ضرور اُلٹ جائے گی۔ اس درمیان میں سامنے سے دو تین کاریں اور ٹرک بھی آتے ہوئے ملے جن سے سردار صاحب نے بڑی کوشش سے کار کو بچایا۔ مشکل یہ تھی کہ ہینڈ بریک بھی کام نہیں کر رہا تھا۔

"آج ضرور کوئی خوفناک حادثہ ہو کر رہے گا۔" وہ جیسے اپنے آپ سے بولے۔ گھبراہٹ میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ سڑک کے کنارے درخت لگے ہوئے تھے، کسی درخت سے ٹکرا کر بھی کار روکی جا سکتی تھی مگر اس صورت میں ٹکر سے خود انھیں اور کار کو کس قدر نقصان پہنچے گا اس کا احساس ہی ہاتھ پیر پھلانے کے لئے کافی تھا۔

سڑک کا موڑ اب قریب آتا جا رہا تھا اور چونکہ یہ کوئی دوراہہ یا چوراہا نہیں تھا اس لئے موڑنا بھی ضروری تھا ورنہ پھر وہی ٹکر۔۔۔۔ سردار صاحب کی پیشانی پسینے میں بھیگ گئی۔ موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں آیت الکرسی اور کلمہ شہادت کا ورد کرنے لگے۔

لیکن موڑ ابھی دو تین فرلانگ دُور تھا کہ انجن نے جھٹکے کھانا شروع کر دیئے، رفتار کم ہو گئی۔ کار تقریباً ایک فرلانگ اور چلی اور پھر انجن بند ہو گیا۔ سردار صاحب نے پٹرول کی ریڈنگ دکھانے والے میٹر کی طرف دیکھا جس کی سوئی ٹنکی خالی ہونے کا اشارہ کر رہی تھی۔ انھوں نے سکون کی سانس لی، موڑ تک پہنچتے پہنچتے کار بالکل رینگنے لگی تھی انھوں نے اطمینان سے موڑ کاٹا اور کار کو ایک سائڈ میں لے لیا۔ دس پندرہ گز چل کر کار رُک گئی۔

"اگر پٹرول ختم نہ ہوتا ـــــ تو آج ہم ضرور ختم ہو جاتے۔" انھوں نے کار کا دروازہ کھول کر اُترتے ہوئے کہا۔

حُسنِ اتفاق سے کچھ ہی فاصلے پر ایک پٹرول پمپ واقع تھا جس کے ساتھ سروسنگ شاپ بھی تھی۔ سردار صاحب اور مہربان خان کار کو دھکا دے کر چلاتے ہوئے پٹرول پمپ تک لائے۔ سروس شاپ کے منیجر کو دکھایا۔

"دیکھنا بھائی نئی کار کے بریک آپ سے آپ کیسے لوز ہو گئے جبکہ ابھی پندرہ دن پہلے اس کی سروس بھی کرائی ہے۔" سردار صاحب نے کہا۔

میکنک کی تجربہ کار نگاہیں اتنی ہی دیر میں خامی کا جائزہ لے چکی تھیں۔

"آپ سے آپ لوز نہیں ہوئے صاحب؟ اُس نے جواب دیا۔ "کسی نے کے بریک جان بوجھ کر خراب کئے ہیں۔"

سردار صاحب کار میں پٹرول ڈلوا کر اور بریک ٹھیک کرا کے اس ہوٹنگ سوسائٹی کے علاقے میں واقع اپنے بنگلے واپس آئے تو کافی فکرمند تھے۔ عموماً روبینا برآمدے میں ان کی آمد کا انتظار کرتی ہوئی ملتی تھی، لیکن اس وقت وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سردار صاحب نے کار مہربان خان کے حوالے کی کہ وہ اسے گیرج میں کھڑی کر دے اور خود اندر داخل ہوئے۔ روبینا ڈرائنگ روم میں کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر جلدی سے ریسیور رکھ دیا اور باہر نکل آئی۔

"آپ کو آنے میں دیر کیسے ہو گئی؟" اس نے کہا۔ "میں فیکٹری فون کر رہی تھی۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" سردار صاحب نے چہرے پر بشاشت پیدا کرتے ہوئے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ "راستہ میں ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آ گیا تھا۔"

"حادثہ؟۔ کیسا حادثہ۔۔؟" روبینا نے گھبرا کر پوچھا۔

"کار کے بریک خراب ہو گئے تھے۔" سردار صاحب نے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"نئی کار کے بریک خراب ہو گئے تھے۔" روبینا نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ ضرور کوئی بات چھپا رہے ہیں۔"

"نئی کار کے بریک بھی خراب ہو سکتے ہیں۔ ویسے پٹرول پمپ کے میکنک کا خیال ہے کہ کسی نے دانستہ خراب کئے تھے۔" سردار صاحب بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔ "لیکن میرا ذہن اسے تسلیم نہیں کرتا۔ آخر کوئی دانستہ بریک کیوں خراب کرے گا۔"

"کوئی کار کے بریک دانستہ کیوں خراب کرتا ہے۔" روبینہ نے پریشانی سے کہا۔ "یقیناً کسی کو توقع ہوگی کہ بریک خراب ہونے کی وجہ سے کوئی حادثہ ہو جائے اور خدانخواستہ آپ کو نقصان پہنچ جائے۔"

"اگر کسی کو یہ توقع تھی تو اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔" سردار صاحب نے اپنا کوٹ اُتار کر ہینگر میں لٹکاتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا نے بال بال بچایا۔ مہربان خان کار میں پٹرول ڈلوانا بھول گیا تھا۔ حادثہ ہونے سے پہلے ہی کار پٹرول نہ ہونے کی وجہ سے رُک گئی۔ لیکن میں اب بھی یہ ہی سوچ رہا ہوں کہ بریک ضرور کسی نہ کسی طرح خود ہی لوز ہو گئے ہوں گے، ورنہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرا کوئی ایسا دشمن تو نہیں جو میری جان لینے پر تُل جائے۔"

"آپ تو جیسے خود ہیں ایسا ہی دوسروں کو خیال کرتے ہیں۔" روبینا کے لہجے میں تشویش تھی "لیکن اس دنیا میں ہر قسم کے انسان پائے جاتے ہیں۔ پھر غالباً آپ نے اس بات پر بھی غور نہیں کیا کہ کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جنھیں یہ

ٹیلیویژن

کا نمائندہ ایک سو سالہ بوڑھے سے اس کی طویل عمر کا راز معلوم کرنے گھر جا پہنچا۔

"جناب! آپ کی طویل عمری کا راز کیا ہے۔؟"

"میں نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں نے اپنے باپ کا حال دیکھ کر جوانی ہی میں تہیہ کر لیا تھا کہ کبھی شراب نہیں پیوں گا۔"

اسی لحظے دوسرے کمرے سے برتن ٹوٹنے کی زوردار آواز آئی اور ساتھ ہی گالیوں کی بوچھاڑ بھی سنائی دی۔ سو سالہ بوڑھے نے سر جھکا کر کہا۔

"کیا بتاؤں۔ آج ابّا نے پھر زیادہ شراب پی لی ہے۔"

کسی صورت گوارا نہیں ہوگا کہ آپ لطیف صاحب کی گارمنٹ فیکٹری میں ان کے پارٹنر بن جائیں۔"

"اوہ" سردار صاحب چونکے "میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔ ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔"

وہ لباس تبدیل کر کے کمرے کی بڑی کھڑکی کے پاس جو بنگلہ کے عقبی سمت میں واقع باغ کی جانب کھلتی تھی ایک کرسی ڈال کر بیٹھ گئی۔

"میں تو کہتی ہوں آپ کو اس واقعے کی رپورٹ کرنا چاہیئے۔"

"رپورٹ" سردار صاحب چونکے "تمہارا مطلب ہے پولیس میں اطلاع دوں۔ نہیں اس سے پیچیدگی اور بڑھ جائے گی۔"

"پھر بھی آپ کو کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہیئے۔ آپ کی خاموشی سے دشمنوں کو اور ہمت ہوگی۔"

"میں اس بارے میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا ہوں۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولے۔ "میرا خیال ہے کہ اس وقت چائے کے بجائے کوئی ٹھنڈا مشروب لے آؤ تو مناسب ہے۔"

"اوہ۔ میں چائے کو تو بھول ہی گئی تھی۔" روبینا چونک کر مسکرائی۔ "پھر کیا پئیں گے روح افزا شربت لے آؤں یا کولڈ کافی۔؟"

"کولڈ کافی مناسب ہوگی۔" سردار صاحب نے کہا۔ "یہ آج گیٹ پر چوکیدار نظر نہیں آیا۔ کہیں گیا ہوا ہے۔؟"

"مالی ایک ہفتے سے غائب ہے۔ نہ ٹھیک سے پودوں کو پانی مل رہا ہے نہ گھاس کاٹی گئی ہے۔ باڑھ بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ میں نے اسے گھر چوکیدار کو بھیجا ہے کہ دیکھ کر آؤ کیا بات ہے۔ کام کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔"

"ممکن ہے بیمار ہو۔"

"بیمار ہی سہی مگر اسے کوئی اطلاع تو کرنا چاہیئے تھی۔" روبینا نے کہا اور جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اچانک کچھ خیال آیا۔ "میں تو بھول ہی گئی تھی" اس نے کہا۔ "بجلی صبح سے غائب ہے فریج میں برف نہیں ہے۔ باورچی کو بازار بھیج کر منگوانا ہوگی۔ کچھ دیر لگ جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں ہی بیٹھا ہوں۔" سردار صاحب نے کہا۔ "کوئی فون وغیرہ آئے تو کہہ دینا کہ میں نہیں ہوں۔ میں ذرا تنہائی میں کچھ معاملات پر غور کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ اگر لطیف کا فون آئے تو بتا دینا۔"

"معلوم ہوتا ہے آج آپ کلب بھی نہیں جائیں گے۔" روبینا نے پوچھا۔

سردار صاحب کو جب سے ذرا فکرِ معاش سے نجات ملی تھی انھوں نے کلب وغیرہ بھی جانا شروع کر دیا تھا۔ کسی خاص مقصد سے نہیں بلکہ شطرنج کھیلنے کے انھیں شطرنج کا بہت شوق تھا۔ کلب میں ان کے دو چار دوست بنگئے تھے جن کے ساتھ وہ عموماً ہفتہ کی شام کو کلب جا کر شطرنج کھیلا کرتے تھے اور اس قدر انہماک کے ساتھ کہ کبھی کبھی رات کے ایک ایک بجے واپسی ہوتی تھی۔ آج چونکہ ہفتہ تھا اس لئے روبینا کو توقع تھی کہ وہ آج بھی حسبِ معمول کلب جائیں گے۔

"ہاں آج کچھ موڈ نہیں ہے۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔

روبینا کمرے سے چلی گئی۔ سردار صاحب اپنے خیالات میں محو کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھے رہے۔ ان کے خیالات کی رو تازہ حادثے پر ہی مرکوز تھی۔ وہ کچھ اس قدر کھوئے ہوئے تھے کہ تقریباً نصف گھنٹے کے بعد جب روبینا ٹرے میں کافی کا گلاس لئے کمرے میں داخل ہوئی تو انھیں اس کی آمد کا احساس تک نہیں ہو سکا۔

"کافی حاضر ہے۔" روبینا ان کی خود فراموشی دیکھ کر مسکرائی۔ سردار صاحب چونک پڑے۔

"ایں۔" انھوں نے روبینا کی طرف دیکھا۔ "بڑی جلدی لے آئیں۔"

"جلدی۔" روبینا کی مسکراہٹ اور بڑھ گئی۔ "میں تو سوچ رہی تھی کہ اتنی دیر ہو گئی ہے آپ ضرور ناراض ہوں گے لیکن آپ تو معلوم ہوتا ہے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھے ہوئے تھے۔"

"لطیف کا فون تو نہیں آیا تھا۔" سردار صاحب نے بات ٹالدی۔

"جی نہیں۔"

روبینا نے کافی کی ٹرے میز پر رکھ دی اور گلاس اٹھا کر سردار صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ سردار صاحب نے بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑنا چاہا مگر یا تو انھیں گلاس کے وزن کا اندازہ نہیں ہو سکا یا پھر ٹھنڈے گلاس پر پانی کی ننھی ننھی بوندوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ اسے صحیح طور پر گرفت میں نہیں لے سکے۔ گلاس ان کے ہاتھ سے پھسل کر فرش پر گر گیا۔ فطری طور پر وہ اس کے ساتھ ہی نیچے جھکے اور ادھر وہ نیچے جھکے ادھر کوئی چیز سنسناتی ہوئی ان کے اوپر سے گزر کر سامنے دیوار میں پیوست ہو گئی۔

"روبینا" وہ تیزی سے بولے "فرش پر لیٹ جاؤ۔"

روبینا حواس باختہ سی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سردار صاحب نے خود ہی فرش پر جھکے جھکے آگے بڑھ کر اسے کھینچ کر فرش پر گرا دیا۔

"یہ۔ یہ کیا تھا۔" روبینا نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"غالباً کسی سائیلنسر لگی ہوئی رائفل کی گولی۔" سردار صاحب نے جواب دیا۔ "تم اسی طرح لیٹی رہنا میں دیکھتا ہوں کون ہے؟"

"نہیں۔" روبینا نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ ایسا ہی ہے تو پولیس کو فون کر دیں۔ وہ خود آ کر دیکھ لے گی۔"

"پولیس کے آنے تک حملہ آور اطمینان سے بیٹھا نہیں رہے گا۔" سردار صاحب نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

وہ یونہی جھکے جھکے آہنی الماری کی طرف بڑھے۔ الماری کھڑکی کی آڑ میں تھی۔ قریب پہونچ کر وہ اٹھے اور الماری کی دراز سے اپنا اعشاریہ اڑتیس بور کا ریوالور نکال لیا۔ دروازے سے نکلنے کے لئے انھیں ایک مرتبہ پھر کھڑکی کے سامنے سے گزرنا تھا۔ وہ فرش پر لیٹ گئے اور کہنیوں کے بل آگے بڑھتے ہوئے جلد ہی کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے سے باہر آتے ہی وہ اٹھے اور تیزی سے بھاگتے ہوئے بنگلہ کے عقبی دروازے پر پہونچے۔ وہ بند تھا۔ اسے کھول کر باغ میں آ گئے۔ یہاں ایک بار پھر انھوں نے محتاط انداز میں درختوں اور پودوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھنا

شروع کیا یہاں تک کہ اس مقام پر پہونچ گئے جہاں سے اُن کے خیال میں ان پر گولی چلائی گئی تھی۔ فضا میں بارود کے دھوئیں کی بو ابھی تک موجود تھی مگر حملہ آور کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ سردار صاحب نے غور سے چاروں طرف دیکھا۔ حملہ آور بھاگنے کے لئے دو راستے اختیار کر سکتا تھا۔ یا تو بنگلہ کی چہار دیواری اور اس سے لگی ہوئی باڑھ کو پھلانگ کر پڑوس کے بنگلے میں کود کر بھاگ جائے یا پھر خود ان کے بنگلے کے گیٹ کا رُخ کرے۔ چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں تھی۔ انھوں نے اس پر چڑھ کر پڑوس کے .....

بنگلہ کی طرف دیکھا۔ اس بنگلہ میں ٹینس کا ایک پیشہ ور کھلاڑی رہتا تھا۔ اس نے بنگلہ کے لمبے چوڑے لان کو ٹینس کورٹ میں تبدیل کر دیا تھا اور اس وقت کسی دوست کے ساتھ پریکٹس کر رہا تھا۔ حملہ آور اس طرف سے بھاگتا تو یقیناً دیکھ لیا جاتا۔ اس لئے لامحالہ وہ خود سردار صاحب کے بنگلہ کے گیٹ سے بھاگا ہوگا اور غالباً اسی جانب سے اندر بھی آیا ہوگا۔ چوکیدار اور مالی کی عدم موجودگی نے اس کام کو انتہائی آسان بنا دیا تھا۔

سردار صاحب کچھ دیر کے بعد کسی گہری سوچ میں کھوئے ہوئے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو روبینا اسی طرح فرش پر لیٹی ہوئی تھی۔ فکرمندی کے باوجود اسکی حالت دیکھ کر سردار صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"اُٹھ جاؤ روبینا۔" وہ بولے "حملہ آور بھاگ گیا ہے۔"

"آپ... آپ ہنس رہے ہیں؟" روبینا نے کچھ کھسیائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "اور یہاں میری جان پر بنی ہوئی تھی کہ آپ اکیلے گئے ہیں خدانخواستہ آپ کے دشمنوں کو کچھ ہو جاتا۔۔۔"

"دشمنوں کو کیا ہاں مجھے ہی کچھ ہو جاتا اگر وہ گلاس میرے ہاتھ سے نہ گرتا۔" سردار صاحب نے سوچتے ہوئے کہا "ایک دن میں دو مرتبہ جان لینے کی کوشش کی جا چکی ہے۔ مجھے واقعی کچھ کرنا پڑے گا۔"

"کچھ کیا کرنا پڑے گا۔ میں کہتی ہوں آپ پولیس کو فون کیوں نہیں کرتے۔"

"نہیں روبینا معاملات کچھ ایسے ہیں کہ میں پولیس کو مداخلت کا موقع نہیں دے سکتا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

دولت آباد کے شمال میں شہر سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی واقع تھی۔ پہاڑی کچھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ اگر شمال کی سمت واقع شہروں کو دارالحکومت سے ملانے کے لئے جو سڑک بنائی گئی تھی اس سے ہٹا کر نکالی جاتی تو بیس پچیس میل کا فرق بڑھ جاتا۔ چنانچہ صوبائی حکومت نے ہائی وے کو اس طرح تعمیر کیا تھا کہ اس کا تقریباً پانچ میل کا ٹکڑا پہاڑی پر سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس سڑک کے دونوں کناروں پر رفتہ رفتہ کچھ مکانات بھی بنتے جا رہے تھے اور ایک موقع شناس نے مستقل بینی سے کام لیتے ہوئے وہاں سیون اسٹار کلب کے نام سے ایک ماڈرن نوعیت کا کلب جس میں رہائشی سہولت بھی حاصل ہو جاتی تھی، قائم کر دیا تھا۔ دارالحکومت کی آبادی جس تیزی سے بڑھ رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ آئندہ چھ سات سال میں جب فواحی بستیاں پھیلتے پھیلتے پہاڑی کے دامن تک پہونچ جائیں گی اس وقت پہاڑی کے اوپر ہموار قطعات زمین کی قیمت بھی بڑھ جائے گی اور اسی کے ساتھ کلب کی شہرت و آمدنی بھی۔ سردست تو کلب میں وہ لوگ آتے تھے جنھیں کچھ پُرسکون ماحول کی تلاش تھی یا پھر وہ نوجوان جوڑے جو شہر کے کسی کلب یا ریسٹورنٹ میں پہچان لئے جانے کے ڈر سے آپس میں نہیں مل سکتے تھے۔

اسی طرح پہاڑی پر جن لوگوں نے مکانات تعمیر کرائے تھے وہ بھی شہر کی ہنگامہ پرور زندگی سے دُور رہنے کے خواہشمند تھے یا پھر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی جس نے موقع محل اچھا دیکھ کر سستے داموں زمین حاصل کر کے چھوٹے چھوٹے کئی بنگلہ نما کاٹیج بنوائے تھے اور انھیں ان غیر ملکیوں نے کرائے پر لے لیا تھا جو کسی نہ کسی بیرونی ملک کے سفارتخانے سے وابستہ تھے۔ اسی پہاڑی پر ملک کے ایک گمنام موجد اور سائنسداں ڈاکٹر مرشد بھی رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دس پندرہ برس پہلے وہ وفاقی حکومت کے ریسرچ سینٹر سے وابستہ تھے اور انھوں نے وہاں نفسیاتی بیماریوں کے سلسلے میں بعض کامیاب دوائیں ایجاد کی تھیں، لیکن پھر بدقسمتی سے ان کا اکلوتا نوجوان بیٹا جو قومی فضائیہ میں اسکوارڈن لیڈر تھا۔ ایک فضائی مظاہرے کے دوران دفعتاً طیارہ پھٹ جانے سے ہلاک ہو گیا۔ اس حادثہ کا ڈاکٹر مرشد کے ذہن پر اس قدر شدید ردِعمل ہوا کہ وہ نیم پاگل ہو گئے۔ حکومت نے انھیں معقول پنشن دے کر علیحدہ کر دیا اور اب وہ اپنے بنگلے کی خود ساختہ لیبارٹری میں بیٹھے طرح طرح کے تجربات کرتے رہتے تھے اور وقتاً فوقتاً حکومت کو بھی لکھتے رہتے تھے کہ انھوں نے فلاں حیرت انگیز دوا ایجاد کر لی ہے اور انھیں بلا تاخیر قومی ریسرچ سینٹر کا سربراہ مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے فارمولے کو بڑے پیمانے پر تیار کر کے اس کے سلسلے میں مزید تجربات کر سکیں لیکن ان کے خطوط اس قدر بے سروپا ہوتے تھے اور اسی اعتبار سے ان کی ایجادات کے دعوے اتنے خلافِ عقل معلوم ہوتے تھے کہ انھیں ایک نیم پاگل کے ذہن کی کجی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا تھا چنانچہ حکومت نے کبھی ان کے ایسے خطوط کا سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیا۔

سیون اسٹار کلب ڈاکٹر صاحب کے بنگلہ سے دو تین فرلانگ سے زیادہ دُور نہیں تھا اس لئے کبھی کبھی شام کے اوقات میں ڈاکٹر صاحب کلب میں بھی نظر آجاتے تھے اور وہاں بھی وہ اپنی ایجادات کے بلند بانگ دعوے کرتے رہتے تھے۔ کلب آنے والے مستقل افراد ان سے بخوبی واقف تھے اور اکثر لطف لینے کی خاطر کوئی سائنسی موضوع چھیڑ کر گھنٹوں ڈاکٹر صاحب کی دلچسپ باتیں سنتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے کچھ عزیز اور رشتہ دار بھی یقیناً ہوں گے لیکن بنگلہ میں وہ ایک ملازم کے ساتھ تنہا ہی رہتے تھے۔

کلب کے بیشتر گاہک مستقل نوعیت کے تھے اور ہفتے کے مختلف دنوں میں اپنے اپنے معمول کے مطابق آتے جاتے رہتے تھے۔ حال ہی میں ان گاہکوں میں ایک نوجوان جوڑے کا اضافہ ہوا تھا جنھیں کلب کے ویٹر سٹراور مسز مراد کے نام سے پہچانتے تھے۔ یہ جوڑا عام طور پر ہفتہ کے دن شام کو سات آٹھ بجے آتا۔ دو تین گھنٹے کلب میں رہتا اور زیادہ تر وقت اپنے مخصوص پرائیویٹ کیبن میں

باتیں کرنے کے بعد رخصت ہوجاتا۔

اس ہفتہ کی شام کو بھی مسٹر مراد اور اُن کی بیگم اپنے کیبن میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ باہر ان سے کچھ ہی فاصلے پر کچھ لوگ ڈاکٹر مرشد کو گھیرے بیٹھے تھے اور انھیں چھیڑ چھیڑ کر ان محیر العقول دواؤں کا تذکرہ سُن رہے تھے جو ڈاکٹر صاحب کے بقول انھوں نے ایجاد کی تھیں اور جن کی بنیاد پر انھیں پورا یقین تھا کہ حکومت بہت جلد انھیں قومی ریسرچ سینٹر کا سربراہ مقرر کرنے والی ہے۔

"یہ علی نواز کچھ قسمت کا دھنی معلوم ہوتا ہے۔" مراد نے آہستہ لہجے میں کہا۔ "دونوں حملوں سے صاف بچ نکلا۔"

"مجھے پہلے ہی تمہاری کامیابی کا یقین نہیں تھا۔" بیگم مراد نے جواب دیا "اور میرا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا۔ تمہاری منصوبہ بندی بہت خام تھی۔ تم نے اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ اس طرح ہم لوگ بھی پولیس کے شبہ کی زد میں آسکتے تھے۔"

"قانون کے نزدیک شبہ کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اس کا فائدہ عموماً مجرم کو ملتا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ خطرہ مول لئے بغیر گوہرِ مقصود کبھی ہاتھ نہیں آتا۔"

"مگر میں خواہ مخواہ خطرات کو دعوت دینا حماقت خیال کرتی ہوں۔ آئندہ تمہیں کوئی ایسا منصوبہ سوچنا پڑے گا جس میں کوئی ہمارے اس معاملے سے متعلق ہونے کا تصور تک نہ کرسکے۔"

"گھبراؤ نہیں۔ میں بھی کسی ایسی ہی اسکیم پر غور کررہا ہوں۔۔۔۔" مراد کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر رُک گیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سُننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟" بیگم مراد نے پوچھا۔

"تمہارا اس ڈاکٹر مرشد کے بارے میں کیا خیال ہے۔؟"

"کیسا خیال۔؟"

"میرا مطلب ہے کہ آدمی جینیس ہے یا یونہی بے پر کی ہانکتا رہتا ہے۔"

"سُننے میں تو یہی آیا ہے کہ بہت قابل اور ذہین آدمی ہیں مگر جوان بیٹے کی موت نے نیم پاگل کردیا ہے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔؟"

"ابھی ڈاکٹر کی ایک بات سُن کر اچانک میرے دماغ میں ایک انوکھی ترکیب آئی ہے۔" مراد مسکرایا۔ "ایسی ترکیب کہ سُنو تو پھڑک جاؤ۔ اور تمہاری خواہش کے مطابق اس میں ہمارے لئے دُور دُور تک کسی خطرے کا اندیشہ نہیں ہے۔"

"مجھے تفصیلات نہ ہی بتاؤ تو بہتر ہے۔" بیگم مراد نے جلدی سے کہا "لیکن جو کچھ بھی کرنا ہو جلدی کرو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سردار صاحب نے اپنے بیٹے اختر کو شہزاد نگر سے بلایا ہے۔ وہ ان حملوں سے کافی فکرمند بلکہ میرا خیال ہے، کہ خوفزدہ ہوگئے ہیں۔ انھیں شک ہے کہ قسمت ہمیشہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتی اور شاید ان کا دشمن اپنے ارادوں میں کامیاب ہوجائے اس لئے وہ اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کے بعد ایک وصیّت نامہ مرتب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کی رو سے اختر کو اپنی تمام جائداد کا وارث بنادیں۔"

"قاتل کبھی اپنے مقتول کا وارث نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب؟" بیگم مراد چونکی۔

"مطلب صاف ظاہر ہے، میرے پلان کے مطابق علی نواز کو خود اس کا بیٹا اختر قتل کرے گا۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا ہے۔" بیگم مراد نے ناگواری سے کہا "ٹھیک ہے کہ اختر کے اپنے باپ سے اختلافات ہیں اور اسی وجہ سے وہ فیکٹری چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب کبھی نہیں کہ وہ اپنے باپ کو قتل کرنے پر تُل جائے گا۔"

"یہ ہی تو میرے منصوبے کا سب سے مفید پہلو ہے۔ پہلے مجھے اس کا خیال نہیں آیا تھا کہ اختر اور علی نواز کے اختلافات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن اب تم دیکھنا، اختر سب کی نظروں کے سامنے اپنے باپ پر گولی چلائے گا اور پولیس کو۔۔۔ مقصدِ قتل کے لئے بھی پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ سب یہ ہی سوچیں گے کہ اختر علی نواز کی دوسری شادی کے خلاف تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کا باپ کہیں اپنی حسین بیوی کی باتوں میں آکر اسے جائداد سے محروم نہ کردے۔ اسے معلوم تھا کہ علی نواز نے ابھی تک کوئی وصیت نامہ تحریر نہیں کیا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ وصیت نامہ لکھے جانے سے پہلے اگر وہ اپنے باپ کو قتل کردے تو قانون کے مطابق جائداد خود بخود اسے مل جائیگی۔"

"لیکن وصیت نامہ تو اس کے حق میں لکھا جانے والا ہے۔"

"اس بات سے کون واقف ہے، غالباً صرف علی نواز کا وکیل۔ کہا جاسکتا ہے کہ اختر کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ لوگ اس کی بدنصیبی پر افسوس کریں گے کہ اگر وہ کچھ دن صبر کرلیتا تو اسے اپنے باپ کے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔" بیگم مراد اُلجھ کر بولی۔ "میں یہ ہی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر اختر کو سردار صاحب کے قتل کرنے پر کس طرح آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" مراد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ میں سوچ رہا ہوں اگر ویسا ہی ہوگیا تو تم دیکھنا کہ یہ واقعہ جرائم کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہوگا اور ایک مکمل ترین جرم جس میں کوئی ہم پر ہاتھ ڈالنا تو کجا شبہ تک نہیں کرسکے گا۔"

سردار علی نواز نے اپنے پرائیویٹ آفس میں پہنچتے ہی انٹرکوم کا بٹن دبا کر اپنے سیکریٹری ممتاز کو بُلایا۔

"جی سرکار۔" ممتاز نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں شارٹ ہینڈ کی نوٹ بک اور دوسرے میں پنسل دبی ہوئی تھی۔

"مجھے کوئی خط ڈکٹیٹ نہیں کرانا ہے۔" سردار صاحب نے کہا۔ "تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں پندرہ بیس منٹ تک ایک ضروری کام میں مصروف رہوں گا۔ اس درمیان میں کسی کو دفتر میں مت آنے دینا۔ کوئی کال ہو تو خود جواب دیدینا یا کہہ دینا کہ آدھ گھنٹہ بعد فون کرلیا جائے۔"

"بہت بہتر۔"

ممتاز کے جانے کے بعد سردار صاحب نے اس فون کا ریسیور اٹھایا جس کی لائن ڈائریکٹ تھی اور جو آپریٹر کی مداخلت کے بغیر ڈائل کیا جاسکتا تھا۔ انھوں نے اپنی ڈائری میں دیکھ کر ایک نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو بہار جی۔" انھوں نے رابطہ قائم ہونے پر کہا۔ "میں علی نواز بول

کررہا ہوں۔"

"یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی سردار صاحب۔ میں نے آپ کی آواز پہچان لی تھی" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "کہیئے خیریت تو ہے آج کیسے یاد آگئی۔؟"

"ہاں بس خیریت ہی ہے، دراصل میں تم سے جبران کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا"

"جبران کا پتہ۔" سہراب جی چونکے۔ "تب تو خیریت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا معاملہ ہے۔؟"

"معاملہ ابھی خود میری سمجھ میں نہیں آیا اسی لئے تو تم سے جبران کا پتہ معلوم کررہا ہوں۔ تم نے ایک مرتبہ ذکر کیا تھا ناکہ اس نے کسی معاملے میں تمہاری بہت مدد کی تھی اور تمہارے داماد۔۔۔"

"جی ہاں۔" سہراب جی نے جلدی سے بات کاٹ دی غالباً اس تلخ واقعہ کا ذکر بھی انہیں گوارا نہیں تھا" اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ آدمی بہت ذہین اور ہوشیار ہے لیکن کمزور پہلو سے فائدہ اٹھانا خوب جانتا ہے۔ اس سے کوئی معاملہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا۔ بہرحال جہاں تک اس کے پتہ کا تعلق ہے تو مجھے کیا شاید کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ وہ حقیقت میں کہاں رہتا ہے۔ ویسے اس نے میزبان ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پرلے رکھا ہے اور اسے میزبان ہوٹل کے نمبر پر ہی فون کیا جاسکتا ہے۔ فون کرکے کلرک سے کہنا کہ تمہیں خلیل صاحب سے بات کرنا ہے"

"خلیل صاحب سے؟"

"ہاں۔ اگرچہ اب بہت سے لوگ اس کے اصل نام اور کام سے روشناس ہوگئے ہیں لیکن پھر بھی وہ عام پبلک میں خود کو خلیل کے نام سے متعارف کراتا ہے۔ اس کا پورا نام جبران خلیل ہے۔ کلرک سے کہنا تمہیں خلیل صاحب سے بات کرنا ہے اگر وہ اپنے کمرے میں موجود ہوا تو بات ہو جائے گی، ورنہ اپنا فون نمبر چھوڑ دینا، وہ خود تمہیں فون کرلے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ بس یہ ہی معلوم کرنا تھا۔"

"میں نے سنا ہے کہ تم لطیف صاحب کی کارپٹ فیکٹری نیشنل کارپٹس خرید رہے ہو۔"

"تم نے کس سے سنا۔" سردار صاحب چونکے۔

"بس کہیں نہ کہیں سن لیا۔ کیا غلط ہے؟"

"بالکل غلط۔۔۔" سردار صاحب نے جلدی سے کہا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ لطیف صاحب میرے گہرے دوست ہیں۔ بلکہ میں تو انہیں اپنا استاد بھی مانتا ہوں، خود اپنی کارپٹ فیکٹری کھولنے کا خیال مجھے ان ہی کی ملازمت کے دوران آیا تھا۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں میری مدد بھی بہت کی ہے۔ آج کل انہیں کسی وجہ سے دو تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ میرے سامنے ذکر آیا تو میں نے کہا کہ مجھ سے لے لیں۔ مگر وہ بہت خود دار انسان ہیں۔ کہنے لگے اگر لوں گا تو یوں نہیں لوں گا۔ تم چاہو تو پارٹنر بن کر روپیہ لگا سکتے ہو۔ بس اتنی ہی بات ہوئی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ایسی باتیں کتنی جلدی پھیلتی ہیں۔ بہرحال پتہ بتانے کا شکریہ، میں میزبان ہوٹل فون کرکے دیکھتا ہوں۔"

اور سردار صاحب نے سہراب جی کو مزید کوئی بات پوچھنے کا موقع دیئے بغیر

شریفوں کا بیج

مولانا محمد علی جوہر ایک بار کسی دعوت میں مدعو تھے ان کے سامنے شریفے لاکر رکھے گئے۔ مولانا شریفے کھا کر اس کے بیج زمین میں بونے لگے۔ کسی نے پوچھا "یہ کیا؟" مولانا نے کہا۔ "بھئی یہاں شریفوں کی کمی ہے اس لیے بیج بو رہا ہوں۔

مرسلہ: محمد یوسف سرنگی، بنڈئی۔ ڈیلو

کنکشن آف کردیا۔۔۔ پھر میزبان ہوٹل کا فون نمبر دیکھنے کے لیے ٹیلیفون ڈائریکٹری اٹھالی۔ ڈائریکٹری سے نمبر نوٹ کیا اور دوبارہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگے۔

"خلیل صاحب سے بات ہوسکے گی؟" رابطہ قائم ہونے پر انھوں نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت وہ اپنے کمرے میں موجود۔۔۔ ذرا ٹھہریئے، میں نے ابھی انہیں ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ آپ ہولڈ آن کریں۔"

سردار صاحب کوئی دو منٹ تک ریسیور کان سے لگائے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں میز پر بجاتے رہے۔

"ہیلو،" آخر کلرک کی آواز ابھری۔

"ہاں ہیلو۔ خلیل صاحب آگئے؟"

"جی ہاں بات کیجئے۔"

اور اسی کے ساتھ ایک بھاری مگر خوشگوار آواز ابھری۔

"ہیلو۔۔۔ میں خلیل بول رہا ہوں۔"

"خلیل صاحب۔ میں علی نواز ہوں۔ آپ شاید مجھے نہیں جانتے لیکن۔۔؟"

"سردار علی نواز خان تو نہیں۔" جبران نے بات کاٹی۔ "سردار کارپٹ انڈسٹریز والے۔؟"

"خوب تو آپ مجھے جانتے ہیں؟"

"ہر بڑے آدمی کے بارے میں جاننا میری ہابی ہے سردار صاحب" جبران نے جواب دیا۔ "فرمائیے کیسے یاد کیا۔"

"سہراب جی نے ایک مرتبہ مجھ سے آپ کا ذکر کیا تھا۔" سردار صاحب نے کہا۔ "مجھے کچھ ایسے حالات درپیش ہیں جن میں میرے خیال کے مطابق آپ کا تعاون مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی مصروفیت نہ ہو تو آپ اس وقت میرے آفس آجائیں۔"

"ضرور۔۔۔ میں ابھی پندرہ منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔" جبران نے جواب دیا۔

اور واقعی ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد اس کی ٹویوٹا کار سردار کارپٹ انڈسٹریز کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ سردار صاحب نے اس کی آمد کے سلسلے میں گیٹ پر ہدایات بھجوادی تھیں۔ چنانچہ اسے چوکیدار کے غیر ضروری سوالات میں وقت ضائع نہیں کرنا پڑا۔ اس نے کار پارکنگ شیڈ میں کھڑی کی۔ بیرونی دروازے پر ممتاز اس

کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے فوراً اسے سردار صاحب کے پرائیویٹ آفس میں پہونچا دیا۔ سردار صاحب نے اسے چائے لانے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ جب تک وہ خلیل صاحب سے مصروفِ گفتگو ہیں انھیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

چائے آنے کے بعد سردار صاحب نے غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع نہیں کیا۔ مختصر الفاظ میں اسے گزشتہ ہفتہ کے واقعات سنا دیئے۔ جبران اس دوران چائے پیتے ہوئے بڑی توجہ سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ سردار صاحب نے صرف حملہ کے واقعات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ وہ ان حالات میں پولیس سے رجوع کرنے کے بجائے اس کی مدد کے طالب کیوں ہیں۔

"جبران صاحب میں جانتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ میں پولیس میں رپورٹ کرنیکے بجائے آپ سے تعاون کیوں چاہتا ہوں"، انھوں نے کہا "اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میرے اپنے بیٹے سے جس کا نام اختر ہے اور جو میری واحد اولاد ہے تعلقات کشیدہ ہیں۔ میری جانب سے نہیں خود اس کی جانب سے۔ اس کی والدہ کے انتقال کے بعد میں ایک طویل عرصے تجرد کی زندگی گزار چکا ہوں۔ زیادہ تر اس لئے کہ میں اس زمانے میں اپنی ترقی کے لئے کوشاں تھا اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ میرا خیال تھا کہ سوتیلی ماں کے زیرِ سایہ پرورش پانے سے بہتر ہے کہ وہ اپنی ننھیال میں پروان چڑھے لیکن جب وہ بالغ ہوگیا اور ایک حد تک خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا اور دوسری طرف مجھے بھی کچھ معاشی آسودگی حاصل ہوگئی تو فطری طور پر مجھے ایک رفیقۂ حیات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں نے بہت سی مصلحتوں کے پیشِ نظر اپنی سیکریٹری روبینا سے شادی کرلی۔ روبینا کی اپنی عمر تیئیس تینتیس سال کم نہیں ہے اور یوں میری اور اس کی عمر میں کافی فرق ہونے کے باوجود میرا خیال تھا کہ وہ میری ضرورتوں اور آسائشوں کا بہتر خیال رکھ سکے گی اور یہ اندازہ کم سے کم ابھی تک غلط ثابت نہیں ہوا۔ اب معلوم نہیں اختر کو میری شادی پر ہی اعتراض تھا یا اسے روبینا کے ساتھ شادی سے اختلاف تھا بہرحال میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ شہزادنگر چلا گیا۔ جاتے وقت ہمارے درمیان کچھ تلخ کلامی بھی ہوگئی تھی اور یہ واقعہ بدقسمتی سے یہیں فیکٹری میں پیش آیا تھا۔ غصہ میں اس نے کچھ ایسے الفاظ بھی ادا کئے تھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ یہ شادی میری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اگرچہ اس بات کو قریب قریب دو سال گزر چکے ہیں لیکن چونکہ اس کے بعد وہ نہ صرف یہ کہ کبھی واپس نہیں آیا بلکہ اس نے میرے خطوط کا جواب بھی نہیں دیا اس طرح لوگ ہمارے اختلاف کو فراموش نہیں کرسکے ہیں اور اب اگر میں ان حملوں کی پولیس میں رپورٹ کرتا ہوں تو عین ممکن ہے کہ پولیس اختر پر شبہ کرنے لگے جو میں نہیں چاہتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو لیکن میری جان لینے کی کوشش نہیں کرسکتا۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی اس گفتگو سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو یقین نہیں تو شک ضرور ہے کہ یہ حملے کس جانب سے ہو رہے ہیں"، جبران نے کہا۔ "لیکن کسی خاص وجہ سے آپ پولیس کے سامنے اپنے شک کا اظہار نہیں کرنا چاہتے"

سردار صاحب نے کسی قدر چونکتے ہوئے تعریفی نظروں سے جبران کی طرف دیکھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ بہت ذہین ہیں۔" انھوں نے کہا۔ "کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

"اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے ہیں تو آپ کو کھل کر گفتگو کرنا ہوگی"

"درست ہے۔" سردار صاحب نے خیال انگیز انداز میں سر ہلایا۔ "حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ملک میں قالین سازی کی دو بڑی فیکٹریاں ہیں جنھوں نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بھی بیشتر تجارت کو کنٹرول کیا ہوا ہے۔ ایک تو میری فیکٹری ہے اور دوسری نیشنل کارپٹس، جس کے مالک عبداللطیف صاحب ہیں۔ دوسری جانب کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کنٹرول کو ختم کرکے اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا حالات تھے جن کی وجہ سے لطیف صاحب پانچ لاکھ روپے کے مقروض ہوگئے لیکن صورتحال یہ ہے کہ اگر انھوں نے ایک ماہ کے اندر پانچ لاکھ روپے کا انتظام نہیں کیا تو ان کی فیکٹری بند ہوجائیگی وہ ایک طرح سے میرے بزرگ اور استاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے باہمی تعلقات کی وجہ سے اب تک بڑے تعاون سے کام کیا ہے اور آپس میں کسی قسم کی مقابلہ بازی کی نوبت نہیں آنے دی ہے۔ لیکن اگر ان کی فیکٹری بند ہوئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے کچھ ایسے لوگ آگے بڑھ آئیں گے جو کسی کاروباری اخلاق کے قائل نہیں ہیں وہ قدم قدم پر میرے لئے مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کرینگے اس بات کا احساس مجھے بھی ہے اور لطیف صاحب کو بھی۔ چنانچہ میں نے انھیں پیشکش کی کہ وہ مجھ سے پانچ لاکھ روپے قرض لے لیں۔ وہ اس پر آمادہ بھی ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ میں ان کی فیکٹری میں پارٹنر شپ قبول کرلوں یہ بات ہماری باہمی گفتگو تک محدود تھی۔ مگر معلوم نہیں کس طرح اس کا علم مخالفوں کو بھی ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ ہمارا اشتراک انھیں کسی طرح قبول نہیں ہوگا۔ چنانچہ پہلے مجھے فون پر گمنام دھمکیاں ملیں کہ میں نیشنل کارپٹس کے معاملات سے الگ رہوں اور جب انھوں نے دھمکیوں کو بے اثر دیکھا تو مجھے راستہ سے ہٹانے پر تُل گئے۔"

"یہ سب کچھ کیا آپ پولیس کے علم میں نہیں لاسکتے۔" جبران نے پوچھا۔

"نہیں۔ بعض کاروباری مصلحتیں ایسی ہیں کہ میں نیشنل کارپٹس سے اپنی پارٹنر شپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا اسی لئے شراکت اگر ہوئی تو وہ بھی زبانی حد تک ہوگی اسے قانونی شکل نہیں دی جائے گی۔ ایسی صورت میں ابھی تک جو بات محض ایک افواہ ہے، میرے اعتراف کے بعد حقیقت بنکر ظاہر ہوجائے گی۔ ان دونوں وجوہات کی بنا پر میں چاہتا ہوں کہ پولیس کے علم میں لائے بغیر ان حملوں کی تحقیقات کرائی جائے اور یہ کام آپ سے بہتر کوئی اور نہیں کرسکتا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ میں دو مرتبہ ان کے حملوں سے بچ گیا ہوں لیکن ہوسکتا ہے کہ آئندہ دشمنوں کا وار کارگر ہوجائے۔ اس خیال سے میں نے اختر کو بھی بلایا ہے۔ میں نے اسے سارے حالات لکھ دیئے ہیں اور ان کے پیشِ نظر وہ آنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔ اس کا خط مجھے ملا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ منگل کے دن۔ یعنی پرسوں۔ بذریعہ کار شہزادنگر سے صبح کے وقت روانہ ہوگا اور دوپہر میں کسی وقت پہونچ جائے گا۔"

"انھیں آپ نے محض اسی خیال سے بلایا ہے۔؟" جبران نے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" سردار صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کہ کہیں آپ کے تحت الشعور میں یہ خواہش تو پوشیدہ نہیں کہ اس طرح آپ اختر کو اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکیں گے اور چھپے وار سے سامنے آکر کیا جانے والا وار روکنا آسان ہوتا ہے۔"

سردار صاحب کے چہرے پر ناگواری اور برہمی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے اختر سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔" وہ بولے۔

"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو۔" جبران نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میں اس شرط پر اس معاملہ کی تحقیقات اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہوں کہ مجھے ہر پہلو سے جائزہ لینے کی آزادی ہوگی۔ میں آپ کے دشمن کو ڈھونڈ نکالنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، قطع نظر اس کے کہ وہ کوئی بھی ہو۔"

سردار صاحب نے چند لمحہ خاموش رہ کر جبران کی بات پر غور کیا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" انھوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "اب یہ بھی بتا دیں کہ اس کام کے لئے آپ کی فیس کیا ہوگی۔"

"جرائم کی بیخ کنی اور مجرموں کی سرکوبی میری زندگی کا مشن ہے سردار صاحب۔" جبران نے کہا۔ "فیس کی کمی بیشی میرے مشن میں حارج نہیں ہوتی۔ اسی لئے میں پہلے سے کبھی کوئی فیس متعین نہیں کرتا۔ کام ختم ہو جانے کے بعد آپ خود جو مناسب سمجھیں دیدیں یا میں جو مناسب سمجھوں گا مانگ لوں گا۔"

"اور اگر میں نے جو مناسب سمجھا وہ تمہارے لئے یا تم نے جو مناسب سمجھا وہ میرے لئے قابلِ قبول نہ ہوا تب؟"

"ابھی تک ایسی صورت پیش نہیں آئی۔" جبران مسکرایا "خاص طور پر اس لئے کہ میں جو مناسب سمجھتا ہوں وہ عام طور پر قابلِ قبول ہوتا ہے۔"

شہزاد نگر دارالحکومت کے شمال میں تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع ایک چار پانچ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا۔ اور گزشتہ دس سال کے اندر خاصی ترقی کر گیا تھا۔ قومی حکومت نے شکر کے دو کارخانے اور کیمیاوی کھاد بنانے کا ایک کارخانہ لگا کر اسے صنعتی شہروں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ اختر کی مرحوم والدہ کا خاندان شہزاد نگر کے شرفاء میں شمار ہوتا تھا۔ اختر کے ماموں سردار بہادر خاں ڈرگس اور کیمیکلز کے خاصے بڑے امپورٹر تھے۔ اپنے باپ سے ناراض ہو کر آنے کے بعد سے اختر ان ہی کے دفتر میں کام کرنے لگا تھا۔ اس نے کافی ذمہ داریاں اٹھائی ہوئی تھیں اور تندہی سے کام کر رہا تھا۔ اس کے جانے سے سردار بہادر خاں کو پریشانی ہونا لازمی تھی لیکن وہ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور یہ بھی کہدیا کہ اگر وہ حالات سازگار دیکھے تو مستقل طور پر دولت آباد میں رہ سکتا ہے۔ اختر کے پاس اپنی فیٹ کار تھی جو اس کے والد نے اس کی اکیسویں سالگرہ پر تحفہ میں دی تھی۔ اختر شہزاد نگر آتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اب اسی میں واپس دولت آباد جا رہا تھا۔

دولت آباد سے شہزاد نگر تک جانے والی سڑک وہ ہی تھی جو پہاڑی کے اوپر سے گزر کر جاتی تھی۔ اس سڑک کے ذریعے شہزاد نگر ہی نہیں بلکہ کئی صنعتی

مجبوری

ایک یہودی بیس برس بعد لکھ پتی ہو کر واپس گھر آیا۔ اس کے باپ اور بھائی اسے لینے کے لیے اسٹیشن پر گئے۔ یہودی نے انہیں بے ہنگم داڑھیوں کے ساتھ دیکھا تو حیران ہو کر بولا۔ "آپ لوگوں نے داڑھیاں جھاڑیوں کی طرح کیوں بڑھا رکھی ہیں؟"

"بیٹے! تمہیں یاد نہیں کہ بلیڈ تم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔" باپ نے جواب دیا۔

مرسلہ:۔ سہیل خالد - راجن پور

شہروں کا رابطہ دارالحکومت سے قائم تھا اس لئے عموماً صبح کے پانچ چھ بجے سے رات کے نو دس بجے تک خاصا ٹریفک رہتا تھا لیکن چونکہ سڑک بعض مقامات پر بہت تنگ ہونے کے علاوہ اس کے دونوں جانب گہرے کھڈ بھی موجود تھے اس لئے بھاری ٹریفک کے لئے دن کے اوقات میں اس سڑک سے گزرنا قانوناً ممنوع تھا۔ دن میں مال لانے لیجانے کے لئے وہ نیم پختہ سڑک استعمال کی جاتی تھی جو پہاڑی کے گرد چکر کاٹ کر جاتی تھی اور اس نئی سڑک کے تعمیر ہونے سے پہلے آمد و رفت کا واحد ذریعہ تھی۔

اختر صبح نو بجے شہزاد نگر سے روانہ ہوا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ایک بجے تک دارالحکومت پہونچ جائے گا۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اس دوراہے سے گزرتے ہی جہاں نیم پختہ سڑک نئی سڑک سے آکر ملتی تھی، سڑک پر ایک بورڈ رکھ دیا گیا ہے جس پر تحریر تھا کہ سڑک برائے مرمت بند ہے، اس لئے دوسری سڑک استعمال کی جائے۔ یا یہ کہ ایک ایسا ہی بورڈ دولت آباد سے آنے والے ٹریفک کے لئے رکھ کر اسے نیم پختہ سڑک سے جانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ان دونوں بورڈوں کی وجہ سے پہاڑی سڑک پر صرف وہ ہی گاڑیاں رہ گئی تھیں جو بورڈ رکھے جانے سے پہلے سڑک پر آگئی تھیں۔ اختر کو تعجب بھی ہوا کہ چند کاریں گزرنے کے بعد مخالف سمت سے سڑک یک بہ یک سنسان کیوں ہوگئی۔ وہ پچاس میل فی گھنٹہ کی اوسط رفتار سے چل رہا تھا جبکہ دو تین خطرناک مقامات کو چھوڑ کر اس سڑک پر رفتار کی حد کاروں کے لئے ساٹھ میل فی گھنٹہ تک تھی اور اسے اپنے پیچھے بھی کوئی کار یا کسی کار کا ہارن سنائی نہیں دیا تھا جو رفتار کی حد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی کار کو اوورٹیک کرنا چاہتی ہو۔ سڑک پر جہاں کہیں خطرناک موڑ آتے تھے اس سے ایک میل پہلے ہی بورڈ کے ذریعے، آنے والے مقام سے آگاہ کرتے ہوئے رفتار تیس میل کرنے کی ہدایت کر دی گئی تھی۔

تیسرا بورڈ دیکھ کر اختر نے رفتار ایک مرتبہ پھر کم کر دی لیکن ابھی موڑ سے گزرا ہی تھا کہ اس نے سامنے تقریباً سو گز آگے کی جانب ایک بڑی کار کو سڑک کی چوڑائی

روم میں آگئے اور خادمہ سے کہا گیا کہ وہ کافی وہیں لے آئے۔ کافی پیتے ہوئے سردار صاحب نے اختر کو مختصر طور پر حالات بتلائے۔ اپنے اوپر ہونے والے حملوں کے بارے میں بتایا اور کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ اب وہ فیکٹری میں ان کی جگہ سنبھالنے کی کوشش کرے تاکہ اگر خدانخواستہ انھیں کچھ ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ موقع پر موجود ہو بلکہ اس پوزیشن میں ہو کہ کاروبار کو خوش اسلوبی سے سنبھال سکے اور چلا سکے۔

"جہاں تک آپ پر حملے ہونے کا تعلق ہے" اختر نے سنجیدہ لہجہ میں جواب دیا۔ "تو مجھے یقین ہے کہ جبران صاحب۔ جن کی شہرت سے میں بھی واقف ہوں بہت جلد مجرم یا مجرموں کو قانون کے حوالے کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس لئے آپ کو اس سلسلہ میں پریشان ہونے کی خدانخواستہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک میرے واپس آنے کا سوال ہے تو اس کا تعلق ذاتیات سے اتنا نہیں جتنا اصول سے ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے اور آپ کے نظریات میں کچھ اصولی اختلاف موجود ہے۔ پھر بھی میں آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فیکٹری کا انتظام سنبھالنے کے لئے تیار ہوں لیکن اس کے لئے آپ کو کم سے کم میری دو باتیں ضرور ماننا ہوں گی۔"

"کونسی باتیں؟"

"پہلے یہ بتائیے کہ کیا آپ نیشنل کارپٹس کی فیکٹری خرید رہے ہیں۔؟"

"تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم ہوا۔" سردار صاحب چونکے "کیا یہ افواہ شہزاد نگر تک پھیل گئی ہے۔"

"جی نہیں۔" اختر نے کہا۔ "شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ لطیف صاحب سے ہم لوگوں کے بہت قریبی تعلقات رہے ہیں۔ ان کی صاحبزادی پروین کو میں دو سال تک پڑھاتا رہا ہوں اور اب بھی وہ لوگ جب بھی شہزاد نگر آتے ہیں ماموں صاحب کے گھر ضرور آتے ہیں۔ مجھے یہ اطلاع پروین سے ملی تھی۔"

"لیکن اس بات کا تمہارے آنے یا نہ آنے سے کیا تعلق۔ یہ کاروباری معاملات ہیں آدمی مناسب موقع ملنے پر حسب ضرورت اپنے کاروبار کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے پھر اگر میں ایسا کر رہا ہوں تو اس میں کیا نقصان ہے۔"

"ابا جان یا تو آپ کو حالات کا علم نہیں ہے یا آپ دانستہ انجان بن رہے ہیں۔" اختر نے کہا۔ "حکومت کے ایک ذمہ دار افسر نے لطیف صاحب کو ایک بیرونی ملک سے قالینوں کا ایک بڑا آرڈر دلوایا۔ انھیں سمجھایا گیا کہ چونکہ یہ آرڈر اس افسر کے ذاتی اثر و رسوخ اور اس کے ذاتی اعتماد پر دیا گیا ہے اس لئے لیٹر آف کریڈٹ اس کے بھائی کے نام سے کھولا جائیگا اور وہ بینک سے رقم وصول ہونے پر اپنا کمیشن کاٹ کر باقی رقم لطیف صاحب کے حوالے کر دے گا۔ مگر ہوا یہ کہ وہ ساری رقم دبا کر بیٹھ گیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ اس نے لطیف صاحب سے نقد رقم دے کر قالین خریدے تھے اور انھیں اپنے طور پر ایکسپورٹ کیا ہے۔ لطیف صاحب کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں جس سے وہ اس دعوے کو غلط ثابت کر سکیں۔ نتیجہ میں انھیں پانچ لاکھ کا خسارہ برداشت کرنا پڑا جو ان کے مالی وسائل کی حد سے بہت زیادہ تھا۔ اب انھیں فیکٹری کو تباہی سے بچانے کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔ آپ کو یاد نہ ہو لیکن میں اس بات کو بھولا نہیں ہوں کہ جب آپ نے اپنی فیکٹری قائم کی۔ تو فنی مشورے دینے اور رہنمائی کرنے کے علاوہ لطیف صاحب نے آپ کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے اپنے کئی آرڈر آپ کو دلوا دیئے۔ ان کی کوشش اور دوڑ دھوپ سے آپ کو بینک سے حسب ضرورت قرض بھی مل گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ بھی آگیا جب پروڈکشن کی رفتار، مال کی کوالٹی اور کھپت کے اعتبار سے سردار کارپٹ انڈسٹریز نیشنل کارپٹس سے ٹکر لینے لگی۔ اس کے بعد بھی لطیف صاحب کا تعاون جاری رہا۔ انھوں نے آپ سے مل کر ایسی مشترکہ پالیسی اختیار کی جس میں آپ کے اور ان کے مفادات ٹکرانے نہ پائیں۔ میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایک ایسے انسان کو اگر ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں پورے خلوص سے اُن کی مدد کرنا چاہیئے۔ قطع نظر اس کے کہ ہمیں کوئی مالی یا کاروباری فائدہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔"

"پارٹنر شپ کی پیشکش خود لطیف صاحب نے کی تھی۔؟"

"اور آپ نے جواب دیا کہ آپ کو پارٹنر شپ منظور نہیں ہے۔ آپ اس کے بجائے سات لاکھ میں پوری فیکٹری خریدنا زیادہ بہتر خیال کریں گے۔"

"ہوں" سردار صاحب نے ایک گہری سانس لی "تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے مگر بیٹے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ آخر میں یہ سب کچھ کس کے لئے کر رہا ہوں۔"

"اس سے اگر آپ کا اشارہ میری جانب ہے تو ابا جان مجھے ایسی دولت نہیں چاہیئے جو محبت و خلوص کا گلا گھونٹ کر حاصل کی گئی ہو۔"

جبران دیکھ رہا تھا کہ سردار صاحب بہت مشکل سے اپنا غصہ ضبط کر رہے ہیں، اور وہ پچھتا بھی رہے ہونگے کہ یہ گفتگو جبران کے سامنے ہو رہی ہے۔ انھوں نے جبران سے جو حالات بیان کئے تھے وہ کچھ اور ہی تھے۔

"بہت خوب۔" انھوں نے چبھتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "یہ تو ہوئی پہلی شرط۔ دوسری شرط کیا ہے؟"

روبینا جو کافی دینے کے بعد کمرے سے چلی گئی تھی اسی لمحہ اندر داخل ہوئی۔ اختر کی نظریں اپنی نوجوان سوتیلی ماں پر پڑیں۔ ایک پل کے لئے جبران کو خیال آیا کہ شاید اختر کی دوسری شرط کا کوئی تعلق روبینا سے ہو لیکن اس سے پہلے کہ اختر کوئی جواب دیتا فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ روبینا نسبتاً قریب تھی اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ کچھ دیر سنا پھر اختر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہارا فون ہے۔" اور یہ کہتے ہوئے ریسیور اس کی جانب بڑھا دیا۔

اختر نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات تھے، جیسے اسے اس وقت کسی کے فون کی کوئی توقع نہیں تھی۔ جبران کی نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ ایکدم سے اختر کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ ہر قسم کے تاثر سے عاری۔ اس نے کوئی بات بھی نہیں کی۔ صرف دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور یوں جیسے نیند کے عالم میں چل رہا ہو کھویا کھویا سا اپنی جگہ واپس آکر بیٹھ گیا۔

"کس کا فون تھا۔؟" سردار صاحب نے پوچھا۔

"میرے ایک دوست کا۔" اختر نے جواب دیا اور چہرے کی طرح اس کا لہجہ بھی سپاٹ اور سرد تھا۔ جبران بڑی توجہ سے اس کی بدلی ہوئی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ چند لمحہ کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔

"ہاں تو تمہاری دوسری شرط کیا ہے۔؟" سردار صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

"میری دوسری شرط۔" اختر نے کہا۔ وہ بے جان مشینی انداز میں بول رہا تھا یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی نظریں اٹھیں اور روبینا پر جم گئیں۔ "میری دوسری شرط یہ ہے کہ آپ اس عورت کو جسے آپ نے میری مرحوم والدہ کی جگہ لا بٹھایا ہے طلاق دے دیں۔ یہ اور میں ایک ہی چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے۔"

"اختر۔" سردار صاحب چیخ اٹھے۔ "میں سمجھتا تھا کہ دو سال گھر سے دور رہ کر تمہیں کچھ عقل آگئی ہوگی۔ مگر یہ میری غلطی تھی۔ عقل آنا تو درکنار تم تو اس شعور سے بھی محروم ہو چکے ہو کہ تمہیں کس سے کس طرح مخاطب ہونا چاہیئے۔ تمہاری دونوں شرطیں لغو اور انتہائی مہمل ہیں اور کسی صورت میں میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہو سکتیں میں نے سوچا تھا کہ اگر تم ایک سعادتمند بیٹے کی طرح پیش آؤ گے۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے روبینا سے اپنے گزشتہ طرزِ عمل کے لئے معافی چاہو گے تو میں تمہیں نہ صرف فیکٹری کا چارج دے دوں گا بلکہ جلد ہی اپنے قانونی مشیر کو بلا کر وصیت نامہ بھی تمہارے حق میں تحریر کر دوں گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم خود کو اس کا اہل ثابت نہیں کر سکے۔ اور اب تمہارے طرزِ عمل کو دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے بعد روبینا کو تمہارے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں اسی ہفتہ وکیل صاحب کو بلا کر ساری موجود اور آئندہ جائداد سب کچھ اسی کے نام کر دوں گا۔۔۔"

"آپ سوسائٹی کی اس بٹر فلائی کے لئے مجھے میرے حق سے محروم کریں گے؟" اختر نے بات کاٹی "مگر میں اس کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دوں گا کہ وہ بیٹے کو اس کے قانونی حقِ وراثت سے محروم کر دے۔ میں اس دیوار کو گرا دوں گا جو باپ اور بیٹے کے درمیان کھڑی ہو گئی ہے۔"

اور یہ کہتے ہی اختر اپنی جگہ سے کسی خونناک درندے کی طرح اچھلا اور اس سے پہلے کہ سردار یا حیران اس کے مقصد سے آگاہ ہو سکیں اس نے جھپٹ کر روبینا کا گلا دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ روبینا کے منہ سے ایک ڈری سہمی چیخ نکلی۔ سردار صاحب اور حیران اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر اختر کی طرف لپکے۔

لیکن روبینا کی چیخ سنتے ہی جیسے اختر کو ایکدم ہوش سا آگیا تھا۔ اس نے حیرت سے چاروں طرف اور پھر اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا جو ابھی تک روبینا کی گردن پکڑے ہوئے تھے اور وہ یوں چونک کر پیچھے ہٹا جیسے دفعتاً روبینا کے جسم میں بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہو یا اس نے کوئی بہت ہی خطرناک شئے اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی ہو۔

"یہ میں کیا کر رہا تھا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

سردار صاحب اور حیران درمیان میں رک کر اس حیرت انگیز منظر کو دیکھنے لگے۔

"میں معافی چاہتا ہوں آنی۔" غالباً اختر نے پہلی مرتبہ روبینا کو آنی کہہ کر مخاطب کیا تھا "معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

اور یہ کہتے ہی وہ سردار صاحب کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے گھوما اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ روبینا اب تک اپنی گردن سہلاتے ہوئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور سردار صاحب کے چہرے پر الجھن کے تاثرات صاف نمایاں تھے جیسے وہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ بحیثیت مجموعی اس منظر سے کیا تاثر قبول کریں جو ابھی ابھی ان کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔

خوش فہمی

ایک عورت ٹرین میں سوار ہوئی۔ اس کے پاس دیگر سامان کے علاوہ دیسی گھی کا ڈبہ بھی تھا۔ اس نے سارا سامان رکھ کر دیسی گھی کا ڈبہ گاڑی رکنے والی زنجیر سے لٹکا دیا۔ گاڑی رک گئی۔ ٹی ٹی ڈبے میں آیا اور زنجیر سے لٹکتے ڈبے کو دیکھ کر بولا۔

"اماں یہ ڈبہ یہاں کیوں لٹکایا ہے۔ خواہ مخواہ گاڑی رکوا دی۔"

بڑی بی سب کی طرف فخر سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "دیکھا پنجاب کے گھی میں اتنی طاقت ہے کہ گاڑی رکوا دی۔"

تابندہ کوک عارف والا

سیون اسٹار کلب میں اپنے مخصوص کیبن میں مسٹر مراد اور ان کی بیگم گفتگو میں مصروف تھے۔ اس فرق کے ساتھ کہ آج کافی کے بجائے ان کے سامنے اسکاچ وہسکی کے پیگ رکھے ہوئے تھے۔

"سردار صاحب نے جبران کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔" بیگم مراد نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" مراد نے جواب دیا "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ لوگوں نے اسے خواہ مخواہ ایک ہوا سا بنا دیا ہے ورنہ وہ بھی سب کی طرح ایک انسان ہی ہے۔ اگر وہ عقل سے کام لینا جانتا ہے تو دوسرے بھی جانتے ہیں۔"

"لیکن مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔" بیگم مراد نے کہا "میرا خیال ہے کہ جو کچھ کیا جا چکا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ سردار صاحب اپنے بیٹے سے متنفر ہو چکے ہیں۔ پہلے کوئی وصیت نامہ نہیں تھا لیکن اب انھوں نے وصیت نامہ لکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اختر کو وارث بنانا نہیں چاہتے۔ اس سے ہمارا مقصد حل ہو جاتا ہے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے بیگم۔" مراد نے کچھ حیرت سے کہا۔ "یہ ہمارا پہلا شکار نہیں ہے اور ہمارا اصول رہا ہے کہ ہم کبھی اپنا کام ادھورا نہیں چھوڑتے۔"

"ہاں۔ لیکن اتنا اونچا شکار پھانسنے کا یہ پہلا ہی موقع ہے۔ میں عقلمندی اسی میں سمجھتی ہوں کہ زیادہ لالچ میں آکر معاملہ کو طول نہ دیا جائے۔"

"شکار اونچا ہے تو میرا منصوبہ بھی بہترین اور مکمل ترین ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اختر پورے ایک ہفتہ کے لئے ہماری خواہشات کا غلام ہے۔ وصیت نامہ پر دستخط ہوتے ہی اختر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ علی نواز کو قتل کر دے۔ یہ ڈرامہ کھلے عام کھیلا جائے گا۔ قتل کے ایک نہیں کئی عینی گواہ موجود ہوں گے۔ مقصدِ قتل بھی واضح ہوگا۔ پولیس کو اپنا کیس تیار کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ پھر اختر لاکھ چیختا رہے کہ وہ بیگناہ ہے کوئی اس کے بیان پر یقین نہیں کرے گا۔"

"لیکن جبران...."

"ان حالات میں جبران بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور بالفرض محال میں نے دیکھا کہ وہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے تو علی نواز کے ساتھ اسے بھی ختم کرایا جا سکتا ہے۔"

مسٹر مراد اور ان کی بیگم حسب معمول نو بجے کلب سے رخصت ہو گئے۔ انھیں گئے پندرہ ہی منٹ ہوئے ہوں گے کہ جبران کلب کے ریسٹورنٹ ہال میں داخل ہوا۔ پہاڑی سڑک کے دونوں کناروں پر جس طرح بورڈ رکھ کر اختر کے نام نہاد حادثہ کا ڈرامہ کھیلا گیا تھا اور واپسی پر اختر کے طرز عمل میں فون ریسیو کرتے ہی جو عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس نے جبران کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس واقعہ کا کوئی نہ کوئی تعلق سیون اسٹار کلب اور ڈاکٹر مرشد سے ضرور ہے اور وہ یہی تعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔

اس نے بیٹھنے کے لئے کوئی پرائیویٹ کیبن پسند کرنے کے بجائے ہال کے ایک گوشے میں بیٹھنا زیادہ مناسب خیال کیا جہاں سے وہ آنے جانے والوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ اس نے ویٹر کو کریم کافی لانے کا آرڈر دیا اور آرڈر کی تعمیل کے بعد اطمینان سے کافی کے گھونٹ پیتے ہوئے ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے قریب ہی ایک میز پر دو ادھیڑ عمر آدمی اسکاچ وہسکی کی بوتل درمیان میں رکھے پیگ پر پیگ چڑھا رہے تھے اور دنیا بھر کی بے تکی باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جبران نے ڈاکٹر مرشد کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ انھوں نے پہلے تو دروازے کے پاس رک کر اس طرح چاروں طرف نگاہ دوڑائی جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں اور پھر دروازے کے قریب ہی ایک میز پر بیٹھ گئے۔ ریسٹورنٹ کا ویٹر غالباً ان کے معمول سے واقف تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی کولڈ کافی کا ایک گلاس ان کے سامنے رکھ گیا۔ جبران کی میز کے پاس بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں نے بھی ڈاکٹر مرشد کو اندر آتے دیکھ لیا تھا اور غالباً ان کے پاس گفتگو کا کوئی دوسرا موضوع نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ ڈاکٹر مرشد کے ذکر پر جبران کے بھی کان ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ ڈاکٹر صاحب بھی خوب ہیں!" ایک بولا "ہر روز کسی نئی ایجاد کی داستان سناتے ہیں اور ایسی عجیب و غریب کہ عقل اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ اب تو بہت دنوں سے ان سے بات نہیں ہوئی لیکن کوئی مہینہ بھر ادھر کی بات ہے کہ مجھ سے رازدارانہ لہجے میں کہنے لگے کہ بس اب تم دیکھتا حکومت بہت جلد مجھے ریسرچ سینٹر کا انچارج مقرر کرنے والی ہے۔ میں نے پوچھا 'کیا آپ کی کوئی ایجاد حکومت کو پسند آ گئی۔' بولے 'ناپسند آنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے' اس مرتبہ میں نے ایسا انجکشن ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی آدمی کے لگا دیا جائے اور پھر اس سے کہا جائے کہ آگ میں کود جاؤ تو وہ بلا تردد آگ میں چھلانگ لگا دے گا۔ جانتے ہو اس کی سیاسی اہمیت کیا ہو گی۔؟ سیاسی طور پر اگر آپ دشمن کے راز معلوم کرنے کے لئے کسی ایجنٹ کو بھیجنا چاہتے ہیں۔ بس اس کے ایک انجکشن لگا دیا۔ اب وہ نہ صرف ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو گا بلکہ اگر بدقسمتی سے دشمن کے ہاتھ لگ جائے تو خواہ اس پر دنیا بھر کے ظلم کر دیئے جائیں، تشدد اور ایذا رسانی کی حد کر دی جائے مگر وہ اپنی زبان سے ایک حرف نہیں نکالے گا۔ دوسری جانب اگر دشمن کا کوئی جاسوس گرفتار کر لیا گیا ہے اور وہ کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تو وہ ہی انجکشن اس کے لگا دو، دوسرے لمحہ تمام راز اگل دے گا۔ جنگ سے پہلے تمام سپاہیوں کو انجکشن لگا دیا جائے تو پھر اس فوج کا مقابلہ موت بھی نہیں کر سکتی وہ اس بے جگری سے دشمن پر ٹوٹ پڑے گی کہ چاہے اس کا ایک ایک جوان کام آ جائے مگر اس کے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب انجکشن تو آپ نے واقعی لاجواب تیار کیا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اپنا جاسوس تو اس کی وجہ سے زبان بند رکھے اور دشمن کا جاسوس سب کچھ بتا دے۔ کہنے لگے کہ یہ باتیں آپ کی سمجھ سے بالاتر ہیں اس لئے بتاؤں بھی تو آپ خاک نہیں سمجھیں گے۔ بس اتنا جان لیں کہ انجکشن کے بعد اس شخص کی کیفیت مسمریزم کے معمول جیسی ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت میں اسے جو بھی حکم دیا جائے وہ اس کی تعمیل کرے گا۔"

"یار اگر اس پاگل ڈاکٹر نے واقعی کوئی ایسا انجکشن ایجاد کیا ہے تو یہ اپنے لئے بھی بڑے کام کی چیز ہو سکتا ہے" دوسرے نے کہا۔

"ارے تم بھی کس کی باتوں میں آ رہے ہو۔ اگر یہ پاگل واقعی اپنے دعووں میں سچا ہوتا تو حکومت اسے ریسرچ سینٹر سے باہر نہ نکال دیتی۔ ویسے تمہاری طرح اور بھی کئی احمق اس کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں تم مسٹر مراد کو جانتے ہو۔؟"

"نہیں۔ یہ کون صاحب ہیں۔"

"زیادہ تو میں بھی نہیں جانتا مگر کوئی ایک دو ماہ سے وہ بڑی پابندی سے ہر ہفتہ کی شام کو اپنی بیوی کے ساتھ یہاں آتے ہیں۔ آج بھی آئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکٹر کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ انھیں ڈاکٹر کے ساتھ باتیں کرتے اور اس کے ساتھ کلب سے جاتے دیکھا ہے۔"

جبران کے لئے یہ باتیں بڑے کام کی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لوگ اس موضوع پر کچھ اور باتیں بھی کریں مگر اسی لمحہ اس نے ڈاکٹر مرشد کو اپنی میز سے اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ بھی ان کے پیچھے چل دیا۔ ڈاکٹر مرشد نے کاؤنٹر پر مسٹر مراد کے بارے میں پوچھا۔ کاؤنٹ کلرک نے انھیں بتایا کہ مسٹر مراد آئے تھے لیکن آدھ گھنٹے قبل واپس چلے گئے۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کافی کا بل ادا کیا اور ہال سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد جبران نے اپنا بل ادا کرتے ہوئے کلرک سے پوچھا کہ مسٹر مراد کون ہیں؟ کلرک نے بتایا کہ صحیح طور پر تو اسے بھی پتہ نہیں لیکن سنا ہے کہ وہ وزارت دفاع میں انڈر سیکریٹری ہیں۔ ہر ہفتہ کی شام کو کلب میں آتے ہیں، کچھ دیر بیٹھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے ان کی ڈاکٹر مرشد سے خاصی دوستی ہو گئی ہے اور وہ کئی مرتبہ ان کے گھر بھی جا چکے ہیں۔

جبران کے لئے اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ اس نے کلرک سے مسٹر مراد اور ان کی بیگم کا حلیہ پوچھا اور حلیہ سنکر اس کے ذہن میں ایک موہوم سا خیال ابھرا کہ وہ دونوں کون ہو سکتے ہیں۔

جبران جس وقت سردار علی نواز خاں صاحب کے بنگلہ پر پہنچا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے چوکیدار کے ذریعہ اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ سردار صاحب کچھ ہی دیر پہلے کلب میں اپنے دوستوں سے شطرنج کی تین چار بازیاں کھیل کر

واپس آئے تھے اور اس وقت اپنے اسٹڈی روم میں تھے۔ انھوں نے جبران کو وہیں بلا لیا۔

"خیریت تو ہے، اتنی رات گئے کیسے آنا ہوا؟" سردار صاحب نے پوچھا۔

جبران نے روبینا کی طرف دیکھا جو کتابوں کی ایک الماری کے سامنے کھڑی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ سردار صاحب اس کی نگاہ کا مطلب سمجھ گئے۔

"روبینا۔" وہ بولے۔ "دیکھنا اگر خادمہ ابھی جاگ رہی ہو تو کافی یا چائے بنوا دو۔"

"وہ تو دس بجے ہی اپنے کوارٹر میں چلی جاتی ہے۔" روبینا نے کہا۔ "میں خود بنائے لاتی ہوں۔"

وہ آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف چلی۔

"آپ کسی مراد نامی شخص یا اس کی بیوی سے واقف ہیں؟" جبران نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" سردار صاحب نے حیرت سے جواب دیا۔ "کون ہے یہ شخص اور اس کا موجودہ معاملات سے کیا تعلق ہے؟"

روبینا نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

"ابھی یہ معلوم نہیں کر سکا ہوں۔" جبران نے بتایا۔ "لیکن میرا اندازہ ہے کہ ان واقعات کی تہہ میں ان دونوں کا ہی ہاتھ ہے۔"

اس نے سوچا کہ وہ کلب میں ہونے والی باتوں سے سردار صاحب کو آگاہ کرے۔ لیکن پھر کسی خیال سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

"اس وقت اختر صاحب کہاں ہیں۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہو گا۔"

"اب ان کا طرزِ عمل کیسا ہے؟"

"بظاہر وہ اُس دن کی باتوں پر شرمندہ ہے۔"

"کیا ان کے کمرے میں فون ہے؟"

"گھر میں فون تو ایک ہی ہے مگر میں نے اس کے دو ایکسٹینشن لگوا لئے ہیں۔ ایک میرے بیڈ روم میں، ایک اختر کے کمرے میں۔ فون ڈرائنگ روم میں رکھا رہتا ہے۔ کوئی کال آتی ہے تو ڈرائنگ روم کے فون کی گھنٹی بجتی ہے یا تینوں فون ٹھیک وقت بجنے لگتے ہیں۔۔۔؟"

"دن میں صرف ڈرائنگ روم کے فون پر کال آتی ہے۔ رات کو تینوں فون باہم کنکٹ کر دیئے جاتے ہیں۔" سردار صاحب نے بتایا۔ "مگر آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں۔۔۔؟"

"اس دن میں نے آپ کے ڈرائنگ روم میں ایک گروپ فوٹو دیکھا تھا۔" جبران نے جواب سے دانستہ احتراز برتتے ہوئے کہا۔ "شاید وہ کسی تقریب کا گروپ ہے۔ آئیڈیا؟"

"میں سمجھ گیا۔" سردار صاحب نے بات کاٹی۔ "وہ پچھلے سال فیکٹری میں تقسیمِ بونس کے موقع کا فوٹو ہے۔ اس میں میرے اور روبینا کے علاوہ لطیف صاحب، ان کی اہلیہ اور لڑکی پروین کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ پھر اسٹاف کے کچھ ممبر بھی ہمارے ساتھ ہیں۔"

"مجھے ایک دن کے لئے اس فوٹو کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے، آپ واپس جاتے ہوئے اسے لے لیں۔"

حکم حاکم

پولیس افسر نے عادی جیب کترے سے کہا۔
"دو سٹرڈالر جرمانہ دو یا سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

جیب کترے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ساری رقم نکالی۔ اسے گنا اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولا ——— "افسوس! میرے پاس تو صرف پچاس ڈالر ہیں۔"

پولیس افسر نے سر ہلا کر کہا۔
"خوب! میں تمہیں ایک کانسٹیبل کے ساتھ ہی سڑک پر بھیج رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے کے اندر بقیہ بیس ڈالر مہیا کرو۔"

"ایک بات اور۔" جبران نے خیالی لگیر لہجہ میں کہا۔ "آپ کل ——— مگر کل تو اتوار ہے۔ خیر پیر کے دن سہی۔ آپ پیر کو دوپہر تک اس بات کا اعلان کر دیں کہ آپ نے اپنا وصیت نامہ تحریر کرا لیا ہے۔ نیز اس پر آپ کے اور گواہوں کے دستخط بھی ہو چکے ہیں اور آپ نے اس وصیت نامہ کے ذریعے اپنی تمام جائداد اپنی بیگم کے نام لکھ دی ہے ——— ٹھہریئے کوئی سوال کرنے سے پہلے میری پوری بات سُن لیں۔

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ سچ مچ وصیت نامہ بھی مرتب کر دیں۔ البتہ آپ ظاہر یہی کریں کہ آپ نے ایسا کر دیا ہے۔ اس کی کیا مصلحت ہے یہ میں آپ سے پرسوں ہی عرض کروں گا۔"

سردار صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

"اگر آپ کو اس سے تحقیقات میں کوئی مدد مل سکتی ہے؟" آخر انھوں نے کہا۔

"تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ——— ویسے جہاں تک میرے فیصلے کا تعلق ہے تو اس شام میں نے غصہ میں ایک بات کہہ دی تھی میرا اس پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"مجھے اس کا احساس ہے اور اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو میں آپ سے کبھی نہ کہتا۔"

"اچھی بات ہے جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی کروں گا۔ اور کچھ ——؟"

"بس اب اجازت دیجئے۔"

"چائے آ رہی ہو گی۔ پی کر جائیں۔"

اسی وقت روبینا ایک ٹرالی میں چائے کے برتن لئے اندر داخل ہوئی۔

"میں نے آپ کو بڑی زحمت دی۔" جبران مسکرایا۔

"بالکل نہیں۔" روبینا نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے گھر کا کام اپنے ہاتھ سے کر کے خوشی ہوتی ہے ——— اور چائے بنانا تو ایسا کوئی خاص کام بھی نہیں ہے، البتہ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کو میرے ہاتھ کی چائے پسند نہ آئے۔ کبھی کبھی بناتی

ہوں اس لئے چائے کی پتی اور پانی کا تناسب گڑبڑ ہوتا رہتا ہے۔"

"یہ سب کسرِ نفسی کی باتیں ہیں۔" سردار صاحب نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا" ورنہ روبینا بڑی مزیدار چائے بناتی ہیں۔"

روبینا نے ایک شرمیلی ادا سے سر جھکا لیا اور پرچوں میں پیالیاں سیدھی کر کے رکھتی ہوئی چائے بنانے لگی۔

جبران نے ڈرائنگ روم سے گروپ فوٹو مع فریم کے اٹھا کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور باہر جانے کے لئے ہال کی طرف بڑھا۔ ہال میں اس وقت صرف زیرو واٹ کا ایک بلب روشن تھا جس کی ہلکی روشنی ہال کی تاریکی کو پوری طرح دور کرنے میں ناکام تھی۔ خاص طور پر زینے میں بالکل اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ جس وقت وہ آیا تھا تو اس نے دیکھا تھا کہ ایک بلب زینے کے درمیان میں بھی جل رہا تھا۔ غالباً وہ اس وقت بجھا دیا گیا تھا۔ جبران کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے خبردار کر رہی تھی۔ اس نے محتاط انداز میں قدم آگے بڑھایا۔ ہال سے باہر لے جانے والا دروازہ زینے کے قریب تھا۔ دروازے تک پہونچنے کے لئے اسے زینے کے پاس سے گزرنا تھا۔ وہ اور آگے بڑھا۔

بعد از وقت اسے معلوم ہوا کہ جس تاریک شئے کو زینے کا ستون سمجھ رہا تھا وہ اختر تھا۔ وہ تیسری یا چوتھی سیڑھی پر کھڑا تھا اور اس نے جبران کے سامنے آتے ہی وہیں سے اچھل کر ایک لات اس کے سینے پر ماری۔ چوکنا ہونے کے باوجود یہ حملہ جبران کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتے کرتے بھی فرش پر گر پڑا اور اگر فرش پر قالین نہ بچھا ہوتا تو یقیناً اس کے گرنے کی آواز اسٹڈی روم تک پہونچ جاتی جہاں اس وقت بھی سردار صاحب اور روبینا موجود تھے۔ جبران سنبھل کر اٹھا۔ لیکن اختر اس سے پہلے سنبھل کر اس کے سر پر پہونچ چکا تھا۔ اس نے دوسری لات چلائی۔ لیکن جبران ایک ہی وار دوبارہ کھانے والا نہیں تھا۔ ہال کی مدھم روشنی میں وہ اپنے حملہ آور کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ اختر کا پیر قریب آتے ہی اس کا ہاتھ تیزی سے بڑھا اور یوں جیسے کوئی کسی سانپ کے پھن کو دبوچ لے اس نے اختر کی پنڈلی اپنی مضبوط گرفت میں پکڑی اور اسے پوری طاقت سے اوپر اچھال دیا۔ اختر نے ایک قلابازی سی کھائی اور قالین پر دراز ہو گیا۔ اب جبران کی وہ ہی پوزیشن تھی جو کچھ دیر قبل اختر کی تھی اور جبران نے اس پوزیشن سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اس مقابلہ کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ یہ دھینگا مشتی جلد ہی سردار صاحب اور روبینا کو متوجہ کر سکتی تھی اور پھر بات بگڑ جاتی، اس نے اختر کے اٹھنے سے پہلے ہی اس کی کنپٹی پر ایک ماہرانہ ضرب لگائی جو طاقت میں شدید نہیں تھی مگر اختر کو دو تین گھنٹوں کے لئے بیہوش کرنے کے لئے کافی تھی، اختر نے اٹھتے اٹھتے ایک لہر سی کھائی اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

جبران نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہال سنسان تھا۔ اسٹڈی روم کی جانب بھی خاموشی طاری تھی۔ اس نے بیہوش اختر کو اپنے کندھے پر اٹھایا۔ زینہ طے کر کے اوپر پہونچا۔ سامنے ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اختر کا کمرہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے اختر کو اس کے بستر پر لٹایا اور جس خاموشی سے اوپر چڑھا تھا اسی خاموشی سے نیچے اتر کر ہال سے باہر آ گیا۔

دوسرے دن جبران صبح ہی ڈاکٹر مرشد کے بنگلہ پر پہونچ گیا۔ گھنٹی بجائی جواب میں خود ڈاکٹر مرشد باہر نکل کر آئے۔ "فرمائیے۔" انھوں نے جبران کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جبران نے اپنی جیب سے ایک شناختی کارڈ نکالا۔ اس کے پاس مختلف جعلی شناختی کارڈ موجود تھے جنھیں وہ حسبِ ضرورت موقع و محل کے اعتبار سے استعمال کرتا رہتا تھا اور یہ شناختی کارڈ اتنی ہوشیاری سے تیار کئے گئے تھے کہ اگر خود متعلقہ محکمہ کا کوئی کارکن دیکھتا تو وہ بھی بآسانی دھوکا کھا سکتا تھا۔

"میرا نام خلیل ہے اور میں اسپیشل سیکورٹی پولیس کا چیف انسپکٹر ہوں۔ آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب نے غور سے شناختی کارڈ کو دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "اندر تشریف لے آئیے۔"

وہ جبران کو اپنی چھوٹی سی لیبارٹری میں لے گئے جہاں وہ جبران کے آنے سے پہلے کسی تحقیقاتی کام میں مصروف تھے۔

"غالباً آپ کو مسٹر مراد انڈر سیکریٹری وزارتِ دفاع کی رپورٹ پر یہ چیک کرنے بھیجا گیا ہے کہ میں نے مختلف اوقات میں حکومت کو جن مختلف ایجادات کے بارے میں لکھا ہے وہ کہاں تک صحیح یا غلط ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔" جبران نے جواب دیا۔ "آپ نے اب تک حکومت کو جو خطوط لکھے ہیں وہ ماہرین کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیئے گئے ہیں اور یہ کمیٹی اس بات کا جائزہ لے رہی ہے کہ آپ نے جن ایجادات کا ذکر کیا ہے وہ آپ کے تحریر کردہ فارمولوں کے مطابق درست ہیں یا نہیں۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی رپورٹ موصول ہونے پر آپ کو جواب سے مطلع کر دیا جائیگا۔ ویسے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کمیٹی کے ماہرین آپ کی ایجادات سے کافی متاثر ہیں۔"

"انہیں ہونا بھی چاہیئے۔" ڈاکٹر صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "بہرحال تو آپ کس سلسلے میں سوالات پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"سب سے پہلے تو میں آپ کی اطلاع کے لئے یہ عرض کر دوں کہ وزارتِ دفاع میں مراد نام کا کوئی شخص ملازم ہی نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی انڈر سیکریٹری ہو۔ دراصل وہ شخص اور اس کی بیوی دونوں اوّل نمبر کے چار سو بیس اور فراڈ ہیں۔ سزا یافتہ مجرم ہیں اور اب تک بہت سے افراد کو اپنے فریب کا شکار بنا چکے ہیں۔"

"یہ ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ڈاکٹر مرشد کی حیرت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"جو کچھ حقیقت ہے وہ ہی عرض کر رہا ہوں اس کی تصدیق آپ چاہیں تو ابھی وزارتِ دفاع کو فون کر کے کر سکتے ہیں۔" جبران نے کہا۔ "ہمیں معلوم ہوا تھا کہ ان دونوں کو کچھ دنوں سے سیون اسٹار کلب میں دیکھا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ آپ سے تعلقات قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا ہے۔ بظاہر حکومت کے رویہ سے خواہ اس کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حکومت آپ کی شخصیت کو

بے جا اہم خیال کرتی ہے چنانچہ فطری طور پر ہمیں تشویش ہوئی کہ کہیں وہ آپ کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر کسی نئے فریب کا جال نہ بچھا رہا ہو۔ لیکن ٹھہریئے اس سے پہلے کہ ہماری گفتگو مزید آگے بڑھے میں آپ کو ایک گروپ فوٹو دکھاتا ہوں آپ اس فوٹو کو غور سے دیکھ کر بتائیں کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو مراد کہتا ہے اور اس کی بیوی، کیا اس گروپ میں موجود ہیں۔"

جبران نے جیب سے وہ ہی گروپ فوٹو نکالا جو وہ سردار علی نواز خاں کے ڈرائنگ روم سے لایا تھا اور ڈاکٹر مرشد کے ہاتھ میں دے دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے غور سے فوٹو کو دیکھا اور پھر چونک کر دو چہروں پر انگلی رکھتے ہوئے بولے۔

"جی ہاں یہ وہ ہی دونوں ہیں۔"

"شکر ہے کہ ہمارا اندیشہ غلط نہیں تھا۔" جبران نے اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں جس بدمعاش کا ذکر کر رہا تھا وہ یہ ہی ہے اب آپ سے اس نے کیا داستان بیان کی ہے اور وہ آپ کی کس ایجاد سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"دراصل میں نے حال ہی میں ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے کہ اگر اسے انجکشن کے ذریعے....."

"جی ہاں۔ میں جانتا ہوں۔" جبران نے بات کاٹی۔ "آپ نے اپنے آخری خط میں اس کا ذکر کیا تھا۔ وہ کوئی ایسی دوا ہے جس کا انجکشن انسان پر مسمریزم کے معمول جیسی حالت طاری کر دیتا ہے اور اس حالت میں اسے جو حکم دیا جائے ہوش میں آنے کے بعد وہ اس کی تعمیل میں کسی خطرے، حد یہ کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتا ہے۔"

"یہ تو اس کی بہت ہی ناکافی تفصیل ہے۔" ڈاکٹر مرشد مسکرائے۔ "وہ اس سے بہت زیادہ کام کرتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ انجکشن لگنے کے بعد انسان پر صرف پانچ منٹ کے لئے نیم بیہوشی جیسی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس عالم میں آپ کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ پہلے سے مقرر کردہ کوئی کوڈ ورڈ یا کوئی خاص آواز اسے سنا دیں۔ اس کے بعد وہ ہوش میں آجائے گا اور ہر اعتبار سے ایک نارمل انسان ہوگا یعنی بالکل ویسا ہی جیسا اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے وہ انجکشن لگنے سے قبل تھا۔ لیکن اس کے بعد آپ جب بھی اسے وہ خاص لفظ یا آواز سنائیں گے اس پر مسمریزم کے معمول جیسی حالت طاری ہو جائے گی۔ اس حالت میں آپ اسے جو بھی حکم دیں گے وہ اسکی تعمیل کرے گا خواہ اسے خود اپنی زندگی سے ہی ہاتھ کیوں نہ دھونا پڑیں۔ پھر اسی کیفیت میں آپ اسے یہ ہدایت بھی دے سکتے ہیں کہ فلاں آواز یا فلاں لفظ سنکر یا فلاں چیز دیکھ کر وہ اپنی نارمل حالت میں واپس آجائے گا اور اسے کچھ یاد نہیں رہے گا کہ وہ اپنی سحر زدہ کیفیت میں کیا کچھ کر چکا ہے۔"

"بہت خوب۔ پھر تو یہ انجکشن واقعی کمال کی ایجاد ہے لیکن یہ تو بتایئے کہ ایک انجکشن کا اثر کتنی مدت تک رہتا ہے۔"

"یہ انجکشن کی طاقت پر منحصر ہے۔ آپ چاہیں تو ایک دن۔ ایک ہفتہ ایک مہینہ، ایک سال یا ساری زندگی کے لئے ایک ہی انجکشن کافی ہو سکتا ہے۔"

"تو وہ نوجوان جسے ایکسیڈنٹ کے بہانے آپ کے پاس لایا گیا اسے آپ نے کتنی طاقت کا انجکشن دیا تھا۔" جبران نے سرسری لہجہ میں پوچھا لیکن ڈاکٹر مرشد یہ سنکر بری طرح چونک اٹھے۔

"آپ کو یہ بھی معلوم ہے؟" انھوں نے حیرت سے کہا۔

"اسپیشل سیکورٹی پولیس اب اتنی نالائق بھی نہیں ہے کہ ایسی اطلاعات بھی حاصل نہ کر سکے۔ لیکن خیر آپ یہ بتائیں کہ اس سلسلے میں مراد نے آپ کے سامنے کیا عذر بیان کیا تھا۔"

"بخدا مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ کوئی فریبی مجرم تھا۔ اس کمال کا اداکار ہے وہ شخص کہ میں تو اسے قطعی طور پر وزارت دفاع کا انڈر سیکریٹری ہی سمجھا تھا۔" ڈاکٹر مرشد نے جواب دیا۔ "اس نے مجھ سے کہا کہ حکومت کو آپ کی نئی ایجاد کے بارے میں خط مل چکا ہے اور مجھے اس دوا کے اثرات چیک کرنے پر معمور کیا گیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ حکومت کو ایک شخص پر شبہ ہے کہ وہ دشمن ملک کا جاسوس ہے۔ ہر طرح اس کا راز معلوم کرنے اور اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کی گئی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب حکومت چاہتی ہے کہ پہلے تو اس شخص سے معلوم کیا جائے کہ وہ کس مشن پر بھیجا گیا تھا اور پھر اسے اپنا جاسوس بنا کر جھوٹی اطلاعات کے ساتھ اس ملک کو واپس بھیج دیا جائے تاکہ پھر وہ اس ملک میں رہتے ہوئے ہمارے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرے چونکہ آپ کے دعوے کے مطابق آپ کا انجکشن یہ کام بخوبی کر سکتا ہے اس لئے حکومت اس شخص پر تجربہ کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تب آپ کو بلا تامل ریسرچ سینٹر کا چارج سونپ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس شخص کو ایک جعلی حادثہ کی آڑ میں یہاں لایا گیا اور میں نے اسے انجکشن دے دیا۔ فی الحال اسے ایک ہفتہ کی طاقت کا انجکشن دیا گیا ہے۔ بعد میں اسے غیر محدود مدت کا انجکشن لگا دیا جائے گا۔"

"اور وہ لفظ کیا ہے جسے سن کر اس شخص پر مسمریزم کے معمول جیسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔" جبران نے پوچھا۔

"فارمولا فور ٹوئنٹی۔" ڈاکٹر مرشد نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"یہ لفظ آپ نے تجویز کیا تھا یا مراد نے۔؟"

"یہ لفظ خود انڈر سیکریٹری... میرا مطلب ہے اس شخص نے ہی تجویز کیا تھا۔"

"آپ مجھے وہ دوا دکھا سکتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ ضرور۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "یہ پوری طاقت کی دوا ہے اسے ضروری مدت کے مطابق ہلکا بنا لیا جاتا ہے۔ انجکشن کے لئے ایک سی سی کافی ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر مرشد نے ایک الماری کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی شیشی نکالی جس میں کوئی محلول بھرا ہوا تھا۔ شیشی سیاہ ہونیکی وجہ سے محلول کا رنگ معلوم کرنا مشکل تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے الماری کھولی تو جبران نے یہ بھی دیکھ لیا کہ انجکشن لگانے کی سرنج بھی اسی الماری میں رکھی ہے۔

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر صاحب مگر انسانیت کے نام پر میں آپ کے ساتھ یہ سلوک کرنے پر مجبور ہوں۔" جبران نے کہا اور ساتھ ہی بے خبر ڈاکٹر مرشد کی گدی پر ایک ہاتھ مارا۔ ڈاکٹر صاحب بیہوش ہو کر گرنے لگے تو جبران نے انھیں ہاتھوں پر سنبھال لیا اور احتیاط سے وہیں لیبارٹری میں بچھی ہوئی ایک کوچ پر لٹا دیا۔

الماری سے سرنج نکالی۔ وہیں ایک ڈبیہ میں سوئیاں اور ایک شیشی میں اسپرٹ موجود تھا۔ جبران نے سرنج میں سوئی لگائی۔ شیشی سے ایک سی سی دوا سرنج میں بھری اور اسپرٹ کی مدد سے سوئی اور ڈاکٹر صاحب کا بازو صاف کرتے ہوئے انجکشن لگادیا۔

"ڈاکٹر مرشد۔" تقریباً ایک منٹ بعد اس نے کہا۔ "آپ میری بات سن رہے ہیں؟"

"سن رہا ہوں۔" ڈاکٹر کی آنکھیں بند تھیں مگر ہونٹ جواب دے رہے تھے۔

"میں جو کچھ حکم دوں گا آپ اس کی تعمیل کریں گے۔؟"

"میں اس کی تعمیل کروں گا۔"

"آپ اپنے اس فارمولے کے بارے میں سب کچھ بھول جائیں گے اور اس سلسلے میں جو واقعات پیش آئے ہیں انھیں بھی فراموش کردینگے۔ آپ نے ایسی کوئی دوا ایجاد نہیں کی اور نہ آئندہ کریں گے۔ آپ کو اس کے فارمولے اور اسکے اجزاء کا کوئی علم نہیں۔ آپ مراد یا بیگم مراد سے قطعی واقف نہیں ہیں اور نہ آپنے کسی نوجوان کو کسی دوا کا کوئی انجکشن لگایا ہے۔ میری باتیں سمجھ رہے ہیں۔"

"سمجھ رہا ہوں۔"

"آپ اسی کے مطابق عمل بھی کریں گے۔"

"اسی کے مطابق عمل کروں گا۔"

"اب آپ پندرہ منٹ کے بعد ہوش میں آئیں گے اور اپنے معمولات میں مصروف ہوجائیں گے۔ اگر اس فارمولے کا کوئی ریکارڈ آپ کے پاس ہے تو اسے ضائع کردینگے اور میری اس ملاقات کے بارے میں بھی آپ کو کچھ یاد نہیں رہے گا۔ نیز آئندہ آپ اپنی کسی ایجاد کا پبلک میں کوئی ذکر نہیں کریں گے۔"

جبران نے شیشی کی ساری دوا واش بیسن میں پھینکدی اور اسے اچھی طرح دھوکر الماری میں سرنج اور دوسری چیزوں کے ساتھ واپس رکھ دیا۔ پلٹ کر ڈاکٹر مرشد کی طرف دیکھا وہ بدستور آنکھیں بند کئے کوچ پر لیٹے تھے۔ جبران نے ایک آخری نظر ان پر ڈالی اور لیبارٹری سے باہر نکل گیا۔

پیر کے دن سردار صاحب نے شام کو دفتر سے واپس آکر اعلان کردیا کہ وہ روبینا کے حق میں اپنا وصیت نامہ مرتب کرچکے ہیں۔ اختر کو۔ اگر اس کا طرز عمل اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ مناسب رہا۔ ایک معقول رقم جسے اس کی سوتیلی ماں ضروری اور مناسب سمجھے ماہانہ ملتی رہے گی اور روبینا کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ اپنے طور پر اسے جس فرد کے نام وراثت میں چھوڑنا چاہے چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن اگر اس نے سردار علی داؤد کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرلی تو پھر تمام جائداد اور نقد روپیہ اختر کو یا اس کی اولاد کو پچاس ہزار روپیہ ادا کرنے کے بعد۔ مختلف خیراتی اور رفاہی اداروں میں تقسیم کردیا جائیگا۔

سردار صاحب نے یہ اعلان کھانے کی میز پر کیا تھا۔ اختر یہ سنتے ہی اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔" روبینا شکایتی لہجہ میں بولی۔ "میں نے کب اس بات کی خواہش کی تھی کہ آپ اپنے جائز وارث کو محروم کرکے ساری دولت و جائداد میرے نام کردیں۔ فیصلہ آپ نے اپنی مرضی سے کیا ہے لیکن اختر تو یہی سمجھے گا کہ میں نے آپ کو اس کے خلاف کردیا۔"

"میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کیا سوچے گا اور کیا نہیں۔ یہ جائداد۔ یہ فیکٹری۔ یہ دولت میرے محنت کے پسینے کی کمائی ہے اور مجھے پورا حق ہے کہ اسے جسے چاہوں سونپ دوں۔ بس اب اس ذکر کو ختم کرو۔ میں نے جو کچھ کیا ہے مناسب کیا ہے۔"

اختر اس رات دو تین بجے تک گھر سے باہر رہا۔ پھر آیا تو سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن یہ بات نہ روبینا کو معلوم تھی اور نہ سردار صاحب کے علاوہ گھر میں کسی اور کو کہ جبران اس رات بارہ بجے کے قریب پوشیدہ طور پر بنگلے میں آیا تھا۔ وہ تقریباً دس پندرہ منٹ ڈرائنگ روم میں اکیلا رہا اور پھر جس طرح آیا تھا اسی طرح چپ چاپ رخصت ہوگیا۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر اختر اور روبینا کے علاوہ جبران بھی موجود تھا ناشتہ ابھی جاری تھا کہ ڈرائنگ روم میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" جبران نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحہ اس نے واپس آکر بتایا کہ فون اختر کا ہے۔ جب اختر فون سننے کے لئے ڈرائنگ روم میں گیا جبران نے سردار صاحب کو اشارہ کیا۔ وہ خود بھی اٹھے اور کمرے کے دروازے پر آکر کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے دیکھا کہ اختر فون پر بات کرنے کے بعد کھانے کے کمرے میں واپس آنے کے بجائے اوپر چلا گیا۔ جبران سردار صاحب کو ساتھ لئے تیزی سے ڈرائنگ روم میں آیا۔ روبینا ان دونوں کے پیچھے تھی۔

"میں نے کل رات فون کے ساتھ ایک ٹیپ ریکارڈر لگادیا تھا۔" جبران نے بتایا۔ اور اس کے ساتھ ہی میز کی دراز کھول کر ٹیپ کے رول کو تھوڑا واپس لانے کے بعد آن کردیا۔ بٹن دباتے ہی ایک بھاری آواز بلند ہوئی۔

"فارمولا فور ٹو نائن۔ اختر۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم فوراً اوپر جاؤ۔ اپنے والد کے بیڈ روم کی الماری سے ان کا ریوالور نکالو اور واپس آکر ان سے کہو کہ آپنے ایک آبرو باختہ عورت کے فریب میں آکر مجھے وراثت سے محروم کردیا ہے۔ میں آپ کو اور اسے قتل کرکے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی تم اپنے باپ پر لگاتار دو فائر کرکے اسے ختم کردو۔ لیکن فائر کی دوسری آواز کے ساتھ ہی تم ہوش میں آجاؤ گے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں رہے گا کہ تم نے کب اور کیوں اپنے باپ کو قتل کیا ہے اور کیا بھی ہے یا نہیں۔ ساتھ ہی تم یہ گفتگو اور سارے پچھلے واقعات بھی بھول جاؤ گے۔ بس اب جاؤ۔۔۔"

ٹیپ ریکارڈر پر ریسیو واپس رکھنے کی آواز سنائی دی اور خاموشی چھاگئی جبران نے پلٹ کر سردار صاحب کی طرف دیکھا ان کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحہ زینہ پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اختر ہاتھ میں ریوالور لئے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ پہلے کھانے کے کمرے میں گیا۔ پھر ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح سپاٹ اور بے رنگ تھا۔ آنکھیں جیسے خوابیدہ سی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس نے سردار صاحب کو دیکھتے ہی کہا۔

"آپ نے ایک آبرو باختہ عورت کے فریب میں آکر۔۔۔۔"

مگر اسے زیادہ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جبران نے اسی لمحہ اپنی جیب سے ایک ریوالور نکال کر لگاتار دو ہوائی فائر کر دیئے۔ فائروں کی آواز سنتے ہی اختر کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے یوں آنکھیں ملیں جیسے ابھی ابھی خواب سے جاگا ہو، آنکھیں ملتے ہوئے اس کی نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور پر پڑی اور اس نے گھبرا کر ریوالور چھوڑ دیا۔

"یہ... یہ ریوالور میرے ہاتھ میں کیسے آیا... میں... میں تو ناشتہ کر رہا تھا اور آپ لوگ بھی... پھر... پھر۔"

سردار صاحب نے ایک گہری سانس لی۔

"گھبراؤ نہیں بیٹے۔ دشمنوں کی ہر چال ناکام ہوگئی ہے۔ اب تم اپنے ہوش میں آچکے ہو۔" انھوں نے کہا اور پھر گھوم کر جبران کی طرف دیکھا۔

"اب اس معمہ کا حل بھی بتا دو۔ آخر اس سازش کا ذمہ دار کون ہے۔؟" انھوں نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب بہتر ہوگا کہ آپ مسز ممتاز عرف مسز مراد یعنی روبینا سے پوچھیں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" سردار صاحب کو غصہ آگیا۔ "کیا تم بھی اختر کے خیالات سے متاثر ہوگئے ہو۔"

"جی نہیں۔ یہ عورت جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑی ہے اور آپ کا وہ سیکریٹری جسے آپ نے یہ کہہ کر رکھوایا تھا کہ وہ کسی لڑکی کو سیکریٹری رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ دونوں شوہر و بیوی اور سزا یافتہ مجرم ہیں۔" جبران نے اطمینان سے جواب دیا۔ "پولیس میں ان کا باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے۔ ان کا کام یہی ہے کہ یہ ادھیڑ عمر دولت مندوں کو پھانستے ہیں۔ روبینا جس کا اصل نام خدا ہی جانے کیا ہے۔ مختلف ناموں سے ملازمت کرتی ہے اور پھر اپنے ادھیڑ عمر مجرد باس کو محبت کے جال میں پھانس کر شادی کر لیتی ہے۔ پھر دونوں میاں بیوی حالات کے مطابق طریق کار اختیار کرتے ہیں کہیں نت نئی فرمائشوں سے اس کی دولت لوٹی جاتی ہے۔ کہیں راتوں رات سیف خالی کر کے غائب ہو جاتے ہیں اور جہاں کوئی حربہ کام نہ کرے وہاں قتل و غارت گری سے بھی باز نہیں آتے۔ اب تک دو قتل اُن کے نامۂ اعمال میں لکھے جا چکے ہیں مگر بہت دامن بچا کر کام کرتے ہیں۔ پولیس پورا شبہ ہونے کے باوجود عدم ثبوت کی وجہ سے ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" روبینا چیخی۔ اگرچہ اس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔

"بہت خوب۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ تم اور تمہارا شوہر ممتاز مسٹر اور مسز مراد کے بھیس میں ہر ہفتہ کی رات کو جبکہ سردار صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ شطرنج کھیلنے چلے جاتے تھے، سیون اسٹار کلب میں ملاقاتیں کرتے تھے، ممتاز نے فیکٹری میں کار کے بریک خراب کر دیئے۔ تمہیں توقع تھی کہ سردار صاحب کے بجائے ان کی لاش گھر پہونچے گی، لیکن تم نے ان کی کار بنگلہ میں داخل ہوتے دیکھ کر فوراً ممتاز کو فون کیا اور وہ اپنا نامکمل کام پورا کرنے کے لئے رائفل لیکر بنگلہ پر پہونچ گیا۔ خوش قسمتی سے مالی بیمار تھا۔ تم نے چوکیدار کو بہانے سے چلتا کر دیا تاکہ اسے بنگلہ میں داخل ہونے سے روکنے والا کوئی نہ ہو۔ اس نے باغ میں کھڑے ہو کر سردار صاحب کو نشانہ بنایا مگر خوش قسمتی سے اس کا یہ وار بھی خالی گیا۔ اب تم گھبرائیں اور تم نے اسے مجبور کیا کہ وہ کوئی ایسی اسکیم سوچے جس سے تم براہِ راست ملوث نہ ہو سکو، اتفاق سے اسی وقت ڈاکٹر مرشد کی گفتگو کے چند فقرے اس کے کانوں میں پڑ گئے۔ ڈاکٹر مرشد ایک ذہین سائنسداں ہیں مگر لوگ ان کے نیم پاگل ہونے کی وجہ سے ان کی باتوں پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دیتے۔ ممتاز نے اس کے برعکس اُن کے دعووں کو سنجیدگی سے سُنا وہ ان سے تنہائی میں جا کر ملا اور اس دوا کے بارے میں سوالات کئے جس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ تھا کہ وہ انسان پر مسمریزم جیسی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ تجربہ کر لینے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ چنانچہ جب اسے تمہارے ذریعے اختر کے شہزاد نگر سے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے ایک ایکسیڈنٹ کا انتظام کیا۔ سڑک کے دونوں کناروں پر سڑک زیرِ مرمت ہے کے بورڈ رکھ کر ٹریفک بند کر دیا گیا اور اختر کی کار کو روک کر اس کے سر پر ضرب مار کر بیہوش کر کے ڈاکٹر مرشد کے گھر پہونچا دیا گیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر مرشد کو یہ فریب دیا کہ اختر غیر ملکی جاسوس ہے اور حکومت ڈاکٹر صاحب کی دوا استعمال کر کے معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اسے کس خفیہ مشن پر یہاں بھیجا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جو اپنے پاگل پن میں نیشنل ریسرچ سینٹر کے سربراہ مقرر کئے جانے کے لئے بیقرار رہتے ہیں اس چال میں آگئے۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا سردار صاحب اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ اگر جھوٹ ہے تو پھر اس کا فیصلہ ابھی ہو سکتا ہے۔ میں انسپکٹر ریاض کو فون کرتا ہوں۔ وہ تمہیں اور ممتاز کو سیون اسٹار کلب لے جائے گا اور وہاں کے لوگ تمہیں مسٹر اور مسز مراد کی حیثیت سے پہچان لیں گے۔ اس کے علاوہ خود پولیس ریکارڈ سے تمہارے فوٹو اور انگلیوں کے نشانات چیک کر کے میری باتوں کے جھوٹ یا سچ ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

روبینا نے محسوس کر لیا کہ اب اس کے لئے کوئی جائے فرار نہیں ہے اور یہ محسوس کرتے ہی اس نے عورت کے آخری حربے یعنی آنسوؤں سے کام لینا شروع کر دیا۔ وہ بے تحاشا روتے ہوئے سردار صاحب کے قدموں سے لپٹ گئی کہ وہ بالکل بے بس و مجبور ہے۔ اس کا ظالم شوہر اسے مارپیٹ کر اور جان سے مارنے کی دھمکی دیکر اپنی سازشوں میں شریک ہونے پر مجبور کرتا ہے اور یہ کہ خدا کے لئے اسے معاف کر دیا جائے۔ سردار صاحب نے جن کی آنکھیں اب پوری طرح کھل چکی تھیں۔ نفرت سے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے اسی وقت گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور کہدیا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر شہر چھوڑ دے ورنہ پھر وہ سارا معاملہ پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن جبران جانتا تھا کہ یہ محض اُن کی دھمکی ہے۔ اُن کی شادی کو سوسائٹی میں کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا تھا۔ اب اگر یہ حالات لوگوں کے علم میں آگئے اور خاص طور پر یہ بات کہ انھوں نے ایک ایسی عورت کے چکر میں پھنس کر اپنے اکلوتے بیٹے کو گھر سے نکال دیا تھا نیز اسے جائیداد سے محروم کرنے کی دھمکی بھی دے چکے تھے تو اُن کی برسوں کی محنت سے بنایا ہوا عزت و شرافت کا محل زمیں بوس ہو جائے گا۔ پھر اس خبر سے اخبارات میں جو اسکینڈل بنے گا وہ الگ۔

"جبران۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایک مکار اور فریبی عورت کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچا لیا۔" سردار صاحب نے روبینا کے چلے جانے کے بعد کہا۔ "اور تمہیں تمہاری منہ مانگی فیس دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"سردار صاحب، میرے پاس روبینا اور ممتاز کے خلاف مکمل ثبوت اور گواہ

موجود ہیں۔" جبران مسکرایا "اور میں آپ کی خواہش کے بغیر بھی انھیں پولیس یا اخبارات کے سپرد کر سکتا ہوں۔ یہ بات ذہن میں رکھئے اور پھر میری فیس کی ادائیگی کا فیصلہ کیجئے۔"

"ہاں ہاں بھئی مگر تم کچھ کہو بھی تو سہی۔"

"میری کل فیس ہے پانچ لاکھ پچیس ہزار روپیہ۔" جبران نے بڑے مزے سے کہا۔

"پانچ لاکھ پچیس ہزار۔" سردار صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جی ہاں۔" جبران نے مسکراتے ہوئے کہا "جس میں سے پانچ لاکھ آپ عبداللطیف صاحب کو ادا کریں گے اور پچیس ہزار مجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو بالکل واضح ہے ابا جان۔" اب اختر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

"تم چپ رہو جی۔" سردار صاحب نے تیزی سے کہا اور جبران سے مخاطب ہوئے۔

"تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔؟"

"اب آپ اسے جو چاہیں سمجھ لیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ نیشنل کارپٹ فیکٹری بند نہ ہو اور لطیف صاحب بدستور اس کے مالک رہیں۔ آپ آج جو کچھ ہیں یہ سب لطیف صاحب کے تعاون کا نتیجہ ہے آپ کو اتنا خود غرض نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کی ضرورت کے وقت ان کے احسانات فراموش کر کے بزنس کرنے بیٹھ جائیں اور یہ پانچ لاکھ آپ بڑی خوش اسلوبی سے لطیف صاحب کو دے سکتے ہیں۔ آپ ان کی صاحبزادی پروین سے اختر کی شادی کر دیں اور دلہن کو منہ دکھائی میں پانچ لاکھ کا چیک دیدیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترکیب آخر کار آپ کے لیے بھی سود مند ہو گی۔ آپ کی زندگی میں نہ سہی بعد میں سہی سردار کارپٹ انڈسٹریز اور نیشنل کارپٹس ایک ہی کمپنی کے دو نام ہو سکتے ہیں۔ رہے میرے پچیس ہزار تو آپ اس رقم کا چیک لکھ دیں، مجھے آپ پر کم سے کم اتنا اعتماد تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"سہراب جی نے مجھے خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔" سردار صاحب ایک ٹھنڈی سانس لیکر صوفے پر بیٹھ گئے۔ "مگر میرا خیال تھا کہ میں ایسا کوئی موقع ہی نہیں آنے دونگا جس سے تم مجھے میری مرضی کے خلاف مجبور کر سکو۔ اچھی بات ہے جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو گا، لیکن تمہیں روبینا اور ممتاز کے خلاف فراہم کئے ہوئے تمام ثبوت ضائع کرنا پڑیں گے اور یہ وعدہ بھی کرنا ہو گا کہ آئندہ کبھی اس معاملے میں تمہاری زبان سے کوئی ایک لفظ کسی کے سامنے نہیں نکلے گا۔"

اختر اتنی دیر میں انتہائی پھرتی سے کمرے سے جا کر واپس بھی آگیا تھا اس نے بڑے ادب سے چیک بک اور قلم سردار صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے۔" سردار صاحب چونکے۔

"چیک بک۔ آخر جبران صاحب نے میرے لئے اتنا کچھ کیا تو میں ان کے لئے اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتا کہ دوڑ کر چیک بک ہی لے آؤں۔" اختر نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

سردار صاحب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ چیک بک اس کے ہاتھ سے لی اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کے پچیس ہزار روپیہ کا چیک لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

ڈاکٹر حجی ایم ناز کی بلند پایہ تصنیف

ازدواجی نفسیات

عورتوں کی نفسیات جنسی

اِس کتاب کا موضوع خواتین کے وہ دُکھ ہیں جو اُن کی زندگی کو گھُن کی طرح چاٹتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ناز کو گزشتہ پندرہ سال میں جو ہزارہا خطوط مشوروں کے لیے ملے ہیں۔ اس میں اُن تمام خطوط کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔

قیمت: ۹/۲۵ رُوپے معہ محصول ڈاک

مکتبۂ نفسیات ۵۷۔ای ناظم آباد، کراچی